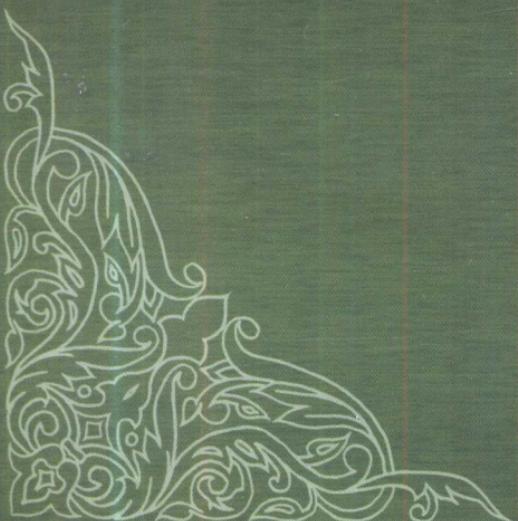


# قاموس الفاظ و اصطلاحات قرآن

افادات  
مولانا امین احسن اصلاحی

ترتیب و تحقیق  
اورنگ زیب عظیمی



# قاموس الفاظ واصطلاحات قرآن

افادات  
مولانا امین آسٹن صلاحی

ترتیب و تحقیق  
اور نگات زیب اعظمی



جملہ حقوق محفوظ ہیں

القصامی : محمد احسن تھائی

طبعی : گنج شکر پرنٹرز

اشاعت : ۲۰۰۵

قیمت :

400

## دارالتدذکیر

رخن مارکیٹ، غزنی شریٹ، اردو بازار

لاہور۔ 54000 فون : 7231119

ویب سائٹ : [www.dar-ut-tazkeer.com](http://www.dar-ut-tazkeer.com)

ایمیل : [info@dar-ut-tazkeer.com](mailto:info@dar-ut-tazkeer.com)

# فهرست

مقدمة ..... ٩-٥
مصنف كامبخت تعارف ..... ١٥-١٠
الفاظ واصطلاحات ..... ٣٦٨-١٦
حواله جات ..... ٣٩٣-٣٧٩
مصادر ومراجع ..... ٣٩٩-٣٩٣



## مقدمہ

عربی، انگریزی اور دیگر عالمی زبانوں سے قطع نظر خودارو میں قرآن کے کلمات و اصطلاحات پر اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ اس موضوع پر اب کچھ بولنا ایک تحصیل حاصل سا معلوم ہوتا ہے اس اعتراف کے ساتھ کہ قرآن معلومات و عجائب کا ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر دور میں کچھ ایسے لوگ گزرے میں جنہوں نے اپنی تابغیت اور ماحول کے سبب کچھ نئی اور انوکھی چیز تلاش کری ہی ہے۔ عذرہ نے صحیح کہا ہے:

### و هل غادر الشعرا من متقدم

مولانا اصلاحی بلکہ یوں کہیں مکتب فرایہ اس طرح کے لوگوں کی ایک جماعت ہے جس نے روز اول سے قرآن کو اپنا مطلع نظر بنایا اور اسے تمام علوم کا مرکز مان کر کام کیا ہے جس کی تفصیل طولانی ہے اور غیر ضروری بھی۔ قرآن کے الفاظ و کلمات کے تعلق سے بھی اس نے پوری ایمانداری اور جانکاری کا ثبوت دیا ہے اور کہیں کہیں اپنی ابک الگ راہ نکالی ہے۔ اس فن کو قرآن فہمی کا اولین زینہ قرار دیا ہے۔ اس مبارک کاروان کے سالار مولانا فرایہ تحریر فرماتے ہیں:

”جس پر قرآن کے الفاظ و معانی واضح نہ ہو سکے اس نے اپنے اوپر تدبر قرآن کا دروازہ بن کر لیا، اس کے لیے پورے جملے کا سمجھنا مشکل ہو گیا اور آیات و سور کا نظم اس سے مخفی رہ گیا“، مفردات القرآن (۱) ص ۲ (۲) ص ۹۵

اس کو سامنے رکھ کر مولانا فرایہ نے منتخب قرآنی کلمات و اصطلاحات کی تشریح کرنی شروع کی گروہ کام کامل نہ ہو سکا اور مرحوم اپنے دیگر کاموں کی طرح اسے بھی ادھورا چھوڑ کر اس

دارفانی سے کوچ کر گئے۔ ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مولانا اصلاحی نے ان کے نامکمل کاموں کی تحریک و تشریع کا پیر ماں بھالا مگر کام مشکل تھا اس لیے وہ اسے بجلے مکمل کرنے کے ایک تفسیر خود اردو زبان میں لکھنے میں لگ گئے تاکہ فکر فراہی کا ایک ہلکا سا جموقی تعارف ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کام پائے کمال کو پہنچا اور آج ہم اس کے اشاروں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

تفسیر قرآن کے دوران مولانا اصلاحی نے اپنے استاد کی تشریع سے مدد لے کر قرآن کے مفرد الفاظ اور اہم اصطلاحات کی ایک لکش اور مختصر تشریع پیش کی جو اس لائق تھی کہ اسے الگ سے جمع کر دیا جائے کہ ہونے ہو کوئی اٹھے اور اس پر مستقل کام کرے۔ میرے ذہن میں یہ خیال اس وقت آیا جب میں مدرسۃ الاصلاح کا طالب علم تھا مگر چند در چند مصروفیات و مواعظ نے اس کا موقع نہ دیا۔ اب کے ذرا فرست ملی تو میں نے یہ کام کیا۔

مولانا نے قرآن کے کلمات و اصطلاحات کی تشریع میں کن اصولوں کو برداشت ہے اور کیا کیا مأخذ ان کے سامنے رہے ہیں اس تعلق سے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ انہوں نے اردو خوان طبقہ کی رعایت کرتے ہوئے اپنے استاد کے نقش قدم پرحتی الامکان چلنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے مولانا کے اصولوں کے بجائے خود مولانا فراہی کے اصولوں کی طرف اشارہ یہاں بہتر ہو گا۔ مولانا فراہی نے اس باب میں ذیل مأخذ و مراجع کا سہارا لیا ہے۔

۱۔ قرآن مجید: قرآن اپنے کلمات و معانی کے لیے خود ایک بہترین شارح ہے۔ اس کا اعتراف ہر ایک نے کیا ہے۔ مولانا کہتے ہیں:

”.....رہے دوسرے تمام معانی تو اس میں مأخذ کلام عرب اور خود قرآن ہے.....“

فاتحہ نظام القرآن ص ۱۲

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”.....رہا اسالیب قرآن کا جواز تو اس میں سند کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ خود قرآن کلام عرب کے اسالیب کے لیے سب سے مستند ذریعہ ہے۔ یہ تو اتر سے منقول ہے۔ اس کا اس باب میں ان کے مشہور قصائد بھی مقابلہ نہیں کر سکتے کیوں کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ مخول کلام سے محفوظ رہے ہوں .....“ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن۔ ص ۱۵۶

## ۲۔ کلام عرب: اس کے باب میں مولا تحریر فرماتے ہیں:

”باتی رہے دوسرے الفاظ اور حقیقت و مجاز کے دوسرے اسلوب تو اس باب میں قدیم کلام عرب اور خود قرآن مجید ہے۔ لغت کی کتابیں ان چیزوں کی تحقیق میں کچھ زیادہ رہنمائی نہیں کرتیں۔ ان سے بالعلوم نہ تو الفاظ کی پوری حقیقت معلوم ہوتی، نہ عربی خالص اور عربی مولد کے درمیان کوئی امتیاز ہوتا ہے اور نہ لفظ کی جڑی کا پتہ لگتا کہ معلوم ہو سکے کہ کیا اصل ہے کیا فرع اور کیا حقیقت ہے کیا مجاز؟ تو جو لوگ کلام عرب میں ممارست نہیں بھیم پہنچاتے بلکہ صرف لغت کی کتابوں پر قائم ہو جاتے ہیں وہ بسا اوقات قرآن مجید کے معانی سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔ پھر قدیم کلام عرب کا جتنا حصہ ہم تک پہنچا ہے اس میں بہت کچھ ملاوٹ بھی ہے اور غریب و ناماؤں الفاظ کی بھی اس میں آمیزش ہے لیکن ایک ناقد ماہر کے لیے اصل و نقل میں امتیاز کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ صرف وہ معنی لیے جائیں جو اصلی کلام عرب سے ماخوذ ہوں، شاذ معنی ہرگز نہ لیے جائیں۔“

## تفییر نظام القرآن ص ۳۲

۳۔ اشباع الوجوه لخث: کلام عرب کے جو معانی کثیر الاستعمال ہیں اور خود کلام الہی ان کی تائید میں ہے تو وہی معانی لیے جائیں گے۔ مولا تحریر اسی کہتے ہیں:

”کلام عرب میں کثیر الاستعمال معنی کو بغیر کسی مضبوط سبب کے چھوڑنا نہیں جاسکتا“

کیوں کہ جب دوسرے وجہ، نظم قرآن، موافقت قرآن اور موافقت عقائد، برابر ہوں تو شائع الاستعمال معنی کو لینے سے چھکار نہیں..... رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، ص ۲۷۲

۳۔ لغات کی کتابیں: لغت کی کتابوں پر وہ زیادہ بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ ہاں زیادہ تر لسان العرب وغیرہ کی طرف رجوع کرتے تھے مگر ایک ناقد بصیر کی طرح ایک انہیں مقلد کی طرح نہیں۔ لسان پر ان کے تقيیدی خواشی اس پر دال ہیں۔ کہتے ہیں:

”لغت اور غریب کی کتابیں کلمات کے پورے حدود نہیں بیان کرتیں، تفسیر و سیر کی کتابیں بھی تفسیر و صحت کے ساتھ ان باتوں کی توضیح نہیں کرتیں جو قرآن میں مذکور ہیں.....“ مفردات القرآن۔ (۱) ص ۵ (۲) ص ۹۸

۵۔ عبرانی اور عربی کی دیگر اخوات: مولانا نے اس تعلق سے ان زبانوں سے کافی استفادہ کیا ہے جن کا ذکر کہ تشریع کے دوران کرتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ احادیث نبویہ بھی چند کلمات کی تشریع میں مدد و دیتی ہیں جس طرح اصطلاحات کی تشریع قرآن کے علاوہ مت نبویہ سے ہوتی ہے۔ مولانا اصلاحی ’وہن‘ کی تشریع میں کہتے ہیں:

’وہن‘ کے معنی ضعف کے ہیں۔ عام اس سے کہ ضعف عمل کا ہو یا ارادے کا، جسم کا ہو یا کردار و اخلاق کا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم سیالب کے خس و خاشاک کے مانند ہو جاؤ گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہو گا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے اندر ’وہن‘ پیدا ہو جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ’وہن‘ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: حب الدنيا و کراہة الموت، دنیا کی محبت اور موت کا ذرہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

عزم و حوصلہ اور عمل و ارادہ کی وہ پستی جو دنیا اور دنیا کی زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے پیدا ہوتی ہے اور انسان کو راہ حق میں جہاد سے روکتی ہے وہ 'وہن' ہے۔ یہ حدیث اس لفظ کی بہترین تشریع ہے۔ تدبیر قرآن ۱۸۰۲

میرا کام: اردو میں تحریر کی ہوئی کتابوں کو دیکھتے ہوئے جوانہائی ہلکی اور تجارتی انداز کی ہیں، میں نے اس کام کو پائے کمال تک پہنچایا اور مولانا کی مختلف تحریروں سے منتخب ضروری اصطلاحات کو جمع کر کے:

- مصنف کا مختصر تعارف کرایا ہے۔

- نامکمل حوالہ جات کی تکمیل کی۔

- مزید حوالہ جات، حسب ضرورت دیے ہیں۔

- طلبہ کی سہولت کے لیے مادہ کے حساب سے ترتیب دی ہے۔

- مزید اطمینان کے لیے اصل کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

- کسی بھی اضافے کو بین القویں رکھا ہے۔

- بعض غیر ضروری تشریحات کو حذف کیا جب کہ بعض ضروری اور مفید تشریحات کو

باقی رکھا ہے۔

- متعلق تحریروں کو حاشیہ پر جگہ دی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے تدبیر قرآن کی راہ ہموار ہو اور میرے لئے ایک

حیرتو شر آخرت۔

اور گزیب اعظمی

۱۹ جولائی ۲۰۰۳ء

نی دہلی - ۲۵

## مصنف کا مختصر تعارف \*

مدرسۃ الاصلاح کے لائق فرزندوں اور امام فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں جن شخصیات کا نام آتا ہے ان میں سرفہrst مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا محمد الدین اصلاحی اور مولانا امین احسن اصلاحی ہیں۔ اول الذکر دنوں بزرگوں نے تو پہلے ہی اس جہانِ رنگ و بوکو خیر باد کہہ دیا تھا مگر آج جب کہ ہم یہ سطور لکھ رہے ہیں ان کے اس شاگر درشید سے بھی محروم ہو گئے ہیں جو تقریباً فراہی سے استفادہ کرنے والی اس سرزین پر آخری شخصیت تھی، انا اللہ وانا الیہ راجحون۔

بمہور سے اصلاح تک: مولانا کی ولادت رجڑ داخلہ (مدرسۃ الاصلاح) کے مطابق ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام حافظ محمد مرتضی ہے۔ آپ بمہور (اعظم گذھ) کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی پھر ۱۹۱۵ء میں مدرسۃ الاصلاح میں درجہ سوم میں داخلہ لیا۔ رفتہ رفتہ وہ اس چشمے سے سیراب ہوتے ہوئے ۱۹۲۲ء میں فارغ ہوئے۔ ان کے خاص اساتذہ یہ تھے: مولانا عبد الرحمن عگراہی، مولانا شبلی محتکم اور امام حید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہم۔

ابھی مدرسہ میں زیر تعلیم تھے کہ والد بزرگوار نے ۱۹۱۶ء میں ۱۲ سال کی عمر میں شادی کر دی۔ مدرسہ سے فراغت کے بعد آپ بجنور میں مدینہ میں ایڈینگ کا کام انجام دینے

لگے۔ اسی دوران دیگر پرچوں میں بھی ان کے مفہامیں شائع ہوئے۔ اس پیچ انہوں نے مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب کے پرچہ "حج" اور پچوں کے رسالہ "غنچہ" میں بھی کام کیا۔

**بجزور سے اصلاح تک:** ۱۹۲۵ء میں جب امام فراہی جامعہ عثمانیہ سے مستعفی ہو کر گھر لوٹے تو مولانا سے ملاقات ہوئی، فرمایا: کیا تم صحافی بنو گے یا مجھ سے قرآن کا کچھ مزید علم حاصل کرو گے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اسے غنیمت سمجھا اور دوسرا رائے کو پسند کر لیا۔ ان کا قیام و طعام مولانا فراہی کے ہاں طے پایا اور وہ ان سے قرآن کا مزید درس لینے لگے۔ مگر مدرسہ والوں نے اصرار کیا کہ درس پہلیں مدرسے پر ہوا اور اس میں اساتذہ بھی شریک ہوں۔ مولانا موصوف نے اس میں تدریس کی خدمات بھی انجام دیں۔ خیر مولانا اس طور پر مدرس بھی ہو گئے اور امام فراہی سے قرآن کا درس بھی لینے لگے۔ اس دور تدریس میں مولانا اصلاحی سے جن لوگوں نے استفادہ کیا ان میں یہ چند نام خاص اور نمایاں ہیں۔ مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا اطہار احمد اصلاحی، حکیم مقدار احمد اصلاحی، مولانا عبد الدین اصلاحی، مولانا احتشام الدین اصلاحی، مولانا بدر الدین اصلاحی، مولانا عبد الرحمن ناصر اصلاحی اور عبد اللطیف عظیٰ وغیرہم۔

**الاصلاح سے مودودی تک:** ابھی درس و تدریس کے چند ہی سال گذرے تھے کہ امام فراہی اس دنیا سے چل بے۔ ان کی وفات کے بعد شاگردوں پر ایک دوسری ذمہ داری عائد ہو گئی۔ یعنی ان کے باقی ماندہ اور ناتمام کاموں کی تحریک۔ چنانچہ مولانا اختر احسن اصلاحی وغیرہ نے ۱۹۳۶ء میں ایک پرچہ "الاصلاح" نامی جاری کیا۔ جس کا مقصد ہی فکر فراہی کی ترویج و اشاعت تھا۔ اس نے حلقة یاراں میں اس خدمت کو جتنا انجام دیا وہ اسی کا حصہ ہے۔

یہ پرچہ اپنی اسی خدمت میں جاری و ساری تھا کہ مولانا مودودی کی فکری و انقلابی تحریروں کا غلغله بلند ہوا۔ ابتدا میں مولانا اس کے مخالف تھے اور ”الاصلاح“ کی فائلوں میں اس پر تقدیمیں بھی کیں مگر بعد میں وہ اس کے قائل ہو گئے اور جب ۱۹۳۳ء میں مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کے قیام کا اعلان کیا تو وہ اس میں شامل ہو گئے۔

**پھر اسی مشن کی طرف:** مولانا امین احسن اصلاحی نے جماعتِ اسلامی کی جو خدمت کی وہ انہیں کا حصہ ہے۔ خود مولانا ابوالا علی مودودی کا بیان ہے کہ وہ میرے دائیں بازو تھے۔ انہوں نے اس کے لیے جا بجا تقریریں کیں، مختلف محاضرات میں حصہ لیا اور اس نازک پودے کو ایک تناور درخت بنایا۔ مگر جنوری ۱۹۵۸ء میں مولانا مودودی کی بعض پالیسیوں سے اختلاف کی بنا پر جماعتِ اسلامی سے عیحدگی اختیار کر لی۔

جب جماعتِ اسلامی سے عیحدہ ہوئے تو اپنے مشن اور فکر کی خدمت کا زیادہ وسیع پیمانہ پر موقع ملا۔ آپ نے اس کی طرف توجہ کی۔ ”یثاق“ نامی رسالہ نکالا۔ اس سے انہوں نے قرآن کی اچھی خدمت کی۔ ”یثاق“ کے بعد ”الصفا“ جاری کیا اور آخر میں ”حلقة مدبر قرآن“، ”قامع“ کر کے قرآن کی تہاوہ خدمت کی جو ایک اکیڈمی کیا کرتی ہے۔ اس حلقت کے تحت ایک پرچہ ”مدبر“ شائع کیا جو آج تک اس خدمت میں لگا ہوا ہے۔ اس پرچہ کے تحت جب انہوں نے قرآن کی خدمت کا کام اپنی حد تک پورا کر لیا تو حدیث کی خدمت شروع کی جو چند قدم سے آگے نہ بڑھ سکی اور اسی کام میں ۱۹۹۷ء میں ان کا خاتمه بالخیر ہو گیا۔

**اخلاق و عادات:** مولانا اصلاحی بڑے پکشش، وجیہ و شکلیل، جامدہ زیب، بارعہ اور نظافت پسند شخص تھے۔ انہیں صفائی بہت پسند تھی۔ کبھی ان کے جسم پر میلے کھیلے

کپڑے نہیں دیکھئے گئے۔ لباس سفید پہننے تھے جس پر کہیں داغ دھنپ نہیں ہوتا تھا۔ لباس ہی کی طرح ان کا کمرہ بھی چمکتا اور جگہ کاتار ہتا تھا۔ ان کے پڑھنے لکھنے کی میز بہت مرتب اور صاف ہوتی۔ ان کی ہر ہر چیز سے حسن، نفاست اور سلیقہ مندی ظاہر ہوتی تھی اور کہیں سے بد ذوقی اور بے ڈھنگے پن کا پتہ نہیں چلتا تھا۔

ان میں حد درجہ غیرت، خودداری، استغنا اور بے نیازی تھی کبھی کسی کا احسان مند ہونا گوار نہیں کرتے تھے۔ وہ جس پایہ اور رتبہ کے شخص تھے۔ چاہتے تو ہر بڑا عہدہ اور اعزاز ان کو مل سکتا تھا۔ لیکن ان کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ ان کا قیام حرم پورہ میں تھا جس کی حیثیت ایک گاؤں جیسی تھی۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے بہت چاہا کہ ان کے لیے لا ہور یا جس بڑے شہر میں وہ پسند کریں ایک اچھا مکان تعمیر کرادیں۔ مگر وہ اس کے لیے کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔

وہ عام لوگوں سے بڑی تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے لیکن امراء اور رذی جاہ و حشمت اشخاص سے کبھی جھک کرنے نہیں ملے۔ طبیعت شاہانہ پائی تھی۔ ہمیشہ اچھی اور قیمتی چیزیں استعمال کرتے تھے۔ کوئی ادنیٰ اور معمولی چیزان کی نگاہ میں بچھتی ہی نہیں تھی۔ ہمیشہ سکینڈ اور فرسٹ کلاس میں سفر کرتے۔ تانگے پر اکیلے سوار ہوتے۔ کشادہ دست تھے، پس انداز کرنے کی کبھی عادت نہیں رہی۔ جو پاس ہوتا بے در لیخ خرچ کردا لئے۔ سائل کو اپنی حیثیت سے زیادہ دیتے تھے۔ حرص و ہوس کا کوئی شاہنشہ بھی ان میں نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن اعلیٰ و برتر مقاصد کے لیے پیدا کیا تھا انہیں میں شب و روز منہک رہتے۔ گھر گرہستی کے کاموں سے کوئی سروکار نہ رکھتے۔ ان کی ضرورتوں کا سامان ان کے عزیز اور احباب مہیا کرتے تھے جن سے کہا کرتے کہ انتم اعلم با مور دنیا کم۔

**اولادیں:** انہوں نے دو شادیاں کیں۔ ایک ہندستان میں، جن سے کل پانچ اولادیں ابو صالح، ابو سعد، ابو سعید، اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو پاکستان جانے کے بعد دوسری شادی کی جن سے صرف ایک بیٹی ہوئی۔

**شاگرد:** ہندستان کے قیام کے دوران ان سے جن لوگوں کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا ان کی ایک فہرست پیچھے گذر چکی ہے۔ آئیے اب پاکستان کے قیام کے دوران ان سے مستفید ہونے والے چند لوگوں کے نام سن لیں، ابو سعید، ڈاکٹر اسرار احمد، جاوید احمد غامدی، ماحد خاور اور ان میں سب سے نمایاں خالد مسعود ہیں جو ان کے شاگرد ہیں۔

**تصانیف:** مولانا نے ایک طویل عمر پائی تھی اور اس کا بھرپور استعمال بھی کیا۔ انہوں نے جو مکمل اور نامکمل تصانیف اپنے پیچھے چھوڑیں ان کی ایک فہرست ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

- حقیقت توحید
- حقیقت تقویٰ
- مبادیٰ تدبیر قرآن
- اسلامی ریاست
- اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل
- قرآن میں پردے کے احکام
- تزکیۃ نفس دو جلدیں

- دعوتِ دین اور اس کا طریقہ کار
- مقالات اصلاحی
- تضییحات
- تقيیدات
- فلسفے کے مسائل قرآن کی روشنی میں
- دروس البخاری والموطأ
- تفسیر مولانا حمید الدین فراہی۔
- تفہیم دین

ترجمہ: مولانا نے اپنے استاد کی فکر کو عام کرنے کے لیے ان کی کتابوں کے جو عربی میں تھیں اردو ترجمے کئے ہیں کو پڑھ کر نقل کے بجائے ان پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہے:

(۱) مجموعہ تفاسیر فراہی (۲) اقسام القرآن (۳) ذیع کون؟

خطابات: مولانا میں احسن اصلاحی کو تحریر ہی کی طرح تقریر کا بھی خدادار ملکہ تھا۔ ان کا یہ جو ہر طالب علمی ہی کے زمانہ میں محل گیا تھا۔ مولانا عبد الرحمن نگراہی کی محبت میں اسے مزید ترقی ہوئی۔ وہ خلاقت اور مولانا مدنی کے ساتھ جمیعت کے جلسوں میں شریک ہوتے اور اپنی جادو بیانی کا سکھ جمادیتے۔ بعض شفقت مشاہدین نے مجھے بتایا کہ ان کی تقریروں کے سامنے مولانا حفظ الرحمن سیوا ہاروی کی تقریر پھیکی ہو جاتی تھی۔ جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے تو اس حلقہ کے سب سے بڑے مقرر وہی تھے۔ وہ کئی کئی کھنے بولتے گرتسل اور حسن بیان میں فرق نہیں آتا۔ وہ مدرسۃ الاصلاح کے توگل سربراہ تھے ہی حق یہ ہے کہ پورے بر صیر میں اس پایہ کے عالم، خطیب اور مصنف کم ہی ہوں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اب<sup>۲</sup>:

‘اب’ کے معنی نبات اور شاداب گھاس کے ہیں۔ چوپا یوں کے کام آنے والی چیز تو وہ بھس بھی ہے جو غلہ سے الگ کیا جاتا ہے لیکن وہ عام اور معمولی چیز ہے جب کہ یہاں موقع کسی ایسی چیز کے ذکر کا تھا جو ان کے لیے وہی درجہ رکھتی ہو جو درجہ انسانوں کے لیے ‘فواکہ’ کا ہے۔ تازہ اور شاداب گھاس ان کے لیے عام بھی ہے اور ساتھ ہی ان کے وہ ان تمام میوں، بیزوں اور ترکاریوں کا بہترین بدل بھی ہے جو انسان کو حاصل ہیں۔

لفظ ‘اب<sup>۳</sup>’ پر استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سورہ عبس<sup>(۱)</sup> میں مفصل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ لفظ عربی کے معروف الفاظ میں سے ہے اس وجہ سے بعض روایات میں یہ بات جو نقل ہوئی ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کو اس کے معنی کا علم نہیں تھا، کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ میرے نزدیک استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق نہایت تشفی بخش ہے۔ اگر کسی کو اس کے بارے میں کوئی خلش ہو تو وہ مولا نما کی تفسیر سورہ عبس کی مراجعت کرے۔ (۲۱۰/۹)

ابریق:

‘اباریق’ جمع ہے ‘ابریق’ کی۔ ‘ابریق’ فارسی کے آب ریز سے مزب معلوم ہوتا ہے اور یہ چیز اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ عربوں نے بہت سے تمدنی الفاظ عجمیوں سے لیے ہیں۔ (۱۶۳/۸)

**ابق:** ‘ابق’ سے اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جب حضرت یونس قوم کو چھوڑ کر کسی

دوسرے مقام کو چلے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ (۲/۳۹۳)

### أَبَابِيلُ:

‘أَبَابِيلُ’ سے ابا ملیں مراد نہیں ہیں، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ لفظ گھوڑوں کی جماعت اور چڑیوں کے جھنڈ کے لیے آتا ہے۔ اس کے واحد اور جمع ہونے کے باب میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی واحد نہیں ہے۔ بعض اس کو ‘إِبَالَةٌ’ کی جمع بتاتے ہیں<sup>(۲)</sup>۔ یہاں یہ ان چڑیوں کے لیے آیا ہے جو مقتولوں کی لاشیں کھانے کے لیے جمع ہو جاتی ہیں۔ (۹/۵۶۱)

### أَبَاءُ:

‘آباءُ’ اپنے وسیع معنوں میں اجداد و اماماں سب پر مشتمل ہے۔ محروم اعزہ کے نمایاں عناصر کے نام گناہیے ہیں لیکن مراد وہ سب ہیں جو اس حکم میں داخل ہیں۔ (۵/۳۹۷)

**أتیه:** ‘اتیه’ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی صرف نہیں ہیں کہ وہ آئے گی، بلکہ یہ فاعل کا صیغہ ہے جس کے اندر رزور اور تاکید ہے کہ یہ آکے رہے گی، یہ شدفنی اور اثر ہے۔ (۵/۳۳)

### إِيتَاءُ: دِيْكَصِين ”إِيتَاءُ ذَى الْقَرْبَى“ -

### أَثَارُ:

‘آثارُ’ سے مراد تمدنی و تعمیری ترقیوں کے آثار ہیں۔ دنیا میں انہی آثار کو ہمیشہ قوموں کی عظمت و شوکت کی دلیل سمجھا گیا ہے۔ لیکن قرآن سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگر قوم ایمان سے عاری ہو تو یہ آثار اس کے زوال کی نشانی ہیں اور بالآخر یہی اس کے

تو می وجود کے لیے مقبروں کی صورت میں تبدیل ہو کے رہتے ہیں۔ (۲۸/۷)

### اشارۃ:

اشارۃ اس روایت کو کہتے ہیں جو سلف سے مقول ہوتی چل آرہی ہو۔ الاتارة البقیة من العلم توثر (وهم علی الاتارة من العلم) ای بقیة منه یاثرونها عن الاولین (اقرب الموارد)<sup>(۳)</sup> اس کے ساتھ من علم کی قید اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ اس روایت کی بنیاد مخفی وہم و گمان پر نہیں بلکہ علم پر ہو۔ (۳۳۶/۷)

اشارۃ: اشارۃ کے معنی اٹھانے اور ابھارنے کے ہیں۔ (۵۰۱/۹)

ایشارہ: کے معنی ترجیح اور فضیلت دینے کے ہیں۔ (۲۵۰/۳)

### اثم:

اثم میں اصلاً تاریخی پیچھے رہ جانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آئندہ اس اوثنی کو کہتے ہیں جو تمک جانے کی وجہ سے پیچھے رہ جائے۔ پھر یہ لفظ ادائے حقوق میں پیچھے رہ جانے کے لیے استعمال ہوا، عام اس سے کہ وہ خدا کے حقوق ہوں یا بندوں کے۔ اپنے اس مفہوم کے لحاظ سے یہ ”بر“ کا ضد ہے۔ ”بر“ کا اصل مفہوم ..... ایفائے حق ہے۔ یہ لفظ ”عدوان“ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ حقوق کے معاملہ میں گناہ و دشمن کے ہوتے ہیں۔ ایک کوتاہی اور حق تلفی کی نوعیت کے، دوسرے دست درازی اور تعدد کی نوعیت کے۔ پہلی قسم کے لیے اثم کا لفظ ہے۔ دوسری کے لیے عدوان کا۔ ..... جف کے معنی ہم واضح کرچکے ہیں کہ جانب داری کے ہیں اس کے بالمقابل اثم کا نھیک مفہوم حق تی کا ہوگا۔ اور ایک نامنصف و صیت کرنے والے سے انہی دونوں باقوں میں سے کسی ایک بات کا

اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یا تو وہ وارثوں میں سے کسی ایک کی جانبداری کرے گا یا کسی کی حق تلفی کا مرٹکب ہو گا۔ (۲۳۱/۱)

**اثمہ تائیما:** 'اثم تائیما' کے معنی 'اس نے اس کو گناہ کی تہمت لگائی۔ (۲۷۸)

### اثام:

'اثام' کے معنی جو ہری نے نتیجہ گناہ کے لیے ہیں<sup>(۲)</sup>۔ یہ اس طرح کا استعمال ہے جس طرح کوئی فعل یا اسم لاتے ہیں اور مقصود اس سے اس کا شرہ و نتیجہ ہوتا ہے۔ (۳۸۸/۵)

### اجل:

'اجل' کے معنی مدت مقررہ کے ہیں۔ 'اجل' یا 'اجل مسمی' کا لفظ فردیاً اقوام کے تعلق سے مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک تو اس مدت حیات کے لیے جو ہر فرد کو تقدیر کی طرف سے ملی ہے، دوسرے اس روز بعثت کے لیے استعمال ہوا ہے جو خلق کے انجائے جانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ تیسراً اس مقررہ پیانہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو کسی قوم کی ہلاکت کے لیے مقرر ہے۔ پہلے معنی کے لیے نظر آیت زیر بحث میں بھی ہے اور اسی سورہ کی آیت ۲۰ میں بھی فرمایا ہے<sup>(۵)</sup> وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُمْ بِاللَّيلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيَقْضِيَ أَجَلَ مُسَمَّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُبَيِّنُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ — ۲۰ (اور وہی خدا ہے جو تمہیں وفات دیتا ہے شب میں اور وہ جانتا ہوتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا ہوتا ہے، پھر وہ تم کو دوسرے دن

---

\* 'اثم' سے مراد وہ برائیاں ہیں جو حق تلفی، نا انسانی اور قلم کی نوعیت کی ہوں۔ (۷۷/۱)

میں اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری مقررہ مدت پوری کی جائے، پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹا ہو گا، پھر وہ تم کو آگاہ کرے گا ان سارے کاموں سے جو تم کرتے رہے ہو) دوسرے معنی کے لیے نظر آیت زیر بحث میں ہے<sup>(۱)</sup>۔ اس میں 'اجل' کا ذکر درود مرتبہ ہے۔ ایک اجل تو ظاہر ہے کہ وہی ہے جو ہر فرد کی مدت حیات کے طور پر مقرر ہے، دوسری 'اجل'، جس کے ساتھ 'مبسمی'، کی صفت گئی ہوئی۔ قرینہ دلیل ہے کہ اس سے وہ مدت مراد ہے جو خلق کے اٹھائے جانے کے لیے مقرر ہے۔ تیسرا معنی کے لیے نظر آیت لکھل آئیہ اجل ج فاذا جاء اجلُهُمْ لَا يسْتَاخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ — ۳۲۔ الاعراف۔ اور اس مضمون کی دوسری آیت میں ہے۔ اس 'اجل' سے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، وہ مقررہ پیمانہ مراد ہے جو کسی قوم کے اخلاقی زوال کی اس آخری حد کی خبر دیتا ہے جب قانون الہی اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ یہ پیمانہ افراد کی مدت حیات کی طرح نہیں ہے کہ کوئی نیک ہو یا بد، جو مدت حیات اس کے لیے مقرر ہے اس کے ختم ہو جانے پر وہ لازماً مر جاتا ہے بلکہ یہ اخلاقی قوانین کے تابع ہے، جب تک کوئی قوم اپنے ایمان و کردار کو محفوظ رکھے گی خدا اس کو قائم رکھے گا۔ یہاں تک کہ وہ اجل مسکی آجائے جو اس پوری کائنات کے لیے خدا کی طرف سے مقرر ہے۔ اس پیمانہ کے اخلاقی ہونے کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک قوم کا پیمانہ لبریز ہونے کی آخری حد پر پہنچ رہا ہو اور اس کی اجل مسکی آئی کھڑی ہو لیکن سوتی کے آخری نقطہ پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ قوم توبہ اور اصلاح کے ذریعہ سے اپنے زندہ رہنے کا حق پھر بحال کر لے۔ یہاں ہم اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔ (۱۸/۳)

**أخذ و د:** 'أخذ و د' کے معنی کھٹد، کھاؤ اور گڑھے کے ہیں۔ (۲۸۹/۹)

## اخذہ (رَأْبِيَّة):

‘اخذہ رَأْبِيَّة’ سے مراد وہ پکڑ ہے جس کی مدافعت نہ ہو سکے اور جو انسان کی برداشت سے زیادہ ہو جائے۔

**اخوان:** اخوان سے مراد بھائی بند اور تعلق و رشتہ دار کے لوگ ہیں۔ (۲۰۶/۲)

## آخر (عَاد):

‘اخاء عاد’ سے مراد حضرت ہو دعیٰ السلام ہیں جو قوم عاد کی طرف رسول بناء کر بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم عاد ہی کے ایک فرد تھے اس وجہ سے ان کو عاد کا بھائی کہا۔ (۳۷۰/۷)

**تادیب:** تادیب، اصل معنی ‘ترجمی’ کے ہیں یعنی کسی کے سُر میں اپنا سر ملانا، اس کی آواز کو دہرانا، اس کی ہم آنگلی اور ہم نوائی کرنا۔ (۳۰۰/۲)

## اذ:

عربی زبان میں جب کلام کا آغاز ”اذ“ سے ہوتا ہے (<sup>(۱)</sup>) تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سے پہلے خیال کرو۔ تصور کرو، یاد کرو یا ان کے ہم معنی کوئی فعل یا ہاں محفوظ ہے۔ عموماً اس کے بعد کسی ایسی ہی سرگزشت یا واقعہ کا حوالہ آتا ہے جو یا تو مخاطب کے علم میں ہو، یا خود متكلّم اس کی قطعیت پر اس درجہ مطمئن ہو کہ ایک معلوم و معروف حقیقت کی حیثیت سے اس کا حوالہ دے سکے۔ (۱/۱۵۶)

**اذ:** ”اذ، یؤذ“ کے معنی برائی ہجخنہ کرنے، بھڑکانے اور اسانے کے ہیں۔ (۶۸۳/۳)

## اذن (اله) :

‘اذن له’ کے معنی ہیں ‘استمئع له’ اس نے اس کی بات مان لی اس کے حکم کی تحلیل کی، اس کے آگے سر جھکا دیا۔ (۲۷۱/۹)

**اذنة:** ‘اذنة’ کے معنی وہ چیز جو قریب آگئی ہو۔ (۲۶۷/۶)

**تاذن:** تاذن، کامیح مفہوم کسی فیصلہ قطعی سے لوگوں کو آگاہ کر دینا ہے \*۔ (۳۸۰/۳)

## ایذاء:

فاذوهما میں تو ہیں وتدلیل، ڈانٹ ڈپٹ اور نصیحت و ملامت سے لے کر اصلاح کی حد تک مار پیٹ ہر چیز داخل ہے۔ (۲۶۵-۲۶۳/۲)

**اذی:** اذی کے معنی ذکھار و تکلیف کے ہیں۔ (۱۶۱/۲)

**ارض:** ‘ارض’ سے مراد یہاں <sup>(۸)</sup> سر زمین حرم ہے جس میں قریش کو اختیار و اقتدار حاصل تھا۔ (۲۲۸/۳)

**أَرْضُ:** اس <sup>(۹)</sup> سے مراد حمراء اور بیابان ہے جہاں راہ بھکنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ (۸۲/۳)

**الْأَرْضُ:** ‘الْأَرْضُ’ سے مراد یہاں <sup>(۱۰)</sup> سر زمین مصر ہے۔ (۲۳۷/۳)

## (ادنى) الارض:

‘ادنى الارض’ سے مراد یہاں <sup>(۱۱)</sup> شام و فلسطین کی سر زمین ہے جو عرب کی سر زمین سے بالکل متصل تھی۔ اس علاقے پر اس زمانہ میں رومیوں کی حکومت تھی لیکن وہ

\*تاذن، کے معنی باخبر اور آگاہ کرنے کے ہیں۔ (۳۱۲/۳)

اس وقت سخت اندر وہی خلفشار میں جلتا تھے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ایرانیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان علاقوں سے ان کو بے دخل کر دیا۔ یہ واقعہ ۶۱۳ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چھٹے یا ساتویں سال پیش آیا۔ (۷۲/۷۲)

**ازد:** ازد، پیغمبر کو کہتے ہیں۔ (۳۰/۳)

**آزر:**

‘آزر’ حضرت ابراہیم کے والد کا نام ہے۔ تورات کے عربی اور انگریزی ترجموں اور تالیفوں میں اس کا تلفظ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ قرآن نے جس تصریح کے ساتھ اس نام کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں یہود کے یہاں روایات کا جراحت لفاف ہے وہ اس کو رفع کرنا چاہتا ہے اور قرآن چونکہ قدیم میخیوں کے لیے کسوٹی (مهیمن<sup>(۱)</sup>) کی حیثیت رکھتا ہے اور براؤ راست و گی الہی پرمنی ہے اس وجہ سے ماننا چاہیے کہ یہی نام صحیح ہے۔

یہود کے مذہبی لٹرپیچر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ‘آزر’ صرف بت پرست ہی نہیں بلکہ بت گر اور بت فروش بھی تھے بلکہ عجب نہیں کہ بت خانے کے پروہت بھی رہے ہوں۔ (۸۹/۳)

**ازفة:** ازفة کے معنی ہیں قریب آنے والی۔ (۸۳/۸)

**اسرائیل:**

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے، یہودی علماء اس کے معنی بطل اللہ کے بتاتے ہیں۔ یہ معنی لینے میں غالبًا اس روایت کو بڑا دخل ہو گا جو یہود نے تورات

میں حضرت یعقوب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کشتو لٹنے کی داخل کر رکھی ہے۔

استاذ امام مولا نا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علی زبان سے بھی واقف تھے۔ ان کی تحقیق میں یہ لفظ دو جزو سے مرکب ہے۔ اسر اور ایل۔ اسر کے معنی ان کی تحقیق میں بندہ کے ہیں اور ایل عبرانی میں اللہ کے معنی کے لیے مشہور رہی ہے۔ اس طرح مولانا کے نزدیک اسر ایل کے معنی عبد اللہ یعنی اللہ کا بندہ کے ہوئے <sup>(۱۳)</sup>۔

یہود نے اسر ایل کی وجہ تسمیہ معین کرنے میں جس قسم کی ذہانت دکھائی ہے اس قسم کی ذہانت انہوں نے یعقوب کی وجہ تسمیہ معین کرنے میں بھی دکھائی ہے۔ ان کے نزدیک یعقوب کا نام یعقوب اس لیے ہوا کہ وہ اپنے بھائی عیسیٰ کی ایڈیاں پکڑے ہوئے پیدا ہوئے۔ استاذ امام کے نزدیک اس کی توجیہ بھی یہود کی توجیہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ قرآن مجید کے اشارات کی روشنی میں حضرت یعقوب کے یعقوب نام پانے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق کے بعد ان کے پیدا ہونے کی بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنادی تھی۔ (۱۷۶/۱)

**ایساف:** 'اسفہ' کے معنی ہیں 'اغضبہ' یعنی اس کو غضبناک کر دیا۔ (۷/۲۲۸)

### اسحاء:

اسماء سے مراد حضرت آدم کی ذریت کے نام اور خاص کر ان لوگوں کے نام ہیں جو دنیا میں فساد کو مٹانے اور عدل کو قائم کرنے کے لیے آنے والے تھے۔

فرشته حضرت آدم کی ذریت کے متعلق یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ خلافت پا کر زمین میں فساد مچائے گی اور خوز بیزیاں کرے گی۔ ان کے اس گمان کی تردید اگر ہو سکتی تھی تو اسی

طرح ہو سکتی تھی کہ ان کو ذریست آدم کا مشاہدہ کرایا جائے اور اولاد آدم میں جوانباد و رسول، چو  
مجد دین و مصلحیں اور جو شہداء و صدیقین پیدا ہونے والے تھے ان سے ان کو آگاہ کیا جائے  
تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو سکے کہ اگر اولاد آدم کے اندر ایسے لوگوں کے پیدا ہونے کا امکان  
ہے جو اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ اختیارات کو بے جا طور پر استعمال کریں گے تو ساتھ ہی ان  
کے اندر ایسے لوگ بھی اٹھیں گے جو خود بھی اس ذمہ داری کا حق ادا کریں گے اور دوسروں کو  
بھی ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازیاں لگائیں گے۔ (۱۶۱/۱)

**آسن:** 'آسن' صفت کے طور پر اس پانی کے لیے آتا ہے جس کا رنگ اور ذائقہ تبدیل  
ہو چکا ہے۔ (۳۰۵/۷)

**آصال:** دیکھیں 'غدو'

**اف:** 'اف' دل کی بیزاری کے اظہار کا کلمہ ہے (۱۴۳/۲)۔ (۳۹۶/۲)

**اف:** 'اف لکم' نہایت شدید نفرت و کراہت کا کلمہ ہے۔ (۱۶۳/۵)

**افک:** 'افک' جھوٹی، من گھڑت، خود تراشیدہ اور خلاف حقیقت بات کو کہتے ہیں۔ (۱۵)

(۳۸۱/۵) 'افک' کے معنی جھوٹ اور بے حقیقت بات کے ہیں۔ (۲۸۹/۲)

**مؤتفکات:**

'مؤتفکات' سے مراد ہو ائیں ہیں جو زمین کو بالکل تلپٹ کر دیتی ہیں جس طرح  
جوتے والا کھیت کی زمین کو تلپٹ کر دیتا ہے۔ جب کوئی بڑا سیلا ب آتا ہے اور وہ زمین پر مٹی  
اور ریت کی نئی نئی جمادیت ہے تو اس کو بھی 'مؤتفکة' کہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس جو تن طوفانی  
ہواز میں کوریت اور کنکر سے ڈھانک دیتی ہے وہ بھی 'مؤتفکة' ہے۔ (۸۱/۸)

**اکلٌ:** مَا اکلَ السَّبُعُ، جس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔ (۲۵۳۲)

### ایلاف:

”الْفُ الْمَكَانُ وَالْفُهُ اِيَلَافًا“ کے معنی ہوں گے ”تعودہ و استانس بہ“ وہ اس جگہ کا عادی اور اس سے انوں ہے۔

”الْفُهُ مَكَانٌ كَذَا اِيلَافًا“ کے معنی ہوں گے ”جعلتہ عاشرہ“ وہ اس سے انوں ہوا اس کے ساتھ رہا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ”ایلاف“ ہوا ”الف“ دنوں ہی صورتوں میں معنی کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں ہو گا۔ اس کا اصل مفہوم انس، تعلق اور وابستگی ہے۔

(۵۷۲۹)

### المؤلفة (قْلُوبُهُمْ):

مؤلفة القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی اسلامی حکومت کے مصالح کے تحت دل داری پیش نظر ہو۔ بسا اوقات حکومت کو بعض ایسے ذی اثر لوگوں سے معاملہ کرتا پڑتا ہے جو حکومت کی پوری رسیدت نہیں ہوتے بلکہ اسکی پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ اگر ان کو بزور قابو میں رکھنے کی کوشش کی جائے تو ذر ہوتا ہے کہ وہ دشمن سے مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ خاص طور پر سرحدی علاقوں میں اس طرح کے لوگوں سے بڑے خطرے پہنچ کتے ہیں۔ اگر یہ دشمن بنے رہیں یا دشمن ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس طرح کے لوگوں کو اپنی حمایت میں رکھنا اسلامی حکومت کے مصالح کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کی شکل بھی ہوتی ہے کہ ان کی کچھ مالی سرپرستی کی جاتی رہے تاکہ ان کی ہمدردیاں اسلام

کے دشمنوں کی بجائے اسلامی حکومت کے ساتھ رہیں۔ یہ ایک پلیٹکل مصرف ہے جس پر حکومت اپنی دوسری مددوں سے بھی خرچ کر سکتی ہے اور اگر ضرورت محسوس کرے تو اس پر صدقات کی مدد سے بھی خرچ کر سکتی ہے۔ یہ مؤلفۃ القلوب غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں اور نام کے مسلمان بھی۔ اس تالیف قلب سے ایک فائدہ یہ بھی متوقع ہوتا ہے کہ یہ غیر مسلم یا نام کے مسلمانوں سے وابستہ رہنے کے سبب سے اسلام سے قریب تر ہو جائیں۔

ہمارے فقہاء کا ایک گروہ اس مصرف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یا بالفاظِ دیگر اسلام کے غلبہ کے بعد ساقط قرار دیتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ بات کچھ زیادہ تو قوی نہیں ہے۔ یہ مصرف، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک پلیٹکل مصرف ہے جو حالات کے تابع ہے جس کی ضرورت کبھی پیش آتی ہے کبھی نہیں۔ ایک مضبوط سے مضبوط حکومت بھی بعض اوقات دفع شر کے اس طریقے کو اختیار کرتی ہے اس لیے کہ جبرا اور طاقت کا ذریعہ اختیار کرنے میں نہایت چیخیدہ بین الاقوامی محکڑے انھ کھڑے ہونے کے اندر یہی ہوتے ہیں۔ جن میں بروقت الجھنا حکومت کے مصالح کے خلاف ہوتا ہے۔ (۵۹۱/۳)

اَلْهَمْ:

‘اَلْهَمْ’ ایک مستقل جملہ ہے۔ عربی زبان کے عام قاعدے کے مطابق یہاں مبتدا محدود ہے۔ اس کو ظاہر کر دیا جائے تو پوری بات یوں ہو گی هذه الْهَمْ (یا الف، لام، م)

(۵۲۲/۳)

**الْهَمْ:** یہ ایک مستقل جملہ ہے۔ عربی زبان کے عام قاعدے کے مطابق یہاں مبتدا محدود ہے۔ اس کو ظاہر کر دیا جائے تو پوری بات یوں ہو گی هذه الْهَمْ (یا الف، لام، م)

ہے) ہم نے ترجمہ میں اس حذف کو کھول دیا ہے۔

یہ اور اس طرح کے جتنے حروف بھی مختلف سورتوں میں آئے ہیں چونکہ الگ الگ کر کے پڑھے جاتے ہیں اس وجہ سے ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔

یہ جس سورہ میں بھی آئے ہیں بالکل شروع میں اس طرح آئے ہیں جس طرح کتابوں، فصلوں اور ابواب کے شروع میں ان کے نام آیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں۔ قرآن نے جگہ جگہ ذلک اور تلک کے ذریعہ ان کی طرف اشارہ کر کے ان کے نام ہونے کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔ حدیثوں سے بھی ان کا نام ہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جو سورتیں ان ناموں سے موسوم ہیں اگرچہ ان میں سے سب اپنے انہی ناموں سے مشہور نہیں ہوئیں، بلکہ بعض دوسرے ناموں سے مشہور ہوئیں لیکن ان میں سے کچھ اپنے انہیں ناموں سے مشہور بھی ہیں۔ مثلاً طہ، ینس، ق اور ن وغیرہ۔

ان ناموں کے معانی کے بارے میں کوئی قطعی بات کہنا برا مشکل ہے اس وجہ سے ممکن ہے یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ قرآن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ ایک بالکل واضح کتاب ہے، اس میں کوئی چیز بھی چیستاں یا متعین کی قسم کی نہیں ہے، پھر اس نے سورتوں کے نام ایسے کیوں رکھدے جن کے معانی کسی کو بھی نہیں معلوم؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ان حروف کا تعلق ہے یہ اہل عرب کے لیے کوئی بیگانے چیز نہیں تھے۔ بلکہ وہ ان کے استعمال سے اچھی طرح و تحقیق تھے۔ اس واقعیت کے بعد قرآن کی سورتوں کا ان حروف سے موسوم ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے

قرآن کے ایک واضح کتاب ہونے پر کوئی حرف آتا ہو۔ البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح حروف سے نام بنا لینا عربوں کے مذاق کے مطابق تھا بھی یا نہیں تو اس چیز کے مذاق عرب کے مطابق ہونے کی سب سے بڑی شہادت تو یہی ہے کہ قرآن نے نام رکھنے کے اس طریقہ کو اختیار کیا۔ اگر نام رکھنے کا یہ طریقہ کوئی ایسا طریقہ ہوتا جس سے اہل عرب بالکل ہی نام انوس ہوتے تو وہ اس پر ضرور ناک بخنوں چڑھاتے اور ان حروف کی آڑ لے کر کہتے کہ جس کتاب کی سورتوں کے نام تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتے اس کے ایک کتاب نہیں ہونے کے دعوے کو کون تسلیم کر سکتا ہے۔

قرآن پر اہل عرب نے بہت سے اعتراضات کئے اور ان کے یہ سارے اعتراض - قرآن نے نقل بھی کیے ہیں لیکن ان کے اس طرح کے کسی اعتراض کا کوئی ذکر نہیں کیا جس سے صاف معلوم ہوتا یہ کہ ان ناموں میں ان کے لیے کوئی اجنبيت نہیں تھی۔

علاوہ بریں جن لوگوں کی نظر اہل عرب کی روایات اور ان کے لٹرچر پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اہل عرب نہ صرف یہ کہ اس طرح کے ناموں سے نام انوس نہیں تھے بلکہ وہ خود اشخاص، چیزوں، گھوڑوں، جھنڈوں، تکواروں حتیٰ کہ قصائد اور خطبات تک کے نام اسی سے ملتے جلتے رکھتے تھے۔ یہ نام مفرد حروف پر بھی ہوتے تھے اور مرکب بھی ہوتے تھے۔ ان میں یہ اہتمام بھی ضروری نہیں تھا کہ اس کے اسم اور مسمی میں کوئی معنوی مناسبت پہلے سے موجود ہو بلکہ یہ نام ہی بتاتا تھا کہ یہ نام اس مسمی کے لیے وضع ہوا ہے۔

اپنے علم کی اور قرآن کے اتحاد ہونے کا یہ احساس بجائے خود ایک بہت بڑا علم ہے۔ اس احساس سے علم و معرفت کی بہت سی بندرا ایں کھلتی ہیں۔ اگر قرآن کا پہلا ہی حرف

اس عظیم اکشاف کے لیے کلید بن جائے تو یہ بھی قرآن کے بہت سے مجنزوں میں سے ایک  
مجزہ ہوگا۔ یہ اسی کتاب کا کمال ہے کہ اس کے جس حرف کا راز کسی پرنہ کھل سکا اس کی پیدا  
کردہ کاؤش ہزاروں سر بستہ اسرار سے پرداہ اٹھانے کے لیے دلیل راہ بنی۔

ان حروف پر ہمارے پچھلے علماء نے جو رائے میں ظاہر کی ہیں ہمارے نزدیک وہ تو کسی  
مفبوط بنیاد پر مبنی نہیں ہیں اس وجہ سے ان کا ذکر کرنا کچھ مفید نہ ہوگا البتہ استاذ امام مولانا  
حیدر الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اجمالاً میں یہاں پیش کرتا ہوں<sup>(۱۱)</sup>۔ اس سے اصل  
مسئلہ اگر چہ حل نہیں ہوتا لیکن اس کے حل کے لیے ایک راہ کھلتی ضرور نظر آتی ہے۔ کیا عجب  
کہ مولانا نے جو سراغ دیا ہے دوسرے اس کی رہنمائی سے کچھ مفید نشاتاتِ راہ معلوم کر لیں  
اور اس طرح درجہ درجہ تحقیق کے قدم کچھ اور آگے بڑھ جائیں۔

جو لوگ عربی رسم الخط کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عربی زبان کے  
حروف عبرانی سے لیے گئے ہیں اور عبرانی کے یہ حروف ان حروف سے ماخوذ ہیں جو  
عرب قدیم میں راجح تھے۔ عرب قدیم کے ان حروف کے متعلق استاذ امام<sup>ؒ</sup> کی تحقیق یہ  
ہے کہ انگریزی اور ہندی کے حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے تھے بلکہ یہ چینی  
زبان کے حروف کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلیل ہوتے تھے اور جن معانی یا اشیاء پر  
وہ دلیل ہوتے تھے عموماً انہی کی صورت و ہیئت پر لکھے بھی جاتے تھے۔ مولانا کی تحقیق یہ  
ہے کہ یہی حروف ہیں جو قدیم مصریوں نے اخذ کیے اور اپنے تصورات کے مطابق ان  
میں ترمیم و اصلاح کر کے ان کو اس خط تمثیلی کی شکل دی جس کے آثار اہرام مصر کے  
کتاب میں موجود ہیں۔

ان حروف کے معانی کا علم اب گرچہ مت چکا ہے تاہم بعض حروف کے معنی اب بھی معلوم ہیں اور ان کے لکھنے کے ڈھنگ میں بھی ان کی قدیم شکل کی کچھ نہ کچھ جملک پائی جاتی ہے۔ مثلاً ”الف“ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ گائے کے معنی بتانا تھا اور گائے کے سر کی صورت ہی پر لکھا جاتا تھا۔ ”ب“ کو عبرانی میں بیت کہتے بھی ہیں اور اس کے معنی بھی ”بیت“ (گھر) کے ہیں۔ ”ج“ کا عبرانی تلفظ بنیمل ہے جس کے معنی جمل (اوٹ) کے ہیں۔ ”ط“ سانپ کے معنی میں آتا تھا اور لکھا بھی کچھ سانپ ہی کی شکل پر جاتا تھا۔ ”م“ پانی کی لہر پر دلیل ہوتا تھا اور اس کی شکل بھی لہر سے ملتی جلتی بنائی جاتی تھی۔

مولانا اپنے نظریہ کی تائید میں سورہ ”ن“ کو پیش کرتے ہیں۔ حرف ”نون“ اب بھی اپنے قدیم معنی ہی میں بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی مجھلی کے ہیں اور جو سورہ اس نام سے موسوم ہوئی ہے اس میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر صاحب الحوت (مجھلی والے) کے نام سے آیا ہے۔ مولانا اس نام کو پیش کر کے فرماتے ہیں کہ اس سے ذہن قدرتی طور پر اس طرف جاتا ہے کہ اس سورہ کا نام ”نون“ (ن) اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں صاحب الحوت (یونس علیہ السلام) کا واقعہ بیان ہوا ہے جن کو مجھلی نے نگل لیا تھا۔ پھر کیا عجب ہے کہ بعض دوسری سورتوں کے شروع میں جو حروف آئے ہیں وہ بھی اپنے قدیم معانی اور سورتوں کے مفہامیں کے درمیان کسی مناسبت ہی کی بنا پر آئے ہوں۔

قرآن مجید کی بعض اور سورتوں کے ناموں سے بھی مولانا کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً حرف ”ط“ کے معنی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے سانپ کے تھے اور اس کے لکھنے کی بیت بھی سانپ کی بیت سے ملتی جلتی ہوتی تھی۔ اب قرآن میں سورہ ط کو دیکھئے جو ”ط“ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں ایک مختصر تہیید کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی

لٹھیا کے سانپ بن جانے کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ اسی طرح طسم، طس وغیرہ بھی ”ط“ سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ کی شکل اختیار کر لینے کا مجموعہ مذکور ہے۔

”الف“ کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ گائے کے سر کی ہیئت پر لکھا بھی جاتا تھا اور گائے کے معنی بتاتا بھی تھا۔ اس کے دوسرے معنی اللہ واحد کے ہوتے تھے۔ اب قرآن مجید میں دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ سورہ بقرہ میں جس کا نام الف سے شروع ہوتا ہے، گائے کے ذرع کا قصہ بیان ہوا ہے۔ دوسری سورتیں جن کے نام الف سے شروع ہوئے ہیں تو حید کے مضمون میں مشترک نظر آتی ہیں۔ یہ مضمون ان میں خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ان ناموں کا یہ پہلو بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن سورتوں کے نام ملتے جلتے سے ہیں ان کے مضامین بھی ملتے جلتے ہیں بلکہ بعض سورتوں میں تو اسلوب بیان تک ملتا جلتا ہے۔

میں نے مولانا کایا نظریہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، مخفی اس خیال سے پیش کیا ہے کہ اس سے حروف مقطعات پر غور کرنے کے لیے ایک علمی راہ کھلتی ہے۔ میرے نزدیک اس کی حیثیت ابھی تک ایک نظریہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جب تک تمام حروف کے معانی کی تحقیق ہو کر ہر پہلو سے ان ناموں اور ان سے موسم سورتوں کی مناسبت واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ایک نظریہ سے زیادہ کا اعتماد کر لیتا صحیح نہیں ہو گا۔ یہ مخفی علوم قرآن کے قدرونوں کے لیے ایک اشارہ ہے جو لوگ مزید تحقیق و جستجو کی ہمت رکھتے ہیں وہ اس راہ پر قسم آزمائی کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس راہ سے یہ مشکل آسان کر دے۔ (۸۵/۱)

**الله:** دیکھیں "الله".

**اللات:** دیکھیں "اللات".

**آل:**

آل سے مراد صرف کسی شخص کی اولاد نہیں ہوا کرتی بلکہ یہ لفظ آل و اولاد، قوم و قبیلہ اور اتباع و انصار سب پر حاوی ہے۔<sup>(۱۷)</sup>

تابعہ ذیانی کا شعر ہے:

من آل میة رایح او مفتدى عجل فذا زاد و غير مزود  
میہ کے قبیلہ کے لوگوں میں کوئی صبح روانہ ہوا کوئی شام، کوئی زاد راہ کے  
ساتھ، کوئی بغیر زاد راہ کے۔

سورہ موسیٰ ۲۵ میں ہے۔ وَحَاقَ بَآلِ فَرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ (اور آل فرعون کو نہ ہے عذاب نے گھر لیا) سورہ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ أَخْذَنَا آلَ فَرْعَوْنَ  
بِالسَّنَنِ وَنَقْصَنَ الشَّمَرَاتِ (۱۳۰) (اور ہم نے آل فرعون کو قحط اور بچلوں کی کمی  
میں جتنا کیا) (۲۱۰/۱)

**ایلاء:**

ایلاء "اَلَا يَأْلُو" سے باب انعال ہے۔ "اَلَا يَأْلُو" کا اصل لغوی مفہوم کسی امر میں کوتا ہی اور کمی کرنا ہے اور "ایلاء" کے معنی کسی چیز کے ترک کی قسم کھالینے کے ہیں۔ یہ عرب جاہلیت کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم بیوی سے زن و شوہر کا تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالینا ہے۔ چونکہ اس لفظ میں ترک کا مضمون خود موجود ہے اس وجہ سے قطع تعلق کے معنی کو

ادا کرنے کے لیے کسی اور لفظ کو اس کے ساتھ ملانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

اس قسم کی قسم چونکہ ازدواجی مقاصد کے خلاف اور بذوقی کے منافی ہے، اس سے بیوی بالکل متعلق ہو کے رہ جاتی ہے، اس وجہ سے اسلام نے اس طرح کی قسم کھابیٹھنے والوں کے لیے چار ماہ کی حد مقرر کر دی ہے کہ اس کے اندر یا تو وہ بیوی سے ازدواجی تعلقات بحال کر لیں یا طلاق دینے کا فیصلہ ہے تو اس کو طلاق دے دیں۔ جو پہلی شکل اختیار کریں گے ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ مغفر کرنے والا اور حم کرنے والا ہے۔ یعنی اگر چنان کی یہ قسم ایک حق تلفی پر مبنی تھی اور قسم کو کسی حق تلفی کے لیے پر بنانا جائز نہیں لیکن اصلاح حال کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو تاہی کو معاف کر دے گا۔ یہاں اگرچہ اس قسم کے توڑے پر کسی کفارہ کا ذکر نہیں ہے لیکن قسموں کے توڑے کے بارے میں قرآن نے دوسرے مقام میں جو عام ضابط بیان فرمایا ہے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ صورت اس سے مستثنی رہے؟ اس وجہ سے ہم ان فقہاء کی رائے کو زیادہ قوی سمجھتے ہیں جو اس صورت میں بھی کفارہ کے قائل ہیں۔

(۵۳۰/۱-۵۳۱)

**الف**:

الاء،<sup>\*</sup> جمع ہے الی، الی، الی کی۔ اس کے معنی عام طور پر اہل نعمت نے نعمت کے لیے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے معنی کرشمہ، شان، کارنا مہ اور بمحبوبہ کے ہیں۔

\* 'الاء' 'الی' کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہمارے مفسرین و مترجمین نے عام طور پر نعمت کے لیے ہیں لیکن یہ اس لفظ کا ادھورا مفہوم ہے۔ اس کے اہل معنی کرشمہ، نشانیاں، عجائب قدرت، کارنا مہ، نوادر اور آثارِ حکمت کے ہیں۔ نعمتیں بھی چونکہ انہی کے تحت ہیں اس وجہ سے وہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں، لیکن ہر جگہ اس کا ترجمہ نعمت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ نعمت کی طرح اللہ تعالیٰ کی قسم کی نعمت کی نشانیاں بھی اس میں شامل ہیں۔ (۸۲۸)

ہمارے استاد مولانا فراہی نے اپنی کتاب 'مفردات القرآن' (۱۸) میں اس لفظ کی تحقیق بیان کی ہے۔ انہوں نے مشہور شعرائے جاہلیت کے دس شعرقل کیے ہیں جن سے وہی معانی نکلتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ (۲۹۸/۳)

**الیاسین:** دیکھیں "الیاسین"۔

**ام:** 'ام' یہاں استذکار و استجواب کے مفہوم میں ہے۔ (۱۶۳/۷)

**امت:** بلندی اور فراز کو کہتے ہیں۔ (۹۲/۵)

**امر:**

'امر' \* کے معنی جس طرح کسی بات کا حکم دینے کے ہیں اسی طرح کوئی بات سمجھانے یا اس کا مشورہ دینے کے بھی ہیں۔ مثلاً:

امر تهم امری بمندرج اللوی فلم يستبينوا الرشد الا ضحی الغد (۲۰)

'امر' صرف حکم دینے ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ با اوقات کسی کوڈھیلا چھوڑ دینے اور مہلت دے دینے کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ آپ کسی شخص یا گروہ سے افہام و تفہیم کی کوشش کرنے کے بعد جب تک آجاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ 'العلوا اما بدالکم' جاؤ، جو تمہارے ہی میں آئے کرو۔ بظاہر یہ امر عی کا سیخ استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا مفہوم امہال ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی سرسک لوگوں پر اپنی جنت تمام کرنے کے بعد ان کوڈھیلا چھوڑ دتا ہے کہ وہ اپنا پیانہ اچھی طرح سے بھر لیں۔ (۳۸۹/۳)

'امر' عربی میں ہمارے لفظ 'معاملہ' کی طرح بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ اس کے صحیح مفہوم کا تعین موقع و محل اور سیاق سے کرتے ہیں۔ یہاں قرینة پر دے رہا ہے کہ یہ لفظ جماعتی لفظ کے مفہوم میں آیا ہے۔ (۱۷۹/۷)

'امر' یہاں مشورہ دینے کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ مفرد ہے۔ (۲۲۵/۸)

'امر' یہاں عذاب کے مفہوم میں ہے (۲۲۶/۳)

'امر' سے مراد یہاں وہ عذاب ہے جو انہی کے تحت ظہور میں آیا۔ (۱۵۰/۳)

(میں نے ان کو اپنے مشورے سے متراج اللوی ہی میں آگاہ کر دیا تھا لیکن میری بات ان کی سمجھ میں دوسرے دن کی صبح سے پہلے نہ آسکی)۔

اطعت الامريک بصرم جبلى<sup>(۲۱)</sup>

(تو نے بالآخر انہی لوگوں کی بات سنی جو تجھے مجھ سے قطع تعلق کا مشورہ دینے والے تھے)۔ (۱۴۰/۲۰۷)

**امر:** 'امر' کے معنی عجیب اور منکر کام کے ہیں۔ (۲۰۷/۲)

### اولوا اکہ امر:

اولوا الامر سے مراد اسلامی معاشرے کے ارباب حمل و عقد، ذمہ دار اور سربراہ کار ہیں۔ معاشرے کے حالات کے لحاظ سے اس کے مصدق ارباب علم و بصیرت بھی ہو سکتے ہیں اور ارباب اقتدار و سیاست بھی۔ جو لوگ بھی اس پوزیشن میں ہوں کہ عوام کی سربراہی کر سکیں وہ اس لفظ کے مصدق ہیں۔ اگر امام و خلیفہ موجود ہو تو وہ اور اس کے حکام اولوا الامر ہیں اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو جماعت کے اندر جو معاملہ فہم اور صاحب بصیرت ہوں وہ اس سے مراد ہوں گے۔ (۳۲/۲)

**امس:** 'امس'، فصح عربی میں صرف گزرے ہوئے کل کے لیے نہیں آتا ہے بلکہ ماضی قریب کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ جس طرح ہم اپنی زبان میں بولتے ہیں یہ تو کل کی بات ہے (۵/۱۳/۷)

### امُّ (القرى):

'ام القرى' سے مراد مکہ ہے اس لیے کہ 'ام القرى'، مرکزی بستی کو کہتے ہیں اور

عرب میں مرکزی بستی کی حیثیت مکہ ہی کو حاصل تھی۔ یہاں مکہ کے بجائے 'امُ القریٰ' کے لفظ میں بھی اتمامِ جماعت کا پہلو ہے۔ اگر ایک پیغام مرکزی بستی کے لوگوں کو پہنچا دیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک کے لوگوں کو ان کے سرچڑھ کر پکار دیا گیا ہے۔ (۱۲۳/۷)

### امت:

'امت'،<sup>(۲۲)</sup> تھیک اپنے لغوی مفہوم یعنی مدت کی معنی میں ہے جس طرح سورہ یوسف میں ہے و قال الذی نجامنہما واد کر بعد امّة۔ (اور کہا اس نے جس نے ان دونوں میں سے رہائی پائی تھی اور ایک مدت کے بعد اس نے یاد کیا) \*۔ (۱۱۰/۳)

### ام:

'ام' کے معنی ماں کے ہیں لیکن یہاں<sup>(۲۳)</sup> یہ بجا اور بھکانے کے معنی میں ہے اور نہایت بلاغت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ (۵۱۵/۹)

### امّہ:

درسی و کتابی تعلیم و تعلم سے نا آشنا کو کہتے ہیں۔ اُسیں، کالفاظ اسما عیلی عربوں کے لیے بطور لقب استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ درسی اور رسی تعلیم و کتابت سے نا آشنا اپنی بد و یانہ سادگی پر قائم تھے اور اسی طرح بنی اسرائیل کے بالمقابل، جو حامل کتاب

\* 'امّہ' کے معنی، کسی قوم کے مجموعی طریقہ اور ملک کے ہیں۔ (۲۱۷/۷)

'امّة' یہاں زمانہ اور مدت کے معنی میں ہے۔ (۲۳۳/۳)

تھے، امیت ان کے لیے ایک امتیازی علامت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ عربوں کے لیے اس کے استعمال کا آغاز اہل کتاب سے ہی ہوا ہواں لیے کہ حضرت اسماعیل اور ان کی ذرتیت کی بدوبیت و امیت کا ذکر تورات میں بھی ہے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس لفظ کے استعمال میں عربوں کے لیے تحقیر کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ چنانچہ قرآن نے اس لفظ کو عربوں کے لیے ان کو اہل کتاب سے محض ممتاز کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ اسی پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ”نبی امی“، کالقب استعمال ہوا ہے۔ اس میں تورات کی پیشینگوں کی ایک تتمیع بھی ہے۔ عرب خود بھی اس لفظ کو اپنے لیے استعمال کرتے تھے، جو اس بات کا نہایت واضح ثبوت ہے کہ وہ اس میں اپنے لیے تحقیر کا کوئی پہلو نہیں پاتے تھے۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً وہ حدیث جس میں ارشاد ہوا ہے نحن امّة امية۔<sup>(۲۵)</sup> بعض جگہ اگر یہ لفظ تحقیر کے طور پر استعمال ہوا ہے تو وہاں اس کا مفہوم محض لغوی ہے اصطلاحی نہیں مثلاً مِنْهُمْ أَمِيُونَ لَا يَعْلَمُونَ<sup>(۲۶)</sup> (الآلیۃ) اس سے مراد یہود کے ان پڑھ عوام ہیں۔ (۵۳/۲)

### اصطہام:

”امام“\* کے اصلی معنی رہنماء، ہادی، لیڈر اور مرجع کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ اس

\* اللہ کی کتاب دنیا میں رہنمائی کرتی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ بتتی ہے۔ اس کی اصل حیثیت امام کی ہے۔ جس طرح امام کی اقتداء لازمی ہے اسی طرح زندگی کے معاملات میں اس کی کتاب کی اقتداء واجب ہے۔ (۲۵۶/۷)

کتاب کے لیے استعمال ہوتا ہے جو سب کے لیے رہنمای اور مرکز و مرجع کی حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ، وہ آیت ۷۶ اور احتجاف آیت ۱۲ میں یہ لفظ تورات کے لیے آیا ہے۔ (۳۰۳/۶)

### ام (الكتاب):

آیت مکملات کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ ان کی حیثیت ام الکتاب کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ ساری کتاب کا مرکز وہی مکملات ہوتی ہیں، انہی پر ساری بحث کا مدار ہوتا ہے، ساری شاخیں انہی سے پھوٹی ہیں۔ اگر کوئی نزاع و اختلاف پیدا ہوتا ہے تو اس کا فیصلہ بھی انہی کی کسوٹی پر پرکھ کر ہوتا ہے۔ پھر انہی کا یہ درجہ ہوتا ہے کہ ان کو اصول قرار دے کر ان سے مسائل مستحبط کیے جائیں اور ان مسائل پر اسی طرح اعتقاد کیا جائے جس طرح اصولوں پر اعتقاد کیا جاتا ہے۔ (۲۵/۲)

**امن:** کے معنی راحت، سکون اورطمینان کے ہیں۔ (۱۹۵/۲)

”امن فلاں فلاں“ کے معنی یہ ہیں کہ فلاں شخص اپنے آپ کو فلاں کی طرف سے خطرے سے محفوظ سمجھتا ہے، اس کی طرف سے مامون ہے، اس پر اعتقاد کرتا ہے۔ (۲۳۲/۱)  
**مهیمن:** دیکھیں ”مهیمن“ -

**ایمان:** ”ایمان“ امن سے ہے۔ ایمان کے اصل معنی امن دینے کے ہیں۔ اگر اس کا صلہ لام کے ساتھ آئے تو اس کے معنی تصدیق کرنے اور ب کے ساتھ آئے تو یقین اور اعتقاد کرنے کے ہو جاتے ہیں (۲۴)۔ اس لفظ کی حقیقی روح یقین، اعتقاد اور اعتقاد ہے۔ جو یقین،

حیثیت، توکل اور اعتقاد کی خصوصیات کے ساتھ پایا جائے اس کو ایمان کہتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اس کی آیات پر اس کے احکام پر ایمان لائے اور اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر کے اس کے فیصلوں پر پوری طرح راضی اور مطمئن ہو جائے وہ مومن ہے۔

یہ لفظ جب اپنے مفعول کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے خاص اسی چیز پر ایمان لانا مراد ہوتا ہے جس کا اس کے مفعول کی حیثیت سے ذکر ہوتا ہے لیکن اگر مفعول کے بغیر آئے تو اس کے تحت وہ ساری ہی چیزیں آسکتی ہیں جن پر ایمان لانے کا قرآن میں حکم دیا گیا ہے یا جن پر قرینہ دلیل بن سکتا ہے\*۔ (۸۹/۱)

ایمان اور ایقان کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے جس کو سمجھ لینا چاہئے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے اور مان لینے کے ہیں۔ اس کا ضد کفر و انکار اور بکذب ہے۔ ایقان کے معنی یقین کرنے کے ہیں۔ اس کا ضد گمان اور شک ہے جس طرح کسی شے پر یقین رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی اس پر ایمان بھی رکھتا ہو، اسی طرح کسی چیز پر

\* 'ایمان' کی اصل 'امن' ہے۔ یہ لفظ لغت میں مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ 'امن' ای اعطاه امناً (اس کو امن دیا) 'امن لہ' صدقہ و اعتمد علیہ (اس کی تصدیق کی، اس پر اعتماد کیا) 'امن بہ' 'ایقن بہ' (اس کا یقین کیا)

"قرآن مجید میں یہ لفظ مذکورہ تمام صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی مشتقات میں سے لفظ 'مؤمن' اللہ تعالیٰ کے اسائے حصی میں سے ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں آنے والے بندوں کو پناہ دیتا ہے۔" "یہ ایک قدیم دینی اصطلاح بھی ہے..... پس وہ یقین جو خیت، توکل اور اعتقاد کے تمام لوازم دشراط کے ساتھ پایا جائے، ایمان ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر، اس کی آیات پر، اس کے احکام پر ایمان لائے، اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے، اس کے فیصلوں پر راضی رہے وہ مؤمن ہے۔" (۵۳۵/۹)

ایمان رکھنے کے لیے اس پر یقین کرنا شرط نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آدمی کا ایمان حض گمان غالب پر ہوتی ہو اور وہ آہستہ آہستہ گمان کی منزل سے نکل کر یقین کی منزل تک پہنچ اور اس طرح اس کے ایمان کی تکمیل ہو جائے۔ یہاں ایقان کا ذکر ایمان اور ایمان کے چند معروف عملی مظاہر کے بعد ہوا ہے جس سے اس بات کا اشارہ نکلتا ہے کہ جو لوگ مذکورہ اوصاف کے حامل ہیں درحقیقت وہی لوگ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (۹۳/۱)

### ایمان:

عربی زبان کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ امن لہ اور 'امن بہ' میں بڑا فرق ہے۔ 'امن لہ' تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے دعوے یا اس کی خبر کو سچ مان لیں۔ اس کے لیے حوالگی، تقویض، تسلیم اور انقیاد و اطاعت شرط نہیں ہے لیکن 'امن بہ' کا تقاضا پورا کرنے کے لیے یہ ساری چیزیں شرط ہیں۔ نبی اور رسول کے معاملے میں صرف 'امن لہ' کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے 'امن بہ' کے تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ (۷۹/۲)

### امانات:

'امانات' سے مراد وہ تمام امانتیں بھی ہیں جو ہمارے رب نے قوتوں اور صلاحیتوں، فرائض اور ذمہ داریوں کی شکل میں یا انعامات و انصاف اور اموال و اولاد کی صورت میں ہمارے حوالہ کی ہیں۔ اور وہ امانتیں بھی اس میں داخل ہیں جو کسی نے ہمارے پا س محفوظ کی ہوں یا ازروئے حقوق ان کی ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہو۔

**أمانی:**

‘أمانی’ ‘امنیہ’ کی جمع ہے جس کے معنی آرزو، تمنا اور خواہش کے ہیں۔

(۲۵۲/۱)

**اناث:**

اناث، انشی کی جمع ہے۔ انشی، لغوی مفہوم میں تو زرم و نازک اور ذہنی ڈھانی چیزیں کے لیے استعمال ہوائے ہیں مگر معروف استعمال اس کا عورت کے لیے ہے۔ (۳۸۸/۲)

**ایناس:**

ان کو جو آگ نظر آئی اس کی نوعیت آگ کے کسی جلتے ہوئے الاؤ کی نہیں بلکہ ایک فعلہ مستعمل کی تھی جو چکا اور غائب ہو گیا<sup>(۱)</sup>۔ اس لیے یہ لفظ تاثر نے اور بھائپنے کے لیے آتا ہے۔ بس ایک چک کی نظر آئی اور دفعہ غائب ہو گئی۔ (۳۰۵)

**استثناس:** ‘استثناس’ کے معنی متعارف و مانوس ہو جانے کے ہیں۔ (۳۹۳/۵)

**انناس:** ‘انناس’ کے معنی انسانوں کے گروہ کے ہیں (۵۲۹/۳)

**آن:** ‘آن’ سے پہلے بعض حالات میں مضاف اور بعض مواقع میں اس کے بعد ”لا“ کو حذف کردیتے ہیں۔ اس مخدوف کو سیاق و سبق سے سمجھتے ہیں۔ یہاں واضح قرینہ ہے کہ ”آن“ کے بعد ”لا“ مخدوف ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ استاذ امام نے اس کے شواہد اپنی کتاب الاسالیب میں جمع کر دیے ہیں<sup>(۲)</sup>۔ (۵۲۹/۱)

**انٹی:** ‘انٹی’ کے معنی کسی چیز کی تیاری اور پکنے کے وقت کے ہیں۔ (۲۶۳/۶)

**أُنیٰۃ:** ”انیٰۃ“ کے معنی ہیں جس کی گرمی اپنے آخری نقطہ پر پہنچی ہوئی ہو۔ (۳۳۰، ۹)  
**اُود:**

”اد یؤذُ اُودا“ کے معنی ہیں کسی چیز کا ایسا بھاری اور گراں ہونا کہ اس کا سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ ولا یؤذہ حفظہمَا کے معنی یہ ہوئے کہ آسمان و زمین کی دیکھ بھال ذرا بھی خدا پر گراں نہیں ہے کہ اس کو کسی سہارے یا مددگار کی احتیاج پڑیں آئے۔ (۵۸۸، ۱)

**اہل:**

یہ لفظ عربی میں وسیع معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً اہل کتاب، اہل انجیل، اہل قریبہ، اہل اللہ، اہل قرون اور اہل حدیث وغیرہ۔ لسان العرب میں ہے ”اہل الرجل اخص الناس به“ (اہل الرجل سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس شخص سے خاص تعلق رکھنے والے ہوتے ہیں) ”اہل کل نبی امته“ (نبی کے اہل سے اس کے امتی مراد ہوتے ہیں) سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے حضرت عزؑ کے خلیفہ بنانے کے بارے میں روایت ہے کہ جب قیامت کے دن میرا رب مجھ سے پوچھے گا کہ مسلمانوں کا والی کس کو بنانا کے آئے ہو تو عرض کردوں گا کہ ”استعملت عليهم خيراً هلك“<sup>(۳۲)</sup> (میں نے ان پر تیرے بہترین اہل کو خلیفہ بنایا ہے) سورہ مریم کی آیت ۵۵ میں سیدنا اسماعیل کے بیوی پے ہی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ تمام لوگ مراد ہیں جو ان سے وابستہ تھے<sup>(۳۳)</sup>۔ (۱۱۰، ۵)

**اہل الكتاب:**

اہل الكتاب اور الذین اوتوا الكتاب کے الفاظ بھی دو مختلف مفہوموں میں استعمال ہوئے ہیں۔ بعض جگہ ان سے اہل کتاب کو بحیثیت گروہ کے مراد لیا گیا ہے، اس

سے بحث نہیں کر فی الواقع ان کے عقائد و اعمال کیا ہے، اور بعض جگہ ان سے صرف حقیقی اہل کتب مراد لیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہمارے نزدیک ”الذین اتبعوک“، اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے۔ حضرت مسیح کے تمام مشتبین اس میں شامل ہیں۔ عام اس سے کہ وہ ان کے حقیقی پیر و ہیں یا شخص نام لیوا ہیں۔

دوسری طرف یہ کہ یہاں<sup>(۲۳)</sup> ”الذین اتبعوک“ کے مقابل ”الذین کفروا“ رکھا ہے جس سے قرینہ نکلتا ہے کہ تقابل درحقیقت منکر یعنی مسیح اور مشتبین کے درمیان ہے نہ کر خلصین و متبدیین کے درمیان۔

تیرے یہ کہ یہ موقع بشارت کا ہے۔ بشارت کا تقاضہ بھی ہے کہ اس میں وسعت ہو۔ اگر ”الذین اتبعوک“ سے صرف حقیقی متعین ہی مراد ہوتے تو بشارت کا دائرہ بہت محدود ہو کرہ جاتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور غیر اہل ایمان سب کے لیے عام رکھا ہے۔ اسی طرح یہاں ”الذین اتبعوک“ بھی خالص اور غیر خالص متعین کے لیے عام ہے۔ (۱۰۵-۱۰۶)

### اواہ:

”اواہ“ آہ سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا لغوی مفہوم ہے کثرت سے آہ آہ کرنے والا یعنی نہایت دردمند، نہایت غم خوار اور صاحب سوزِ دل۔ (۱۵۷-۱۵۸)

### آیات:

آیات کا لفظ آیت کی جمع ہے۔ آیت کے اصل معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ (۲۵) قرآن مجید میں یہ لفظ ان دلائل اور نشانیوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جو

آسمان و زمین اور آفاق و نفس کے ہر گوشے میں موجود ہیں اور جو خدا کی قدرت و حکمت، اس کی توحید اور اس کے قانون جزا اوسرا کی گواہی دے رہی ہیں۔ (۱۷۰/۱)

### آیات بیانات:

آیات بیانات سے مراد آپ کی نبوت و رسالت کی وہ واضح اور قطعی دلیلیں ہیں جو آپ پر نازل ہوئیں۔ عام اس سے کہ وہ قرآن کے مدلل بیانات کی صورت میں ہیں یا ان کارناموں، علامات، شواہد اور مجزات کی شکل میں جو آپ کے ذریعہ سے ظہور میں آئے۔ فرمایا کہ یہ چیزیں آپ کی نبوت کے ثبوت میں اس قدر واضح ہیں کہ جس کے اندر ذرا بھی معقولیت ہو وہ ان کا انکار نہیں کر سکتا، صرف وہی لوگ ان کا انکار کر سکتے ہیں جو نافرمان اور عہد شکن ہوں۔ (۲۸۰/۱)

### آیات بیانات: سے مراد ہیں کھلے کھلے مجزات۔ (۵۰۰/۱)

### آیات محکمات:

آیات محکمات سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں جو آفاق و نفس کی بالکل بدیہات، خیر و شر کے مسلمات، اور معروف و منکر کے قطعیات و یقینیات پر مشتمل ہیں۔ جن کو دل قبول کرتے ہیں اور جن کو قبول کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی شرط نہیں ہے کہ دل سلیم ہو۔ جن کے حق میں ہر عقل گواہی دیتی ہے بشرطیہ اس پر تعصُّب، جذبات اور غیر فطری عقلیات کے پر دے پڑے ہوئے نہ ہوں۔ انہی محکمات پر ہر صحیح مذہب کی بنیاد ہوتی ہے اس وجہ سے تمام آسمانی مذاہب اور تمام انبیاء سے یہ تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہیں۔ چونکہ فطرت انسانی کے اندر ان کی جڑیں نہایت مستحکم ہوتی ہیں، شہادات و شکوہ کی آندھیاں ان

کو ہلانے سے قاصر رہتی ہیں اس وجہ سے قرآن نے ان کو محکمات سے تعبیر کیا ہے۔

(۲۵/۲)

### ایکھہ:

”ایکھہ“ جھاڑی، بن اور جنگل کو کہتے ہیں۔ مدین کے پاس ایک جنگل بھی تھا اس وجہ سے اصحاب مدین، اصحاب الائکھہ کے نام سے بھی مشہور تھے۔ بعض مفسرین نے اصحاب الائکھہ اور اصحاب مدین کو دو الگ الگ قومیں سمجھا ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ حضرت شعیب کی بعثت ان دونوں قوموں کی طرف ہوئی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔ (۵۵/۱۵)

### اصحاب الائکھہ:

”اصحاب الائکھہ“ سے مراد اصحاب مدین ہیں جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ”ایکھہ“ کے معنی جھاڑی اور بن کے ہیں۔ مدین کے پاس ایک بہت بڑا بن بھی تھا اس وجہ سے یہ لوگ اس نام سے بھی معروف تھے۔ (۳۷۳/۲)

### ایامی:

”ایامی“ ”ایم“ کی تجھ ہے۔ ”ایم“ اس مرد کو بھی کہتے ہیں جو بیوی سے محروم ہوا اور اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو شوہر سے محروم ہو۔ یعنی رانٹ اور رنڈوے دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے بلکہ اپنے وسیع معنوں میں یہ ان مردوں اور عورتوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو بن بیا ہے رہ گئے ہوں۔ (۳۹۹/۵)

**بُش:** اس کا بالکل ٹھیک ترجمہ پریشانی ہے (۲۳۸/۲)

## بیتہ:

‘بیتہ’ کے معنی روشن دلیل اور واضح جگت کے ہیں۔ اس سے مراد وہ نور فطرت جو حق و باطل اور خیر و شر کے مبادی کے امتیاز کے لیے خدا نے خود ہمارے اندر رودیعت فرمایا ہے۔ جن کی فطرت خارج کے برے اثرات سے جتنی بھی محفوظ ہوتی ہے ان کے اندر یہ نور اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ (۱۱۶/۳) ‘بیتہ’ سے مراد قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے بطور شہادت اتنا رہے۔ (۶۷/۳) ‘بیتہ’ سے مراد یہاں کوئی کھلا ہوا حسی معجزہ ہے۔ (۱۳۸/۳)

## تبتل:

‘تبتل’ اور ‘تبیل’ دونوں کے معنی انقطاع الی اللہ کے ہیں یعنی خلق سے کٹ کر رب کے دامنِ رحمت میں پناہ گیر ہو جانا۔ (۲۷/۸)

**بُش:** ‘بُش’ کے معنی تھہینتے، بکھیرنے اور پھیلانے کے ہیں۔ (۷۱/۱)

**بحر:** ‘بحر’ سے مراد (۳۱) بحر احر کی شمالی طیخ ہے۔ (۷۱/۵)

## بحر لجی:

‘بحر لجی’ گہرے سمندر کو کہتے ہیں۔ لجی، سمندر کا وہ حصہ جہاں پانی سب سے زیادہ گہرا ہو۔ ‘لجمی’ اس کی طرف نسبت ہے۔ (۳۱۲/۵)

**بخس:** کے معنی ناقص اور حقیر کے ہیں۔

**بدع:**

‘بدع’ کے معنی کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے اور بغیر کسی مادہ و مثال کے ایجاد کرنے کے ہیں۔ اسی سے ‘بدعت’ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کرنا جس کے لیے کوئی مثال، نظریہ اور کوئی مأخذ و مصدر نہ ہو۔ بدتع اسی سے فعل کا وزن ہے اور معنی میں فاعل کے ہے۔ (۳۰۲/۱)

**بدن:**

‘بدن’، ‘بدنة’ کی جمع ہے۔ یہ لفظ اونٹوں کے لیے آتا ہے لیکن<sup>(۳۲)</sup> یہاں یہ خاص طور پر ان اونٹوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو قربانی کے لیے نامزد کرو یہ گئے ہوں اور جن کی حیثیت ہدی اور قلاند کی ہو چکی ہو۔ (۲۲۹/۵)

**برع:** برع کا مفہوم ہے اس کو تھیک ٹھاک کرنا۔ (۲۱۳/۱)

**برأة: برآة،** کے معنی کسی ذمہ داری سے دست بردار اور بری الذمہ ہونے کے ہیں۔

(۵۳۶/۳)

**بروج:**

بروج، برج، \* کی جمع ہے۔ اپنے ابتدائی مفہوم میں تو یہ کسی نمایاں اور واضح چیز کے لیے استعمال ہوا، لیکن پھر یہ بلند عمارتوں اور قلعوں کے لیے معروف ہو گیا۔ اس کے

\* برج، کے معنی قلعہ اور محل کے ہیں۔ (۲۵۱/۳)

برج، قلعوں اور گڑھیوں کے لیے آتا ہے۔ (۲۸۷/۹)

ساتھ 'مشیدہ' کی صفت بلندی اور استحکام دونوں مفہوموں پر مشتمل ہے۔ (۳۲۳/۲)

**بر:**

بر کا لفظ عربی زبان میں ایفا یے عہد، وفاداری اور ادا یے حقوق کے معنی میں آتا ہے۔ (۲۸) حقوق میں ہر قسم کے حقوق شامل ہیں۔ بنیادی اور حقیقی بھی۔ مثلاً خدا کی فرمانبرداری، والدین کی اطاعت اور خلق کے ساتھ ہمدردی، پھر آگے چل کر اس میں وہ حقوق بھی شامل ہو جاتے ہیں جو قول و قرار اور معاهدات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ لفظ احسان اور نیکی کی تمام قسموں پر بھی حاوی ہے اور عدل کا بھی ہم معنی ہے۔ اپنے استعمالات کے لحاظ سے یہ لفظ ائمہ (حق تلفی) عقوق (والدین کی نافرمانی) غدر (بے وفائی) اور ظلم کا ضد ہے۔ بُرٌ اور بُراؤ اس سے صفت کے صیغہ استعمال ہیں مثلاً کہیں گے بُرٌ بِوالدِہ وہ اپنے باپ کا فرمانبردار ہے۔ بر بالقسم کے معنی ہیں اس نے اپنی قسم پوری کی۔ قرآن مجید میں حضرت مسیحی علیہ السلام کی تعریف میں وارد ہے وکان تقیاً، و بُرٌ بِوالدِہ و لم یَكُنْ جَارِأَعْصِيَا (مریم ۱۲) (وہ پرہیزگار اور اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا اور نافرمان نہ تھا) دوسری جگہ فرمایا ہے: لَنْ تَنَا لَوَا الْبَرَ حتَّى تَنفَقُوا مَا تُحِبُّونَ ط (آل عمران ۹۲) (تم خدا کی فرمانبرداری کا حقیقی درجہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو) اللہ تعالیٰ کی تعریف میں ہے انه هو التواب الرحيم (۲۸ طور) (بے شک وہ اپنے وعدوں کو پورا کرنے والا اور مہربان ہے) نیز فرمایا ہے وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الالئم والعدوان (المائدہ ۲) (اور تعاون کرو، ایفا یے حقوق اور تقوى کے

کاموں میں اور نہ تعاون کر وحق تلفی اور تعدی کے کاموں میں) اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ بڑے کا لفظ ایک پہلو سے نیکی اور بھلائی کے تمام کاموں پر مشتمل ہے لیکن اپنے خاص مفہوم کے لحاظ سے یہ حقوق اور فرائض کے ایفا کے لیے آتا ہے۔ (۱۸۷/۱)

بَرَ کا اصل مفہوم عربی لغت میں کسی کے حق کو پورا کرنا ہے۔ عام اس سے کہ خدا کا حق ہو، ماں باپ کا حق ہو، یا اللہ کے بندوں کا حق ہو۔ ان بنیادی حقوق کے علاوہ ان حقوق کا ایفاء بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے جو معاهدات، قول، قرار، حلف و ولاء، عقد اور قسموں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس لفظ کی اس وسعت کی وجہ سے وہ ساری نیکیاں اس کے تحت جمع ہو جاتی ہیں جو عدل یا احسان کے تحت آئتی ہیں۔ بَرَ اور بار اس سے صفت کے صینے ہیں۔ بَرَ بِالدِّيْه اس سعادت مند بیئے کو کہیں گے جو اپنے ماں باپ کا فرمانبردار اور ان کے حقوق پورے کرنے والا ہو۔ بَرَ بالقسم کے معنی ہیں اس نے اپنی قسم پوری کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بُرَ کی صفت استعمال ہوئی ہے اس لیے کہ اس نے بندوں کے جو حقوق اپنے اوپر لیے ہیں یا جو وعدے ان سے کیے ہیں وہ ان کو ایک ایک کر کے دنیا اور آخرت دونوں جگہ پورے کرنے والا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ حقوق واجبات ہوں یا نیکیاں اور بھلائیاں سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اس لفظ کی اس وسعت کی وجہ سے ہمیں ترجمہ کے لیے اردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں مل سکا جو اس کے پورے مفہوم کو ادا کر دے۔ ہم نے جو لفظ اختیار کیا ہے وہ ہمارے نزدیک ایک حد تک لفظ کی اصل روح کو ادا کرتا ہے۔ (۳۲۲/۱)

بَرَ، کی اصل روح ایفائے عہد و ذمہ ہے۔ اور لفظ شکر، کی اصل حیثیت نعمت کے حق کو پہچانتا اور اس کو ادا کرنا ہے۔ ان دونوں میں واضح قدر مشترک موجود ہے۔ اللہ

تعالیٰ کے جو بندے اس کی نعمتوں کا حق پہچانتے اور اس کو ادا کرتے ہیں وہی دراصل اس کے دفادر بندے ہیں۔ (۱۱۰/۹)

‘بُرْرَه’ جمع ہے ‘بَارَّ’ کی۔ ‘بَارَّ’ کہتے ہیں فرمائ بردار، باوفا اور اپنی ذمہ داریوں کو تھیک تھیک ادا کرنے والے کو۔ یہ صفت ان کی امانت داری کے وصف کو مزید نمایاں کرنے کے لیے آئی ہے مثلاً فرمایا ہے: ‘نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ’ (الشِّرْعَاء ۱۹۳) (یہ کلام جبریل امین کے ذریعہ سے نازل ہوا ہے) دوسرے مقام میں اس کی مزیدہ وضاحت ہے: انه لقول رسولِ کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاعِ ثم امین (الکویر ۲۱-۱۹) (یہ کلام ایک باعزت رسول کے واسطہ سے القاء ہوا ہے۔ وہ بڑی قوت والا اور عرش والے کے حضور میں نہایت مقرب ہے۔ اس کی بات مانی جاتی ہے۔ مزید برآں وہ نہایت معتمد ہے)۔ (۲۰۳/۹)

بر، تقویٰ اور اصلاح کے تینوں لفظوں نے یہاں خیر اور نیکی کے تمام اقسام کو جمع کر لیا ہے۔ ”بر“ ان تمام نیکیوں پر حاوی ہے جن کا تعلق والدین، رشتہ داروں، مسکنیوں، تیبیوں اور دوسرا ہے حقوق العباد سے ہے، ”تقویٰ“ ان نیکیوں پر حاوی ہے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور ”اصلاح“ سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو معاشرہ سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ (۵۳۹/۱)

**بروز:** کے اصل معنی پر وہ کی اوٹ سے باہر آنے کے ہیں۔ (۳۲۱/۳)

**استبرق:** دیکھیں ”سنڈس“

## مُبِرَك:

‘مُبِرَك’، اس بارش کے لیے قرآن میں بار بار استعمال ہوا ہے جو زمین کی سیرابی، روئیدگی اور سربزی کا ذریعہ بنتی، اس کے خزانوں اور اس کی برکتوں کو ابھارتی اور اس کے مردہ اور بے آب و گیاہ ہو جانے کے بعد اس کو از سر نوحیات تازہ بخشتی ہے۔ (۲۰۶/۳)

## مبارکہ:

‘مبارکہ’ یہاں اپنے لغوی مفہوم میں ہے جس طرح زرخیز و شاداب زمین کو قرآن میں مبارک کہا گیا ہے اسی طرح یہاں شاداب اور شمر آور درخت کے لیے لفظ ‘مبارک’ استعمال ہوا ہے۔ (۲۱۰/۵)

## تبارک:

جس طرح ‘تعاظم’ اور ‘تعالیٰ’ اور اس باب کے دوسرے صیغوں کے اندر مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے اسی طرح ‘تبارک’ کے اندر بھی مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی بڑی ہی بابرکت اور با فیض ہستی ہے وہ جس نے لوگوں کے انذار کے لیے، اپنے بندے پر، ایک ایسی کتاب اتنا ری جو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کے لیے ایک جدت قاطع کی حیثیت رکھتی ہے۔ (۲۲۵/۵)

## ابراہم:

‘ابراہم’ کے معنی کسی امر کو محکم کرنے کے ہیں۔ ‘ابوہ العجل’ کے معنی ہوں گے رسی کو اچھی طرح مضبوط بٹا۔ یہاں یہ کسی بات کا قطعی فیصلہ کر لینے کے مفہوم میں آیا ہے۔ (۲۵۳/۷)

## برہان (رب):

'برہان رب' سے مراد وہ نور یزدانی ہے جو اللہ تعالیٰ ہر انسان کی نظرت کے اندر دویعت فرماتا ہے۔ جو خیر و شر میں امتیاز کا ذریعہ بھی ہے اور جو خیر پر ابھارتا بھی ہے اور برائی سے روکتا بھی ہے۔ (۲۰۶/۳)

## بسط (ید):

<sup>(۳۹)</sup> 'بسط ید' کے معنی ہاتھ بڑھانے اور دست درازی کرنے کے ہیں۔ یہاں بارا دہ قتل ہاتھ بڑھانے کا ذکر ہے اس وجہ سے اس کے معنی اقدام قتل کے ہوں گے۔ (۳۹۸/۲)

## بسطہ:

بسطہ اور بسطہ، دونوں ایک ہی لفظ ہے۔ اس کے معنی کشادگی، وسعت اور پھیلاو کے ہیں۔ ظاہری اور باطنی دونوں ساختوں میں پھیلاو اور کشادگی زیادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم کو خدا نے جسمانی اور عقلی دونوں اعتبار سے تفوق و برتری عطا فرمائی ہے۔ (۲۹۸/۳)

## ابسال:

ابسالہ، اسلامہ للہلکہ، اس کو بلا کت کے حوالہ کیا۔ ابسال فلا تا لعملہ و به و تکله الیہ، فلاں کو اس کے عمل کے حوالہ کر دیا۔ (۸۰/۳)

## بشر:

'بشر' جسم کی کھال کے معنی میں ہے۔ یعنی امرے علوں کی لپٹ کا یہ حال ہو گا

کہ دوری سے مجرموں کی کھالوں کو جلس دے گی۔ دوسرے مقام میں 'نَرَاعَةُ لِلشَّوْى' (المعارج ۱۶) کے الفاظ آئے ہیں۔ (۵۲۹)

**مستبشرة:** 'مستبشرة' یعنی ہشاش بٹاٹش ہوں گے۔ (۲۱۲/۹)

**بصیر:** دیکھیں 'اعمی'۔

**بضاعة (مزاجات):** ایسی پنجی جس کو کوئی قبول نہ کرے۔ حقیر، غیر مطلوب۔

(۲۲۹/۲)

**بطا:**

'بطا، یُطْئِي'، کے معنی 'ڈھیلے پڑنے، سست پڑنے اور پیچھے رہ جانے کے بھی ہیں اور وہ سروں کو سست کرنے کے بھی۔ لسان العرب میں ہے<sup>(۲۰)</sup>، 'بطا فلان بفلان اذا ثبطه، فلاں نے فلاں کو سست اور پست ہمت کر دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه،<sup>(۲۱)</sup> (جس کا عمل اس کو پیچھے کر دے گا اس کا نسب اس کو آگے نہ بڑھائے گا)۔ (۳۳۲/۲)

**بطر:**

'بطر' کے معنی حق سے اکثر نے اور اس سے متکبرانہ منہ موڑنے کے ہیں۔ قرآن نے اس سے بدستی اور سرکشی کو تعبیر فرمایا ہے جو اللہ کی نعمتیں پا کر کسی شخص یا گروہ پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ شکر اور تواضع کے بجائے غرور اور طغیان میں بنتا ہو جاتا ہے۔ سورہ قصص میں ہے وَ كَمْ أَهْلَكَنَا مِنْ قَرِيْبٍ بَطْرٌتْ مَعِيشَتَهَا (۸۵) (اور کتنی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اپنے وسائل معيشت کی فراوانی پر اکثر نے لگی تھیں)۔ (۲۸۹/۳)

‘بطر’ کے معنی اکثر نے، اترانے اور فخر و ناز کرنے کے ہیں۔ (۶۹۳/۵)

### بطن (مکہ):

‘بطن مکہ’ سے اشارہ مدینیت کی طرف ہے۔ یہ بالکل مکہ کے دامن میں ہے اس وجہ سے اس کو ‘بطن مکہ’ سے تعبیر فرمایا۔ (۳۶۲/۷)

**بطانة:** بطانة لحاف وغیرہ کے استرو کہتے ہیں۔ (۱۶۵/۲)

### بعث:

بعث کے معنی اٹھانے، ابھارنے، بھیجنے کے ہیں۔ پھر اسی مفہوم سے اس کے اندر مامور کرنے کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ (۱۶۱/۵ - ۵۶۰)

‘بعث’ کا صلہ جب ‘علیٰ’ کے ساتھ آئے تو وہ ابھارنے اور اکسانے کے ساتھ ساتھ مسلط کر دینے کے مفہوم پر بھی مخصوص ہو جاتا ہے۔ (۳۸۱/۳)

‘بعث’ اور ‘قیام’ کے اجتماع کے لیے دیکھیں ‘مقام’۔

**انبعاث:** ‘انبعاث’ کے معنی اٹھنے اور کربستہ ہونے کے ہیں۔ (۳۹۲/۹)

### بعشرة:

‘بعثر الشئ’ کے معنی ہوں گے، کسی شے کو پر انندہ منتشر کر دیا، اس کو ادھیزہ دالا، اس کو کھول کر جو کچھ اس میں تھا برآمد کر لیا۔ (۲۲۰/۹)

### بعل:

‘بعل’ اس دیوتا کا نام ہے جس کو حضرت الیاس کی قوم پوجتی تھی۔ قرینہ دلیل ہے

کہ شہر بعلبک، کا نام اسی دیوتا کی نسبت سے پڑا ہے اس لیے کہ 'بک' مخفف ہے 'بکہ' کا جس کے معنی شہر کے ہیں۔ (۲۹۱/۶)

### بغی:

'بغی' کے معنی یہاں ضد کے ہیں یہ ضد ان کی خدا سے سرکشی اور ان کے انتکبار کا نتیجہ تھی علی من يشاء من عبادہ کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن اشارہ یہاں خاص طور پر بنی اسماعیل کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی وسعت کو ظاہر کرنے کے لیے عموم کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ (۲۷۱/۱)

### بغی:

'بغی' انتکبار کا نتیجہ ہوتی ہے اور انتکبار صرف اس کے لیے روا ہے جس کا خلق و مدیر میں کوئی حصہ ہو۔ جو خود مخلوق اور ہر چیز میں خالق کے رحم و کرم کا ہتھاں ہو۔ اس کے اکثر نے، اور وہ بھی اپنے خالق کے سامنے، کے کیا معنی؟ اس وجہ سے یہ بھی بغیر حق ہے۔ (۲۰/۳)

'بغی' بدکار اور چھنال عورت کو کہتے ہیں۔ (۶۲۲/۳)

**بقل:** بقل کا لفظ بزریوں اور ترکاریوں کی تمام اقسام کے لیے عام ہے۔ (۲۲۲/۱)

**باقیۃ:** دیکھیں 'کلمہ باقیۃ'۔

**بقیۃ (الله):**

'بقیۃ اللہ' سے مراد جائز نفع ہے۔ اگر ایک تاجر ناپ تول میں ٹھیک عدل کو ملحوظ

رکھے، جھوٹ، فریب، ملاوٹ اور اس قسم کے دوسرا، تھکنڈوں سے بچے، دوسرا۔  
میں غلط راستے نہ اختیار کرے تو گودہ اتنا زیادہ منافع نہ لوٹ سکے جتنا دوسروں نے۔  
نے حرام و حلال کی تمیز اٹھا دی، لوتا ہو لیکن اس کا حاصل کیا ہوا فتح 'بقیۃ اللہ' کی حیثیت  
رکھتا ہے اور وہ قلیل بھی ہو تو دوسروں کے کثیر سے ہزار درجہ افضل ہے اس لیے کہ اس میں  
اور آخرت دونوں میں برکت ہوگی۔ اس کے برعکس بے ایمانی کا حاصل کیا ہوا فتح دنیا:  
بے برکت اور آخرت میں دُکھی ہوئی آگ بنے گا۔ (۱۶۱/۳)

**ابقاء:** 'ابقی' علیہ کے معنی ہوتے ہیں اس نے اس پر ترس کھایا اور حرم کیا۔ (۵۳/۹)

**ابکار:** دیکھیں 'کلمہ باقیہ'۔

## بَكَهُ:

بَكَهُ سے مراد کہ ہے۔ قدیم میتھوں میں اس کا بھی نام آیا ہے<sup>(۲۲)</sup> لغوی معنی اس  
کے شہر کے ہیں مثلاً بعلک (بعل کا شہر) یہود نے آخری بخشش کے نشانات گم کرنے  
کے لیے قرأت کے توڑ مردی یا بالفاظ قرآن "لَئِيْ لسان" کے ذریعہ سے جو تحریفیں کی ہیں،  
ان کی ایک مثال یہ لفظ بھی ہے۔ اس کو یہود نے بگاڑ کر بَكَهُ کے بجائے بکاء بتایا اور اس کو  
 مصدر قرار دے کر ترجمہ اس کا روشن کر دیا اور اس طرح 'وادی بَكَهُ' کو رونے کی وادی میں  
تبديل کر کے ان سب سے بڑے نشان کو گم کر دیا، جس سے خلق کو آخری نبی کے بارے  
میں رہنمائی مل سکتی تھی۔ (۱۳۵/۲)

**بَكَد طَيِّب:** بلد طیب سے مراد رخیز اور ذی صلاحیت زمین ہے۔

**ہس:**

ابلَسَ سے الفعل کے وزن پر ہے۔ ابلَسَ کے معنی غمگین ہونے، انکار کرنے مایوس ہونے کے ہیں (۳۳)۔ ابلَس دراصل اس جنی کا لقب ہے جس نے آدم کو بجہہ نے سے انکار کیا۔ قرآن مجید میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ جنات میں سے تھا۔ سورہ ﴿۱۶﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلملائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمْ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ  
ق عن امر ربه (اور یاد کرو، جب کہ ہم نے کہا فرشتوں سے کہ بجہہ کرو آدم کو تو انہوں سجدہ کیا مگر ابلَس نے، وہ جنات میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم سے انحراف ) (۱۶/۱)

**ہلاص:** 'ابلَس' کے معنی بالکل مایوس اور بخوبی کا ہو کر رہ جانا ہے۔ (۷۹/۲)

**بلغ:** 'بلاغ' یہاں (۳۴) منادی عام اور بشارت عام دونوں کے مضمون کا حامل ہے۔ (۱۹۹/۵)

**بلوغ:**

خوف و دهشت اور پریشانی کی تعبیر کے لیے 'بلغت القلوب الجناجر' کا محاورہ بھی ہے، کیجہ من کو آتا، ہماری اپنی زبان میں بھی خوف و دهشت اور گمراہی کی تعبیر کے لیے معروف ہے۔ (۱۹۹/۶)

'بلغت التراقي' میں ضمیر نفس کے لیے ہے جو یہاں مخدود ہے۔ اس حذف کی مثال سورہ واقعہ میں بھی ہے۔ فرمایا ہے: فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحَلْقُومَ، (الواقعة ۸۳) (کیوں نہیں جب کہ جان حلقو کو پہنچ جاتی ہے) اس طرح کا حذف عربی میں معروف ہے

اس وجہ سے 'نفس' کا ذکر ضروری نہیں ہوا۔ کلامِ عرب میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔  
حاتم طائی کہتا ہے۔

اماوى ما يغنى الشراء عن الفتى اذا حشرجت يوماً وضاق بها الصدر<sup>(۳۵)</sup>  
(اے مادیہ! مال آدی کے کیا کام آئے گا جب جان سینے میں پھنسے گی)

اس میں 'حشرجت' کا فاعل نفس ہے لیکن اسی قاعدے کے مطابق جو مذکور ہوا،  
اس کو حذف کر دیا۔ قرآن مجید میں بھی اس حذف کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً ماترک  
علی ظہرها من دآبة (فاطر ۲۵) (اور زمین کی پشت پر کوئی جاندار جیتنا چھوڑتا) اس  
میں دیکھیجئے ضمیر کا مرتع 'الارض' ہے جو مذوف ہے..... (۹۱/۹)

بلا: بلا یبلو، کے معنی تجربہ کرنے، جانچنے، آزمائنے اور چکھنے کے ہیں \*۔ (۳۷/۳)

### ابتلاء:

'ابتلاء' کے معنی جانچنے اور امتحان کرنے کے ہیں۔ یہ ابتلاء بندوں کی تربیت  
اخلاقی کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک سنت ہے۔ اسی چیز سے بندوں کی وہ صلاحیتیں ابھرتی اور  
نشودنا پاتی ہیں جو ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائی ہیں اور اسی سے کھرے اور  
رکھوٹے میں امتیاز ہوتا ہے۔ یہ امتحان نرم اور رخت، سرد اور گرم، خوش کن اور رنج دہ، حوصلہ  
افزا اور ہمت آزمادوں کی طرح کے حالات کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور کسی صورت میں بھی

\* 'بلا' کے اصل معنی تو امتحان اور جانچ کے ہیں لیکن امتحان نعمت کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے۔ اور مصیبت کے  
ذریعے سے بھی۔ نعمت کا امتحان شکر کی جانچ کے لیے ہوتا ہے اور مصیبت کا امتحان صبر و رضا کی جانچ کے  
لیے۔ (۲۸۵/۷)

اس سے مقصود بندے کو دکھ میں بنتا کرنا نہیں ہوتا بلکہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، صرف اس کی صلاحیتوں کو ابھارنا اور پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ (۳۲۳/۱)

آدمی جب کسی چیز کو جانچتا ہے تو اس کو مختلف پہلوؤں سے الٹ پٹ اور ٹھونک بجا کر دیکھتا ہے۔ یہیں سے اس کے اندر ایک طور سے گزار کر دوسرے طور میں لے جانے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔ اصحاب تاویل میں سے بھی بعض لوگوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱۰۷/۹)

### **بنیان:**

‘بنیان’ عمارت کو کہتے ہیں (۳۴) لیکن اس سے مراد دیوار ہے۔ دیوار کی ایک ایسی بھی اگر اپنی جگہ سے کھک جائے تو پھر پوری دیوار کو اکھاڑ پھینکنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سورہ انفال میں تعبیر فرمائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص منتظم فوج کشتی کی صورت میں صرف سے اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگتا ہے تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹتا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے: *فَقَدْ بَاءَ بِغَضْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَ مَا وَهُ جَهَنَّمُ طَوْبَسِ الْمَصِيرِ* (الانفال ۱۶) (تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے)۔ (۳۵۵-۳۵۶)

### **مبینۃ:**

‘مبینۃ’ یہاں آراستہ و پیراست (furnished) کے مفہوم میں ہے۔ عربی میں ‘بی الدار’ جس طرح مکان بنانے کے مفہوم میں آتا ہے اسی طرح مکان آراستہ کرنے کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ مفسرین نے اس معنی کی طرف توجہ نہیں کی ہے، لیکن قرآن اور کلام عرب

میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ (۵۷۶/۶)

**بنیین: دیکھیں ”مال“۔**

### ابتهاں:

”ابتهاں“ کے معنی دعا اور تضرع کے ہیں لیکن اس کے اندر ترک کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اس وجہ سے یہ ایک دوسرے پر لعنت کی بد دعا کے لیے معروف ہے۔

جن معاملات میں بنائے اختلاف کوئی عقلی واستدلالی چیز ہوان میں تو مسئلے کو طے کرنے کا صحیح طریقہ عقل و استدلال ہی ہے لیکن جہاں عقل و استدلال کے تمام مرحلے طے ہو چکے ہوں، مخاطب دلیل و جدت سے بالکل عاری ہو، حق اس کے سامنے سورج کی طرح روشن ہے، اس کے سامنے گریز فرار کی کوئی راہ نہ ہو لیکن وہ مخفی اپنی بات کی پیچ اور ہٹ دھرمی کی آن قائم رکھنے کے لیے اپنی بات پر اڑا ہوتا یہ موضع کے لیے مقابلہ کا طریقہ آخری چارہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ نصاریٰ نے قرآن کے اس چیز کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کی جس سے یہ بات آخری درجے میں واضح ہو گئی کہ سیدنا مسیح کے پارے میں وہ اپنے موقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے بلکہ مخفی اپنے گروہی تعصُّب کے تحت اس کی حمایت کرتے تھے۔ عکس اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ کھلا ہوا چیز اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ آپ کو اپنے موقف کی صحت و صداقت پر پورا یقین تھا۔

مبائلے میں اپنے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنے اعزاء و متعلقین کی شمولیت اس کی سنجیدگی اور اہمیت کو دو چند بلکہ دو چند کر دیتی ہے اس لیے کہ کوئی شخص جانتے تو جھٹے اپنے زن و فرزند اور اپنے محبوبوں اور محبوبوں پر لافت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے۔ (۱۰۸/۲ - ۱۰۹)

## تبویہ:

اس کے معنی بھرانا، نکانا، مقیم کرنا، مامور کرنا۔ (۱۶۵/۲) ”تبویہ“ کے معنی ممکن کرنے کے ہیں اور صدق، کی طرف اس کی اضافت اس کے اندر مزید قوت و استحکام کے اظہار کے لیے ہے۔ (۸۵/۳) ”تبویہ“ کے معنی نکانے، بھرانا، آباد کرنے اور بسانے کے ہیں۔ (۲۳۱/۵)

## بُورَ:

”بُور“ جمع ہے ”بائِر“ کی۔ اس کے معنی ہلاک ہونے والے کے ہیں۔

(۳۵۴/۷)

## بَالَ:

”بَالَ“ ایک جامع لفظ ہے۔ یہ ظاہر و باطن دونوں قسم کے احوال پر حاوی ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت دونوں کے تمام احوال درست کر دے گا۔ (۷/۳۹۶)

## تبییینات:

بَيْت، بَيْثَ، کے معنی اصلاً تو کوئی عمل رات میں کرنے کے آتے ہیں لیکن اپنے عام استعمال میں یہ لفظ رات کی قید سے مجرد ہو کر چھپ کر کوئی کام، کوئی مشورہ، کوئی رائے کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الفاظ کے اس طرح اپنے ابتدائی مفہوم سے مجرد ہو جانے کی مثالیں عربی زبان میں بہت ہیں۔ اضھی اور بات، بھی اپنے عام استعمال میں دن اور رات کی قید سے مجرد ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ (۳۳۶/۲)

**بیسوت:** بیسوت، وہ رہائشی مکانات ہیں جن میں کسی کے بیوی بچے رہتے ہوں۔ (۲۹۳/۵)

### بیض (مکنون):

'بیض مکنون' سے شتر مرغ کے اٹے مراد ہیں۔ کلامِ عرب (۲۴) میں نازینیوں کی تشبیہ شتر مرغ کے اٹوں سے بکثرت ملتی ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تشبیہ میں عفت، صیانت اور رنگ تینوں چیزوں کا حاذار کرتے ہیں۔ 'مکنون' سے ان کے اچھوتے ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ (۲۶۷/۶)

### بیع:

'بیع' 'بیعة' کی جمع ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ دونوں کے عبادت خانوں کے لیے آتا ہے۔ لیکن آگے یہود کے عبادت خانوں کے لیے الگ لفظ آیا ہے۔ اس وجہ سے اقرب یہ ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ کے گرے ہوں۔ ان کے ہاں رہبانیت کے نظام کی وجہ سے خانقاہیں اور گرجوں دونوں کو یکساں اہمیت حاصل رہی ہے۔ (۲۵۶/۵)

**بیع:** بعض مواقع میں خرید و فروخت دونوں معنوں میں آتا ہے۔ جب تبادلہ چیز کا چیز سے ہو تو معاملت کے دونوں فریقیں باعث بھی ہوتے ہیں اور مشتری بھی۔ (۲۲۹/۲)

### بیسات:

'بیسات' سے مراد وہ تنبیہات و تهدیدات بھی ہیں جو شیطان کی چالوں اور اس کے فتنوں سے آگاہ کرنے کے لیے نہایت تفصیل کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور وہ

واضح اور قطعی ہدایات بھی جو ایمان و اسلام کے تقاضوں کو بیان کرنے کے لیے وارد ہوئی

(۳۹۹/۱)

‘بینات’ کے معنی واضح اور روشن کے ہیں۔ یہ لفظ آیات کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ تہبا بغیر موصوف کے استعمال ہوا ہے۔ دو معنیوں میں استعمال ہوا ہے۔ واضح اور مسکت دلائل کے معنی میں یا حسی مجزات کے معنی میں۔

(۲۲۱/۲)

**کتاب مستبین:** ‘کتاب مستبین’ اور ‘کتاب مبین’ دونوں کا مفہوم ایک

ہی ہے۔ اس سے مراد تورات ہے۔ (۳۸۹/۶)

### تابوت:

‘تابوت’ کے معنی صندوق کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد بنی اسرائیل کا وہ صندوق ہے جس کو تورات میں ”خدا کا صندوق“ یا ”خدا کے عہد کا صندوق“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے زمانے سے لے کر بیت المقدس کی تعمیر تک اسی صندوق کو بنی اسرائیل کے قبلہ کی حیثیت حاصل رہی۔ وہ اس کو اپنے خیمہ عبادت میں ایک مخصوص مقام پر نہایت مخصوص اہتمام کے ساتھ پردوں کے نیچے میں رکھتے اور تمام دعا و عبادت میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے۔ ان کے ربی اور کاہن غیبی رہنمائی کے لیے بھی اسی کو مررج بناتے۔ مشکل حالات، قومی مصائب اور جنگ کے میدانوں میں بھی بنی اسرائیل کا حوصلہ قائم رکھنے میں اس صندوق کو سب سے بڑے عامل کی حیثیت حاصل رہی۔ حضرت موسیٰ کے زمانے تک تو اس میں تورات اور صحراء کی زندگی کے دور کی بعض یادگاریں محفوظ کی گئیں

لیکن پھر اس میں حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور ان کے خاندان کے بعض اور تبرکات بھی محفوظ کر دیے گئے۔ (۱۷۸)

### تَبْ

‘تَبْ’ کے معنی ہلاک ہونے اور خسارہ میں پڑنے کے ہیں۔ اسی سے تبست یادا فلان، کامحاورہ نکلا ہے جس کے معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ فلاں کے دونوں ہاتھ حصول مقصد میں ناکام و عاجز رہے۔ دونوں ہاتھوں کی ناکامی اور بے بُسی کامل بے بُسی کی تعبیر ہے۔ اگر کہیں کہ تبست یادا، تو اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ مقابلہ کرنے سے بالکل عاجز ہو گیا۔ اسی طرح ‘کسر ید’، (ہاتھ توڑ دینا) کسی کا زور توڑ دینے کی تعبیر ہے۔ فنا الزمانی کا شعر ہے:

وَتَرَكَنَا دِيَارَ تَغْلِبٍ تَفْرَا وَكَسْرَنَا مِنَ الْغَوَّةِ الْجَنَاحَا<sup>(۲۸)</sup>

(ہم نے تغلب کے علاقہ کو چھیل بنا کے چھوڑ دیا اور ان کے سرکشوں کے بازو توڑ دیے)  
عبرانی زبان میں بھی، جو عربی کی بہن ہے، یہ محاورہ استعمال ہوا ہے۔ صحیفہ ذی الکفل کے باب ۳ آیات ۲۲-۲ کے فقرے ملاحظہ ہوں:

”گیارہویں برس کے پہلے مہینے کی ساتویں تاریخ کو یوں ہوا کہ خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدمزادو! میں نے مصر کے بادشاہ، فرعون کا بازو توڑا اور دیکھ دے باندھائیں جائے گا اور دوا کی تدبیر کر کے اس پر پیشیاں کسی نہیں جائیں گی کہ تمکار پکڑنے کے لیے مضبوط ہو۔ اس لیے خداوند یہود یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں مصر کے بادشاہ، فرعون کا مخالف ہوں اور اس کے بازوؤں کو، اُسے جو پر زور ہے اور اسے جو ثوٹا

تمہارے توڑوں گا اور اس کے ہاتھوں سے تکوا اگر آؤں گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کے اندر بحود نہست کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ یہ صرف ابوالہب کے اقدار کے زوال اور اس کی تباہی کی پیشین گوئی ہے۔ یہ امر بھی ملاحظہ ہے کہ یہاں اس کا ذکر کنیت کے ساتھ ہوا ہے اور اہل عرب جب کسی کا ذکر کنیت کے ساتھ کرتے ہیں تو اس میں فی الجملہ احترام مذکور نظر ہوتا ہے۔ (۱۳۲/۹)

**تابع:** دیکھیں ”قاصف“۔

**تابع:** دیکھیں ”قوم تبع“۔

### **اتباع:**

”اتباع“ کے معنی پیچھے گئے، درپے ہونے، تعاقب کرنے کے ہیں۔ ”اتبع سبَا“ کے معنی ہوں گے اس نے وسائل و ذرائع کا جائزہ لیا، اس کا اہتمام کیا۔ پھر نہیں سے ذرا وسیع معنی میں یہ کسی مہم کی تیاری کے لیے استعمال ہوا۔ (۲۱/۳) اتبع مشی خلفہ، مضی معہ، لحقہ اس کے پیچھے چلا، اس کے ساتھ ہولیا، اس کو جا پہنچا۔ (۲۰۸/۳)

### **تتری:**

”تتری“ کی اصل ”وتیری“ ہے۔ عربی کے معروف قاعدے کے مطابق ”و، ت،“ سے بدل گئی ہے۔ ”جاء القوم تتری“ کے معنی ہوں گے تسلیل کے ساتھ یہ کے بعد دیگرے آئے۔ (۳۲۰/۵)

### **تجارة:**

”تجارة“ اور ”بیع“ میں سے پہلا لفظ تو عام تجارتی کاروبار کے مفہوم میں ہے اور

بچ بچنے کے معنی میں مشہور ہے۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ اگر کسی چیز کے بیچنے کا موقع ہو تو تاجر اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ تجارت تو درکنار اس طرح کے موقع طبع بھی ان کو خدا سے غافل نہیں کرتے اور مومن کی اصل شان یہی ہے کہ وہ تجارت اور بیع و شراء سب کچھ کرے لیکن خدا کی یاد اور اس کے فرائض کی بجا آوری سے غافل نہ ہو۔ (۳۱۲/۵ - ۳۱۳)

### اتراب:

‘اتراب’ جمع ہے ‘ترب’ کی۔ یہ لفظ ہم سن و ہم عمر کے معنی میں آتا ہے لیکن عربیت کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس کا غالب استعمال عورتوں کے لیے ہے اس وجہ سے میرے نزدیک یہاں یہ ہم جولیوں کے معنی میں ہے۔ سورہ نبایں کو اعتاب اتراباً،<sup>(۴۹)</sup> (کنواری ہم جولیاں) کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ (۱۶۸/۸)

**مترفین:** ‘مترفین’ کسی قوم کے کھاتے پیتے خوش حال طبقہ کو کہتے ہیں۔  
(۳۲۹/۵) ‘مترفین’ مالداروں اور خوش حالوں کو کہتے ہیں۔ (۳۸۹/۳)

**تعسیٰ:** ‘تعسأْ لَهُمْ’، لعنت اور پھٹکار کا جملہ ہے اور اس کا استعمال اسی طرح معروف ہے۔ (۷۰۱/۷)

**تفہ:** ‘تفہ’ کے معنی میں کچیل کے ہیں۔ ‘قضیٰ تفہ’ ای ازلہ، اس نے اپنا میں کچیل دور کیا۔ (۲۲۵/۵)

**تلؤٰ:** ‘تلاؤ’ کے معنی یہاں کسی چیز کے بعد اور چیچھے آنے کے ہیں۔ (۱۱۶/۳)

## توبہ:

کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ جب اس کا صلیٰ علی کے ساتھ آتا ہے تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر رحم کا مضمون چھپا ہوا ہے۔

(۱۶۹/۱)

## توبہ:

‘توبہ نصوح’ سے مراد وہ توبہ ہے جو دل کے پورے انقیاد اور پچ عزم کے ساتھ ہو۔ جس کے بعد گناہ کی طرف مڑنے کی کوئی خواہش باقی نہ رہے بلکہ گناہ کو آخری طلاق دے کر آدمی اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے ڈال دے۔ (۲۷۱/۸)

## تین:

استاذ امام فراہی تحریر فرماتے ہیں:

‘تین’، ایک خاص پہاڑ کا نام ہے۔ عربی میں انجیر کو تین کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں انجیر کی پیداوار بکثرت تھی اس وجہ سے یہ تین ہی کہ نام سے مشہور ہو گیا۔ اہل عرب اس نام سے اس کو جانتے تھے۔ نام رکھنے کا یہ طریقہ عربوں میں معروف رہا ہے۔ جس چیز کی پیداوار جہاں زیادہ ہوتی با اوقات اسی کے نام سے اس مقام کو موسوم کر دیتے ہیں۔ غرضی، شجرۃ، نخلۃ وغیرہ مقاموں کے نام اسی طرح پڑے۔ ..... مشہور شاعر نابغہ ذیبانی نے اپنے شعروں میں ‘تین’ کا ذکر ایک مقام کی حیثیت سے کیا ہے:

صہب الظلال اتنیں التین عن عرض یزجین غیما قلیلاً مادہ شیما<sup>(۵۰)</sup>

”اس میں اس نے ”تمن سے شمال کے ایک پہاڑ کو مراد لیا ہے۔ بعضوں  
نے کہا ہے کہ یہ حلوان اور ہمان کے درمیان ہے۔“

آگے مولانا اس کے بارے میں بعض قیاسات کی تردید کرتے ہوئے اپنی نقطی  
رائے ان الفاظ میں ظاہر فرماتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ تمن سے مراد یا تو کوہ جودی ہے یا اسی کے قریب کا  
کوئی دوسرا پہاڑ۔ تورات میں ہے کہ طوفانی نوح کے بعد نبی آدم یتیں  
سے ادھر ادھر متفرق ہوئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ  
جودی کے پاس پیش آیا۔“<sup>(۵۱)</sup> (۳۳۶/۹)

**ثابت:** دیکھیں ”قول ثابت۔“

### ثبات:

ثبات، ثبہ، کی جمع ہے۔ ”ثبہ“ کے معنی سواروں کی جماعت، بلکڑی اور دستے کے  
ہیں۔ عرب میں جنگ کے دو طریقے معروف تھے۔ ایک منظم فوج کی شکل میں لٹکر آ رائی،  
دوسرادہ طریقہ جو گوریلا جنگ (Guerrilla warfare) میں اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی  
بلکڑیوں اور دستوں کی صورت میں دشمن پر چھاپا مارنا۔ یہاں ”ثبات“ کے لفظ سے اسی  
طریقے کی طرف اشارہ ہے۔ مسلمانوں نے یہ دونوں طریقے استعمال کیے۔ آنحضرت  
علیہ السلام نے منظم فوجی کشی بھی فرمائی اور وقایتو قاتلس رئیے بھی بھیجے۔ (۳۳۲/۲)

**اثبات:** اثبات کا اصل مفہوم پابند کر دینا، روک دیتا ہے، جس میں قید کر دینا بھی شامل

(۳۶۶/۳) ہے۔

**تشبیت:**

‘تشبیت’ کے معنی مضبوط کرنے، جمانے اور سلطکم کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ اپنے مال خدا کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ اس مقصد سے بھی خرچ کرتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے نفس کی تربیت کریں کہ وہ دین کے احکام کی قسمیں میں اچھی طرح پختہ ہو جائے۔

(۱۱۷/۱)

**ثبور:** ‘ثبور’ کے معنی موت اور ہلاکت کے ہیں۔ (۲۵۲/۵)

‘مشبوراً’ کے معنی ہلاکت زدہ کے ہیں۔ (۵۲۵/۳)

**تشریب:** ‘تشریب’ کے معنی کسی کو اس کے کسی قابل ملامت فعل پر ملامت کرنے کی ہیں۔ (۲۵۱/۲)

**شقف:** ‘شقف’ کے معنی پالینے کے ہیں۔ (۲۹۹/۳)

**شققل:** ‘شققل’ کے معنی بار اور بوجھ کے ہیں۔ (۲۹۲/۹)

**شقیل:** جس کا حال اس کے برعکس ہو۔ یعنی وہ سرو سامان سے بھر پور اور اسلخ سے لیس ہو۔ (۵۷۷/۳)

**شققلن:** ‘شققلن’ سے مراد جن و انس، دونوں میں جیٹ الجماعت ہیں۔ جماعی حیثیت میں چونکہ دونوں بھاری بھر کم بن جاتے ہیں اس وجہ سے ‘شققلن’ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (۱۳۹/۸)

## تشاقل:

تشاقل اور تناقل ایک ہی لفظ ہے۔ معنی اس کے کسی شے کو بوجھ محسوس کرنا اور لدھڑ بن جانا ہے۔ (۵۷۵/۳)

## شلکہ:

شلکہ سے مراد صاریح کا عقیدہ تثییث ہے جو پال کی اختراعات میں سے ہے۔  
اس عقیدے کی رو سے الوہیت میں باپ، بیٹے اور روح القدس تینوں شریک ہیں۔  
(۲۳۶/۲)

## ثلاثہ: دیکھیں ”ظلمات ثلاث“.

## شلکہ:

شلکہ کے اصل معنی تو گروہ اور جماعت کے ہیں لیکن اس کے مقابل میں چونکہ لفظ ”قلیل“ استعمال ہوا ہے اس وجہ سے یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس کو گروہ کیشیر کے مفہوم میں لیا جائے۔ (۱۶۱/۸-۱۶۲)

## شمود:

”شمود“ عاد کے بقایا میں سے ہے۔ ان کو عادیانی کہتے ہیں۔ ان کا مسکن عرب کے شمال مغرب میں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قوم عاد کی تباہی کے وقت جو لوگ عذاب سے محفوظ رہے ہوں۔ انہوں نے جنوب سے شمال مغرب کی طرف ہجرت کی ہو اور پھر جبھر میں سکونت اختیار کر لی۔ عاد و شمود کے اوصاف قرآن میں بھی اور عرب کی روایات میں بھی تقریباً ایک

ہی سے بیان ہوئے ہیں۔ بعض شاعرتوں ان دونوں قوموں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں، گویا ان کے درمیان کوئی فرق سرے سے ہے ہی نہیں۔ دونوں کے لیڈر — قیل اور قادر — جن کے ہاتھوں ان قوموں پر تباہی آئی، عربی ادب میں ضرب الشل ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل ایک ہی سانچے میں ڈھلنے ہوئے تھے۔ (۳۰۰/۳)

### شعرات:

شعرات سے مراد صرف میوه جات ہیں حالانکہ ثمرات کے معنی صرف میوه جات کے نہیں آتے بلکہ میوه جات کے ساتھ ساتھ اجتناس اور غلہ جات بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ میوه جات کے لیے مخصوص لفظ عربی میں فواکر کا ہے۔ ثمرات کا لفظ اس سے عام اور وسیع ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اسی ابرا یعنی دعا کی برکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ثمرات کل شی (ہر چیز کے پھل) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اولم نعمکن لهم حرمًا امنا يجبي اليه ثمرات کل شی (القصص ۵۷) (کیا ہم نے ایک مامون حرم میں ان کے قدم نہیں جمائے جہاں ہر چیز کے پھل کھپنے چلے آتے ہیں)۔ (۱۱۳۵-۱۱۳۶)

ثمرات کا ذکر اگرچہ اموال کے ذکر کے بعد بظاہر کچھ زائد سامعلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی اموال میں شامل ہے۔ لیکن اس کے ذکر میں موقع کلام کی رعایت ملحوظ ہے۔ الٰل عرب کی دولت یا تو اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں جن کے لیے اموال کا لفظ استعمال ہوتا تھا یا پھر پھل خصوصاً کہجور۔ ملک کی اس مخصوص حالت کی وجہ سے اموال کے ساتھ ثمرات کا ذکر بھی ہوا۔

**شم:** ثمَّ ترتيبَ كوظاً هرَّكتاً هے۔ (۲۰۵/۳)

یہ اظہارِ تجہب کے لیے بھی آتا ہے۔ (۱۷/۳)

**ثمن (قلیل):** 'ثمن قلیل' سے مراد دینا اور متناع دنیا ہے۔ (۳۳۳/۳)

### ثمنی:

'ثمنی' کے معنی پھیرنے، موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ قاعدہ ہے کہ آدمی جب کسی بات کو غرور اور نفرت کے سبب سے سنا نہیں چاہتا تو موڑ سے جھک کر اور سینہ موڑ کر وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی حالت کو سورہ حج آیت ۹ میں 'ثانی عطفہ' سے تعبیر فرمایا ہے اور یہاں <sup>(۵۲)</sup> 'يُشْوِنَ صُدُورَهُمْ' سے۔ اسی چیز کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ آدمی اپنی چادر سنبھالتا اور اپنے اوپر لپیٹتا اور چل دیتا ہے اس کو 'استخانے شیاب' سے تعبیر فرمایا ہے۔ مثلاً سورہ نوح آیت ۷ میں ہے۔ وَإِنَّكُمْ لَمَّا دُعُوكُمْ لِتغْفِرَلَهُمْ جَعَلُوا أَصْبَاحَهُمْ فِي أَذَانِهِمْ وَاسْتَغْثُوا إِلَيْهِمْ وَأَصْرَوْا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَارًا (اور میں نے جب جب ان کو دعوت دی کہ تو ان کی مغفرت فرمائے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں شکونیں لیں اور اپنی چادر میں لپیٹ لیں اور ضد کی اور نہایت سُمُندِ کیا)۔ (۱۰۸/۳)

'ثانی عطفہ' ان کے کبر و غرور کی تصور ہے جب کوئی شخص غرور کے ساتھ کسی سے اپنارخ موڑتا ہے تو شانے جھک کر موڑتا ہے آدمی کے پاس دلیل نہ ہو اور وہ اپنے غلط موقف سے دستبردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ ہو تو اس کے پنڈار کو بڑی چوٹ لگتی ہے اور اس کا انتقام وہ اپنے غرور کا مظاہرہ کر کے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ (۲۲۰/۵)

مشانی:

‘مشنی’ کی جمع ہے۔ ‘مشنی’ بار بار دھرانی جانے والی چیز کو نہیں کہتے بلکہ اس چیز کو کہتے ہیں جو دودو کر کے ہو۔ قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی سبھی ہیں۔ مثلاً

فانکحوا ما طاب لكم من النساء تو نکاح کرو اپنی پسندیدہ عورتوں میں سے دو  
مشتی و ثلث و رباع (النساء ۳) دو، تین تین اور چار چار کر کے  
ان تقوموا لله مشتی و فرادی ثم یہ کہ اٹھواللہ کے لیے دو دو کر کے اور ایک  
ایک کر کے پھر غور کر جو د تتفکروا (سبا ۳۶)

شواب:

غالب استعمال اچھے عمل کے اچھے رذ عمل کے لیے ہے۔ (۲۳۱/۲)

شانت

لظ نیاب، جمع ہے نَوْب، کی جس کے مقنی کپڑے کے ہیں لیکن اس کے معنی  
دامن کے بھی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ کلامِ عرب کے شواہد سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس مفہوم  
میں بھی آتا ہے جس کو ہم اپنی زبان میں 'دامن دل' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امراء القیس کا  
مشہور شعر ہے:

وان تک قد ساء تک مٹی خلیقة

فسلی ثیابی من ثیابک تنسل<sup>(۵۳)</sup>

اس شعر میں شارحین نے 'ثیاب' کو دل ہی کے معنی میں لیا ہے اور یہ معنی اس صورت میں لیے جاسکتے ہیں جب اس کو بطریق استعارہ 'دامن دل' کے مفہوم میں سمجھا جائے۔ امرِ اتفاقیں ہی کا مصرع ہے۔

ثیاب بنی عوف طهاری نقیۃ<sup>(۵۴)</sup> (۲۲۹/۹)

**مشابہة:** 'مشابہة' کے معنی مرکز و مرجم کے ہیں جس کی طرف سب رجوع کریں، جس کے ساتھ سب وابستہ ہوں، جو سب کا مرکز اور سب کا قبلہ ہو۔ (۳۲۷)

**جار:** 'جارا جوارا' کے معنی تضرع اور فریاد کے ہیں۔ (۳۱۷/۳) 'جارا یجنر' کے معنی تضرع و زاری کرنے کے ہیں۔ (۳۲۹/۵)

**الجار ذی القربی:** یعنی پڑوی بھی ہے اور اس کے ساتھ رشتہ داری کا بھی تعلق ہے۔ (۲۹۷/۲)

**الجارِ الجُنْبُ:** جب کے معنی اجنبی کے ہیں یعنی پڑوی ہے لیکن رشتہ داری اور قرابت کا تعلق اس کے ساتھ نہیں ہے۔ (۲۹۷/۲)

**جواری:** 'جواری' کے معنی چلنے والے کے ہیں۔ (۲۲۶/۹)

**جبت:**

'جبت' سے مراد اعمال سفلیہ، مثلاً حرج، شعبدہ، ٹونے ٹونے کئے، رمل، جفر، فال، گیری،

نجم، آگ پر چلنا اور اس قسم کی دوسری خرافات ہیں۔ ہاتھ کی لکیروں کا علم بھی اسی میں شامل ہے۔ (۳۱۲/۲)

جبار:

‘جبار’ کے معنی قد آور، زور آور، بگڑے اور طاقت ور کے ہیں۔ عربی میں جبار، کھجور کے ان درختوں کو بھی کہتے ہیں جو بہت اونچے ہوں۔ تورات میں ان کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی گئی ہے:

وہ ملک جس کا حال دریافت کرنے کو ہم اس میں سے گزرے ایک ایسا  
ملک ہے جو اپنے باشندوں کو لھا جاتا ہے اور وہاں جتنے آدمی ہم نے دیکھے  
وہ سب قد آور ہیں اور وہاں ہم نے بنی عناق کو بھی دیکھا جو جبار ہیں اور  
جباروں کی نسل سے ہیں۔ اور ہم تو اپنی ہی نگاہ میں ایسے تھے جیسے ٹڑے  
ہوتے ہیں اور ایسے ہی ان کی نگاہ میں تھے۔ **ستنت ۱۳: ۳۳**

یہ اس رپورٹ کے الفاظ ہیں جو تفتیشی مہم کے ارکان نے فلسطین کے باشندوں سے متعلق وی۔ اس میں بی عناق کے لیے 'جبار' ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ معلوم ہوتا

\* 'الجبار' کے معنی زور آور اور مغلزے کے ہیں۔ عربی میں یہ لفظ بھی جو کہ ان درختوں کے لیے بھی آتا ہے جو غیر معمولی طور پر اونچے ہوں۔ قرآن میں یہ ان زور آور دوں کے لیے بھی آیا ہے جن سے ذرکر نہیں اسراہل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی تھی 'ان فیها قوماً جبارین وانا لئن ندخلها حتیٰ يخروا منا (المائدۃ: ۲۲) (اس بستی میں بڑے ہی زور آور اور مغلزے لوگ ہیں۔ جب تک وہ اس میں ہم اس میں داخل ہونے کا حوصلہ نہیں کر سکتے)۔ یہ صفت ان تمام تصوراتِ الوبیت کی نفعی کرتی ہے جن میں ساری اہمیت دیوبوں کو دی گئی ہے۔ (۳۱۳۸)

ہے یہ لفظ اسی زمانہ سے چلا آ رہا ہے جو یعنی قرآن میں بھی استعمال ہوا۔ عربی اور عبرانی دونوں قریب الحرج زبانیں ہیں۔ اس وجہ سے دونوں میں بہت سے مادے اور الفاظ مشترک ہیں۔ (۳۸۸/۲)

### جبل:

جبل سے مراد<sup>(۵۵)</sup> پورا پہاڑ اور پورا سلسلہ کوہ ٹہیں ہے بلکہ اس کا کوئی خاص حصہ یا حضرت موسیٰ کے سامنے کی کوئی مخصوص چوٹی ہے۔ کل بول کر جزو مراد لیا ہے۔ جیسا کہ ہر زبان میں معروف ہے۔ (۳۶۱/۳)

### جبلۃ: 'جبلۃ' کے معنی خلق و خلقت کے ہیں۔ (۵۵۲/۵)

**اجتباء:** اجتباء کا اصل لغوی مفہوم تو مجموعہ میں سے کسی چیز کو انتخاب کر لینا اور چھانٹ لینا ہے لکن جب طنز کے سیاق و سبق میں یہ لفظ استعمال ہو، تو اس کے معنی گھڑنے اور بنا لینے کے ہو جائیں گے۔ (۳۱۳/۳)

### جشی:

'جشی'، 'جاث'، کی جمع ہے۔ 'جثا جثوا' کے معنی دوز انو اور اکڑوں بیٹھنے کے ہیں۔ یہ نشست مجرموں کی نشست ہے۔ جس طرح مجرم اپنا فیصلہ سننے کے لیے کسی محکمان کے سامنے بیٹھتے ہیں اسی طرح کی غلامانہ اور مکھوانہ نشست کے لیے یہ لفظ آتا ہے۔ (۶۷۷/۳) 'جائیہ'، 'جثا یجثو' سے ہے۔ 'جثا الرجل'، کی تشریح الہ لغت نے یوں کی ہے کہ 'جلس علی رکبیہ'، آدمی آپنے دونوں زانوں پر بیٹھا۔ غلام، مکھوم اور مجرم اپنے آقاوں اور حاکموں کے حضور میں اپنا فیصلہ سننے کے لیے اسی طرح دوز انوں

بیخست تھے۔ (۳۳۰/۷)

**جد:** 'جد' کے معنی عظمت، شان اور رتبہ کے ہیں۔ (۶۱۷/۸)

### مجادلة:

لفظ 'مجادلة' عربی زبان میں جس طرح جھوٹ نے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح اس اصرار کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس کی بنیاد محبت، اعتقاد اور خلوص پر ہو۔ (مبادری تدبیر قرآن ۲۲، ۴)

'مجادلة' کا لفظ قرآن میں اچھے اور بدے دونوں معنوں میں آیا ہے۔ اس کے معنی مناظرہ، کٹ جھتی اور جھوٹ نے کے بھی ہیں اور اعتقاد و مدلل کی بنیاد پر کسی سے مخلوکہ کرنے اور اصرار والاح کے ساتھ کسی کے حق میں سفارش کرنے کے بھی ہیں۔ حضرت ابراہیم کا مجادلہ قومِ لوط کے بارے میں اور سورہ مجادله میں جس مجادله کا ذکر ہے وہ اسی نوعیت کا ہے۔ (۳۷۸/۲)

'مجادلة' قرآن میں اچھے اور بدے دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے، برے معنی اس کے کٹ جھتی کرنے اور جھوٹ نے کے ہیں اور اچھے معنی اس کے کسی سے اپنی بات محبت، اعتقاد، حسن گزارش، مدلل اور اصرار اس کے ساتھ منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ (۲۲۷/۸)

**مُجَادَلَة** باصرار و بلطائفِ اکمل مخاطب سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ (۳۳۶/۳)

**جذاف:** 'جذاف' پاش پاش اور مکڑے مکڑے ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ (۱۶۰/۵)

**جذع:** 'جذع' درخت کے حصہ کو کہتے ہیں۔ (۲۳۶/۳) 'جذع' تنے کو کہتے ہیں۔ (۲۳۵/۳)

**جراد:** جراد، مٹی کو کہتے ہیں۔ (۲۵۲/۳)

**جراد ( منتشر ):**

برسات میں کبھی سر شام پنگوں کو زمین سے ابھرتے دیکھا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے زمین سے پنگوں کا طوفان اعلیٰ پڑا ہے۔ یہی صورت مٹیوں کے ابھرنے کی ہوتی ہے اور یہی شکل لوگوں کے قبروں سے نکلنے کی بھی ہوگی۔ (۹۵/۸)

**جُرفः**

ندیوں، نالوں اور وادیوں میں دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات پانی کا زور کسی کنارے کے نیچے سے مٹی بھالے جاتا ہے، اور چھبی کی طرح صرف کنارہ لٹکا رہ جاتا ہے۔ اس طرح کی کوئی کمکلی اور بے ثبات گلکو عرب میں مجرف، کہتے ہیں۔ (۲۳۳/۳)

**(۱۰) جرم:** لاجرم کے معنی لابد اور لامحالة کے ہیں۔ اصلاحیہ کی بات کی تائید کے لیے آتا ہے لیکن موقع ہو تو اس کے اندر قسم کا زور بھی پیدا ہوتا ہے۔ (۲۵۲/۲)

**جزی:**

'جزی عنہ' کے معنی ہیں، اس کی طرف سے ادا کر دیا، یا اس کی طرف سے کافی ہو گیا۔ لاتجزی نفس عن نفس شيئاً کے معنی ہوں گے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا۔ جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہو گی کوئی دوسرا اس کی طرف سے وہ ادا نہ آسے گا۔

کر سکے گا۔ یہ مضمون قرآن مجید میں مختلف اسلوبوں سے بیان ہوا ہے مثلاً ولا تزر و ازرة وزر اخرب (الانعام ۱۶۳) (اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجہ نہ اٹھا سکے گی) واخشوایوماً لا يجزى والد عن ولده ولا مولود هو جاز عن والد شينا<sup>(۵۱)</sup> (اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنی اولاد کے کام نہ آسکے گا اور نہ کوئی بینا عی اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا) اس دن ہر ایک پرنسپ نفی کی حالت طاری ہو گی۔ لگلی امرء منهم يومئذ شأن يغبيه (اعص ۲۷) (۲۰۹/۱)

**جزاء و فاقہ:** 'جزاء و فاقہ' یعنی یہ کچھ انہیں ملے گا جیکہ ان کے اعمال عی کا پورا پورا بدلہ ہو گا۔ (۱۶۳/۹)

**مجازات:** 'مجازات' کے معنی بدلہ دینے کے ہیں۔ بدلہ برائی بھی ہوتا ہے اور اچھا بھی۔ اس وجہ سے اس کے صحیح مفہوم کا تعین موقع دخل سے ہوتا ہے۔ (۳۰۹/۶)

### جعل:

جعل کا لفظ وسیع معنوں میں آتا ہے۔ اس کے معنی جائز تحریک اور مشرع قرار دینے کے بھی ہیں۔ مثلاً ما جعل الله من بحیرة ولا سائبية ولا وصيلة (المائدہ ۱۰۳) (اور خدا نے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کو مشرع نہیں کیا)۔ (۳۶۵/۱)

**جفان:** 'جفنة' کی جمع ہے جس کے معنی تعالیٰ اور لگن کے ہیں اور 'جوابی' 'جلبیۃ' کی جس کے معنی حوض کے ہیں۔ (۳۰۲/۲)

### جلباب:

'جلباب' کی تشریح امل افت نے یوں کی ہے کہ 'هو الرداء فوق الخمار'۔

‘جلباب’ اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو اوزنی کے اوپر لی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بڑی چادر کے لینے کی ضرورت گروں کے اندر نہیں پیش آتی۔ شعرائے جاہلیت کے کلام سے بات ثابت ہے کہ شرقائے عرب میں ‘جلباب’ کارواج تھا<sup>(۵۷)</sup>۔ یہاں بہت سے اشعار نقل کرنے کی متجانش نہیں ہے۔ قبیلہ ہذیل کی ایک شاعرہ کا ایک شعر ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ وہ اپنے کسی مقتول کے مرثیہ میں کہتی ہے:

تمشی السنور الیه وهی لاهية مشی العذاری علیہن الجلابيب<sup>(۵۸)</sup>

اس شعر میں جو نادر تشبیہ ہے اس پر گفتگو کا تو یہاں محل نہیں ہے، بات دوسرے گوشوں میں نکل جائے گی۔ بس اتنی بات یاد رکھیے کہ زمانہ جاہلیت میں سب ”متبر جاب“ اور ”بیگمات“ ہی نہیں تھیں بلکہ شرقاء کے خاندانوں کی بہوئیں بیٹیاں بھی تھیں جو باہر نکلنے کی صورت میں اپنی اوزنیوں کے اوپر ‘جلباب’ ڈالا کرتی تھیں۔ (۲۶۸/۶۱)

## جلود:

‘سمع’ اور ‘بصر’ کا خاص گواہ ہوتا تو واضح ہے کہ ہر چیز کے سخن اور دیکھنے والے بھی ہیں لیکن آدمی کے پاس اور بھی اعضاء و جوارح ہیں جن سے وہ بدی یا نسلی میں کام لیتا ہے۔ لفظ ‘جلود’ نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے۔ گویا اس دن آدمی کے بدن کا روای رواں گواہی کے لیے زبان بن جائے گا۔ یا مر یہاں مخوب رہے کہ لفظ ‘جلود’، قرآن مجید میں رونگٹوں کے مفہوم میں آیا ہے۔ آیت تقدیم منہ جلود الذین ..... الایہ (المر ۲۳) کے تحت لفظ کے اس مفہوم پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ و قالوا الجلود هم لم شهدتم علیناط قالوا انطقطنا الله الذي انطق كل شئ و هو خلقكم اول مرة و اليه

تُر جون (۲۱) (۹۳/۷)

‘جلود’ جسم کے روغنیوں کے معنی میں بھی آیا ہے اور پورے جسم کے معنی میں بھی۔ عربی زبان میں کل بول کر جزو بھی مراد لیتے ہیں اور جزو بول کر کل بھی۔ (۵۸۲/۶)

### جمع:

‘جمع الفرس’، کے معنی ہیں تغلب علی راکہ و ذہب بہ ولا یشی، (گھوڑا سوار کے قابو سے باہر ہو گیا اور اس کو لے گئث بھاگا) یعنی تم سجالتے ہی رہ جاتے لیکن یہ بھاگ کھڑے ہوتے۔ (۵۹۰/۳)

### جمع:

‘جمع’ کے معنی اکٹھا کرنے اور سینٹنے کے ہیں۔ (۷۱/۱) ‘جمع’ کے ساتھ ‘فَاعِی’ کے لانے سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے، حرام و حلال ہر راہ سے مال جمع بھی کیا اور پھر اس کو نہایت اہتمام سے گن گن کر محفوظ بھی کیا۔ (۵۷۰/۸)

### مجمع البحرين:

‘مجمع البحرين’ سے مراد خلیج عقبہ اور سویز کا وہ مقام اتصال ہے جہاں سے بعد کے مراحل میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے ساتھ گزرے ہیں۔ (۶۰۳/۳)

**جمیل:** دیکھیں ‘صبر جمل’.

### جمال:

‘جمال’ سے مراد (۵۰)<sup>(۴)</sup> شان و شوکت اور دولت و عظمت ہے اہل عرب کی اصل

چونکہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، چوپائے ہی تھے اس وجہ سے وہاں کسی شخص کی شروت و عظمت کا اندازہ اس کے گلے ہی سے کیا جاتا۔ اگر اس کا گلہ بڑا ہوتا تو وہ بڑا آدمی سمجھا جاتا اور اگر چھوٹا ہوتا تو چھوٹا آدمی خیال کیا جاتا۔ (۳۹۱/۲)

### **جنب:**

'جنب' کا لفظ جس طرح اجنبی کے لیے آتا ہے، اسی طرح جنپی کے لیے آتا ہے اور واحد، جمع، مذكر، مؤنث سب میں اس کی شکل ایک ہی رہتی ہے۔ (۳۰۲/۲)

### **جنب:**

جنب، کے معنی پہلو کے ہیں، جو شخص وقتی اور عارضی طور پر بھی کسی مجلس، کسی حلقہ، کسی سواری، کسی دکان، کسی ہوٹل میں آپ کا ہم نشین و ہم رکاب ہو جائے، وہ 'الصاحب بالجنب' ہے۔ (۲۹۸/۲)

### **جنف:**

'جنف' کے اصل معنی مائل ہونے کے ہیں لیکن اس کا غالب استعمال نیکی اور حق سے ہٹ کر برائی اور نافاضتی کی طرف مائل ہونے کے لیے ہے۔ آیت میں یہ بے جا پاسداری اور ناروا جانب داری کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (۱۱/۲۲۰-۲۲۱)

### **جنت الماوی:**

'جنت الماوی' سے مراد وہ جنتیں ہیں جن میں یہ اہل ایمان اول اقل اثارے جائیں گے۔ وہاں ان کی ابتدائی ضیافت ہو گی اور پھر وہ اصل جنت میں بھیجے جائیں گے۔ گویا ان باغوں کی حیثیت اہل جنت کے لیے (rest house) کی ہو گی اور اس کے جمع

لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'جنت الماوی'، 'سدرة النتهی' کے پاس ہے اور 'سدرة النتهی' عالم ناسوت اور عالم لا ہوت کے درمیان آخری نقطہ اتصال ہے اس وجہ سے اگر اس کے پاس 'جنت الماوی' ہوں تو یہ ان کے لیے موزوں ترین مقام ہے۔ یا امور غیب کی باتیں ہیں، ان کے باب میں کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ (۱۶۸/۲)

### جهل:

'جهل'، کالفاظ عربی میں علم اور حلم دونوں کے ضد کی حیثیت سے آتا ہے بلکہ اس کا غالب استعمال 'حلم' کے ضد کی حیثیت ہی سے ہے اسی وجہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں جذبات سے مغلوب ہو جانا۔ (۲۵/۳)

جهل کالفاظ علم کے مقابل میں بھی آتا ہے اور حلم (داش) کے مقابل میں بھی۔

(۲۳۷/۱)

### جهالة:

'جهالة' کے معنی عربی میں صرف نہ جانے کے نہیں آتے بلکہ اس کا غالب استعمال جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت یا ظلم یا گناہ کا کام کر گزرنے کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ عام طور پر علم کے ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک ہماں کاشعر ہے:  
 ول للحل خير فاعلمن مغبة من الجهل الا ان تشمس من ظلم<sup>(۲۰)</sup>  
 اور یاد رکھو کہ جہالت کے مقابلے میں تحمل و برداہی انجام کار کے اعتبار سے بہتر ہے مگر یہ کہ تمہیں ظلم کی وجہ سے ذلیل کرنے کی کوشش کی جائے۔

الا لا يجهلن احد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلين<sup>(۱)</sup>

آگاہ، کہ کوئی ہمارے خلاف جہالت کا اظہار نہ کرے کہ ہم بھی تمام جاہلوں سے بڑھ جہالت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ (۲۶۶/۲)

**جاهل:** 'جاهل'، اس کو کہتے جو علم اور عقل کے بجائے جذبات اور خواہشوں کی پیروی کرتا ہے۔ (۲۰۹/۲)

### استجابة:

'استجاب له' کے معنی ہیں: اس کے سوال کا جواب دیا، اس کی حاجت پوری کی۔ خدا کے تعلق سے یہ لفظ آئے تو اس کے معنی ہوں گے: اس کی دعا قبول کی۔ (۱۱۳/۳)

### الجودي:

'الجودي'، کوہسان ار ار اط کی ایک چوٹی کا نام ہے۔ تورات میں صرف ار ار اط کا ذکر ہے۔ قرآن نے خاص اس چوٹی کا ذکر کیا ہے جہاں کشتی جا کر گئی۔ اس سے طوفان کی ہولنا کی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چند دنوں میں پانی کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔ اگر کسی محدود علاقے میں بارش اتنی زیادہ ہو کہ نہ کس کے تمام راستے اس کے پانی کو باہر نکالنے سے قاصر رہ جائیں تو وہاں پانی کا چڑھ جانا امر لازمی ہے۔ (۱۳۳/۳)

**حَبْتُ:** 'حَبَّتْ'، دانے کو کہتے ہیں (۱۱۷/۳)

### حَبْ (الحصيد):

'حَبْ الحصيد' سے وہ اجناس مراد ہیں جن کا ورد عمل میں آتا ہے اور جو ذخیرہ کی جاتی ہیں۔ مثلاً گندم اور جو غیرہ۔ باغوں کے ساتھ 'حَبْ الحصيد' کے ذکر سے

مقصود اس اہتمامِ ربویت کی طرف توجہ دلانا ہے جو اس کائنات کے رب نے اپنے بندوں کے لیے فرمایا ہے کہ اس نے لوگوں کے لیے باغوں میں تازہ اور لذیذ پھل بھی پیدا کیے اور کھیتوں میں غذا اُجھا سبھی اگائیں جو پکنے پر کاش کر ذخیرہ کر لی جاتی اور برابر کام آتی ہیں۔ (۵۳۰/۷۴)

**حبر:** 'حبر' کے معنی خوش اور مسرور کرنے کے ہیں۔ (۸۰۱/۲) 'حبر' کے معنی خوش اور شاد کرنے کے ہیں۔ (۲۵۱/۷)

**احبار:** احبار 'حبر' کی جمع ہے جس کا غالب استعمال یہود کے فقہا کے لیے ہوا ہے۔ (۵۶۳/۳)

### حبط:

'حبط عمل' سے مراد یہ ہے کہ شرک کے ساتھ جو عمل اللہ کے لیے بھی کیے جاتے ہیں وہ بھی سب ضائع اور لا حاصل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ (۶۰۶/۲)

### حُبْك:

'حُبْك' کے معنی باندھنے اور گردہ لگانے کے ہیں۔ یہیں سے یہ اس مضبوطی و استواری کے لیے استعمال ہوا جو کسی چیز کی بناوٹ میں پیدا کی جائے۔ اسی سے 'حَبَّك' ہے جس کی جمع 'حُبْك' آتی ہے۔ 'حُبْك' ان دھاریوں، شکنوں اور لہروں کو کہتے ہیں جو کسی گف اور مضبوط بناوٹ کے کپڑے میں نمایاں کی گئی ہوں..... فراء کی تحقیق یہ ہے کہ 'حُبْك' سے مراد وہ لہرس اور شکنیں ہیں جو ریت یا ساکن پانی میں، جب کہ اس پر ہوا چل گئی ہو، پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہیں سے یہ بادلوں کی تعریف میں استعمال ہونے لگا کیوں کہ

بادلوں کے نکوئے بھی آسمان میں تباہتہ موجود اور تو بے تو روٹی کے گالوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ امرِ اقیس فلک بوس مخلوں کی تعریف کرتے ہوئے، جن پر بادل چھائے ہوئے ہیں، کہتا ہے۔

مکله حمراء ذات اسرة لہا جبک کانها من وصالی<sup>(۲۳)</sup>

(ان مخلوں پر سرخ دھاریوں والے بادل چھائے ہوئے ہیں گویا کہ دھاریوں والی چادریں ہیں)  
یہ موسم سرمایکے بادلوں کی تعریف ہے اور یہ ان کے رنگ اور ان کی تہون کی نہایت صحیح تصویر ہے۔

جن لوگوں نے 'ذات الـجـبـک' سے چرخ مکوب مراد لیا ہے، خواہ اس کی مضبوطی و استواری کے پہلو سے یا اس وجہ سے کہ اس میں تارے نئے ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک ان کی رائے صحیح نہیں ہے۔ یہ لفظ دھاریوں، شکنوں، لہروں اور خطوط کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۵۸۲/۷)

### حبل:

'حبل' کے معنی رہی کے ہیں۔ اپنے اسی معنی سے ترقی کر کے یہ لفظ تعلق اور ربط کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس لیے کہ رشی دو چیزوں میں ربط و تعلق کا ذریعہ ہوتی ہے۔ ایک جماں شاعر کا مشہور شعر ہے۔

ولکنی وصلت الجبل منه مواصلة بحبل ابی بیان<sup>(۲۴)</sup>

(لیکن میں نے اس سے اپنا تعلق جوڑے رکھا، ابو بیان کے تعلق سے وابستگی کی بنا پر) -

پھر مزید ترقی کر کے یہ لفظ معاهدہ<sup>(۲۵)</sup> کے مفہوم میں بھی استعمال ہونے لگا اس

لیے کہ سی جس طرح دو چیزوں کو ایک ساتھ باندھ دیتی ہے اسی طرح معاهدہ بھی دو قوموں کو ایک دوسرے سے باندھ دیتا ہے۔ معاهدہ کے مفہوم میں یہ لفظ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ الا بحجل من الله و حجل من الناس<sup>(۲۷)</sup> (مگر اللہ کے اور لوگوں کے کسی معاهدہ کے تحت) (۱۵۳/۲)

**حتم:** 'حتم' کے معنی واجب اور لازم کے ہیں۔ (۶۷۸/۳)

### **حجاب:**

'حجاب' سے مراد جیسا کہ خود قرآن کے دوسرے مقام سے واضح ہے، دو دیوار ہے جو وزخ اور جنت کے درمیان کھڑی کر دی جائے گی۔ سورہ حدیید میں ہے۔ فضر بینہم بسور (المجدید ۱۳) (پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی) ایک ایسی دیوار کے طول و عرض کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو پورے عالمِ جنت اور سارے عالمِ دوزخ کے درمیان حد فاصل کا کام دے گا جب کہ صرف جنت کی وسعتوں کی تمثیل قرآن نے آسمانوں اور زمین کی وسعتوں سے دی ہے۔ (۲۲۶/۳)

**محاجة:** 'محاجة' کے معنی مجادله اور کٹ جختی کرنے کے ہیں۔ (۷/۱۵۷)

### **حجر:**

'حجر امحجوراً' کے ایک معنی تو سخت پرده اور اوٹ کے ہیں۔ اس معنی میں یہ لفظ اسی سورہ<sup>(۲۹)</sup> کی آیت ۵۳ میں آگئے آئے گا۔ دوسرے یہ استعاظہ کے الفاظ سے ہے اور سیبویہ کی رائے یہ ہے<sup>(۳۰)</sup> کہ جب یہ اس مفہوم میں آتا ہے تو بالکل اسی شکل میں استعمال ہوتا ہے اور فعل مذوف سے منصوب ہوتا ہے جس طرح 'معاذ اللہ' استعمال

(۳۵۹/۵) ہوتا ہے۔

‘حجراً ممحوزاً’ اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح ’ظلاً ظليلًا‘ کی ترکیبیں ہیں۔

(۲۷۸/۵)

### حجارة:

‘حجارة’ کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن موقع کلام سے واضح ہے کہ اس سے مراد وہی تراشے ہوئے پتھر ہیں جن کی دیوبندی دیوتا کی حیثیت سے پرتش ہوتی ہے۔ ان کو دوزخ میں پھینکنے سے مقصود دراصل ان کو عذاب دینا نہیں بلکہ ان کے پرستاروں کے عذاب میں اضافہ کرتا ہوگا۔ اس طرح ان کو دکھایا جائے گا کہ جن کے آگے وہ دنیا میں ڈھنڈوت کرتے رہے ہیں اور جن کی ضیافت کے لیے دودھ اور طوے پیش کرتے رہے ہیں ان کی بیہاں کیا گت بن رہی ہے (۱۳۹/۱)۔

‘حجارة من طين’ سے مراد وہ کنکر ہیں جو موٹی سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اس کے لیے قرآن میں لفظ ‘ستجیل’ بھی آیا ہے۔ مثلاً سورہ ہود میں ‘وَامْطَرْنَا عَلَيْهَا

حجارة من ستجيلي’، (ہود: ۸۲) (اور ہم نے اس پر سنگ گل کی بارش کر دی)۔

‘ستجیل’ دراصل فارسی کے سنگ گل سے مزब ہے۔ بیہاں ‘حجارة من طين’ کے

الفاظ سے اس کی وضاحت فرمادی ہے۔ (۷/۶۰)

### حجر:

‘حجر’، شمالی عرب اور شام کے درمیان علاقہ کو کہتے ہیں۔ یہ علاقہ قوم ثمود کا مسکن

تحا جن کے اندر حضرت صالح علیہ السلام کو بعثت ہوئی۔ (۳۷۳/۳)

## حجر:

‘حجر’ کے معنی منوع کے ہیں لیکن یہ لفظ عرب جاہلیت کی ایک دینی اصطلاح ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو کسی دینی رسم کے تحت منوع (taboo) ہو۔ اسلامی اصطلاح اس کے لیے حرام کی ہے۔ (۱۷۲/۳)

## حُجْر:

‘حُجْر’ کے معنی عقل کے ہیں۔ لفظ ‘حجر’ اور ‘عقل’ دونوں کا الغوی مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔ ان دونوں ہی کے اندر روکنے اور باندھنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ عقل انسان کو ان چیزوں سے باز رکنے کے لیے ایک باطنی لگام ہے جو اس کے شایان شان نہیں ہیں اس وجہ سے اس کو ‘حجر’ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ (۳۵۳/۹)

**مُحَادَّة:** ‘محادّة’ کے معنی مخالفت اور دشمنی کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ ‘مرآۃ’ کا مقابل ہے۔ (۲۵۵/۸) ‘محادّة’ کے معنی کسی کے مقابل میں دشمن بن کر اٹھنے کے ہیں۔

(۲۱۳/۳)

## حذر:

‘حذر’ کے اصل معنی کسی خطرہ اور آفت سے بچنے کیمیں۔ اپنے اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ لفظ ان چیزوں کے لیے استعمال ہوا جو جگ میں دشمن کے حملوں سے بچنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً زرہ، بکتر، سپر، خود وغیرہ۔ اس کا خاص استعمال تو دفاعی آلات ہی کے لیے ہے لیکن اپنے عام استعمال میں یہ ان اسلحہ پر بھی بولا جاتا ہے جو حملہ کے کام آتے ہیں، مثلاً تیر، تنگ، تکوار، وغیرہ۔ (۳۳۳/۲)

یہ لفظ جب تھا استعمال ہو تو اس سے ہر قسم کے اسلحہ مراد ہو سکتے ہیں (۶۸)، خواہ مجرد دفاعی و حفاظتی، نوعیت کے ہوں مثلاً سپر، خود اور زرہ وغیرہ یا جارحانہ نوعیت کے ہوں مثلاً تکوار اور بندوق وغیرہ۔ لیکن جب لفظ اسلحہ، کے ساتھ استعمال ہو، جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے ”آنَ تَضَعُوا اسلَحَتُكُمْ وَ خَذُوا حِذْرَكُمْ“ (۶۹) (اپنے اسلحہ رکھ دو اور اپنے احتیاطی و حفاظتی سامان لیے رہو) تو اس سے مراد صرف وہی چیزیں ہوں گی جن کو ایک سپاہی اپنے دشمن سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتا ہے۔ (۳۷۰/۲ - ۳۷۱)

محراب: ”محراب“ سے مراد معبد کا کوئی مجرہ یا برآمدہ ہے۔ (۶۳۸/۲) المحراب سے مراد یا تو معبد کا وہ حصہ ہو جو عورتوں کی عبادت اور اعتکاف کے لیے مخصوص تھایا کوئی خاص گوشہ اور مجرہ جو حضرت مریمؑ کے لیے خاص کیا گیا ہو۔ (۷۸/۲)

### محاربہ:

”محاربہ“ یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ یا جماعت جرأت و جسارت، ڈھنائی اور بیبا کی کے ساتھ اس نظم و عدل کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے جو اللہ اور رسول نے قائم فرمایا ہے۔ اس طرح کی کوشش اگر بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے جنگ و جہاد کے احکام تفصیل کے ساتھ الگ بیان ہوئے ہیں۔ (۵۰۵/۲)

حرب: کے معنی عربی میں کجھی کے ہیں، عام اس سے کہ وہ باغوں کی نوعیت کی ہو یا دوسری فصلوں کی۔ (۱۱/۵۲۷)

### حرج:

”حرج“ جہاڑیوں سے بھری ہوئی تجک جگہ کو کہتے ہیں۔ یہاں (۷۰) یہ ”ضيق“ کے

بعد اس کی تاکید مزید کے طور پر آیا ہے (۱۶۱/۳)

**حَرَد:** 'حَرَد' کے اندر تیز گامی، جوش، امنگ اور نشاط کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۵۲۳۸)

### **مُحَرَّر:**

مُحَرَّر کے معنی ہیں آزاد کرنے کے۔ یعنی بڑے ہونے پر اس پر گھر دراور  
کمانے کھلانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ (۷۶۲)

### **حَرْف:**

حَرْف الشَّيْءِ عَنْ وَجْهِهِ کے معنی ہیں کسی شے کو اس کے صحیح رخ سے موڑ کر  
دوسری سمت میں کر دینا۔ اسی سے حَرْفُ الْقَوْل یا حَرْفُ الْكَلَام ہے جس کے معنی  
بات یا کلام کے بدل دینے کے ہیں۔ اس بدل دینے کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً:  
ایک بات کی دیدہ و دانستہ ایسی تاویل کر دی جائے جو قاتل کے منشا کے بالکل  
خلاف ہو۔

کسی لفظ کے طرزِ ادا اور قرأت میں ایسی تبدیلی کر دی جائے جو لفظ کو کچھ سے کچھ بنانا  
دے۔ مثلاً مردہ کو بگاڑ کر مورہ یا میریا وغیرہ کر دیا گیا۔

کسی عبارت یا کلام میں ایسی کمی بیشی کر دی جائے جس سے اس کا اصل مذا  
بالکل خبط ہو کر رہ جائے مثلاً حضرت ابراہیم کی ہجرت کے واقعہ میں یہود نے اس طرح رو  
بدل کر دیا کہ خانہ کعبہ سے ان کا کوئی تعلق ثابت نہ ہو سکے۔

کسی زو معانی لفظ کا وہ ترجمہ کر دیا جائے جو سیاق و سبق کے بالکل خلاف ہو۔ مثلاً

عبدالنی کے ان کاتر جسہ بیٹا کر دیا گیا در آنحالیکہ اس کے معنی بندہ اور غلام کے بھی آتے ہیں۔ ایک بات کا مفہوم بالکل واضح ہو لیکن اس کے متعلق ایسے سوالات اٹھادیے جائیں جو اس واضح بات کو بھی بنا دینے والے یا اس کو بالکل مختلف سمت میں ڈال دینے والے ہوں۔ اہل کتاب تحریف کی ان تمام قسموں کے مرتكب ہوئے اور قرآن نے ان کو ان سب کا مجرم گردانا ہے۔ (۲۵۲/۱)

### (اشهر) حرم:

'اشهر حرم' سے مراد ذی قعده، ذی الحجه، حرم اور رجب کے مہینے ہیں۔ 'اشهر حرم' ان مہینوں کے لیے بطور اسم و علم استعمال ہوتا ہے۔ ان کے سوا کوئی اور مہینہ اس لفظ سے مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ مہینے زمانہ جاہلیت بلکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے محترم چلے آرہے تھے۔ یہ حج و عمرہ کے مہینے بھی تھے اور اہل عرب کی پیشتر تجارتی کار و باری نقش و حرکت انہی مہینوں میں ہوتی تھی۔ ان میں بھڑنا شرعاً منوع تھا اور اہل عرب اپنی جنگ جو یانہ طبیعت کے باوجود ان کا احترام بر ایمظوظ رکھتے تھے۔ (۵۲۰/۳)

### (بغیر) حساب:

بغیر حساب یہاں <sup>(۱)</sup> دو مفہوموں پر مشتمل ہے۔ ایک کثرت کے مفہوم میں یعنی وہ جس کو چاہتا ہے بے اندازہ فضل و انعام سے نوازتا ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، جیسا کہ فرمایا ہے۔ وانما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب <sup>(۲)</sup> (صابروں کو ان کے صبر کا بے حساب اجر ملے گا) دوسرے بے سان گمان کے مفہوم پر۔ جیسا کہ فرمایا ہے و بر زقد من حیث لا یحتسب۔ المطلق ۶۵ (اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں

سے اس کو مگان بھی نہ ہو گا)۔ (۲۵/۲)

### حسیب:

'حسیب' کی تفسیر ابن کثیر<sup>(۱۷)</sup> اور رکشاف<sup>(۱۸)</sup> نے 'ناصر' اور 'معین' کی ہے۔ یعنی اللہ تمام خطرات سے حفاظت کے لیے کافی ہے۔ (۲۳۷/۲)

### یوم الحسرة:

'یوم الحسرة' سے مراد وہی شہادت عظیم کا دن ہے۔ اس دن آنکھیں توبہ کی کھل جائیں گی لیکن تو بے واصلاح اور سمجھی عمل کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ جو لوگ آج غفلت میں پڑے ہوئے ایمان نہیں لارہے ہیں وہ حسرت سے کہیں گے کہ کاش ان کو دنیا میں پھر جانا نصیب ہوتا کہ وہ ایمان و عمل صالح کی زندگی گزارتے لیکن ان کی یہ حسرت بس حسرت ہی رہے گی۔ اس دن سارے معاملات کا فیصلہ ہو جائے گا اور ہر ایک اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہو گا۔ (۶۵۳/۳)

### حس سیحہ:

حس سیحہ کے معنی دشمن کو اس طرح قتل کرنے کے ہیں کہ اس کو بالکل پا مال اور اس کا استیصال کر دیا جائے۔ (۱۹۲/۲)

### الحسنۃ (السیئۃ):

'حسنۃ' سے مراد یہاں<sup>(۱۹)</sup> صبر و عزمیت اور غنودرگز رہے اور 'سیئۃ' سے مخالفین کے اعتراضات کے و مطاعن اور ان کے سب و شتم کی طرف اشارہ ہے۔ (۶۹۰/۵)

حسناً:

وقولوا لهم قولًا حسنة (اور لوگوں سے اچھی بات کہو) اس مکملے کا ایک توجہ عام مفہوم ہے جو اس کے ظاہر الفاظ سے نکلتا۔ اس اعتبار سے نیکی و شرافت اور پنڈ و نصیحت کی ہر وہ بات اس کے تحت داخل ہو گی جس کی تعلیم و تبلیغ کی ہر موقع پر مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کو عام رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمارے اہل تاویل نے اس کو عام ہی رکھا بھی ہے۔ لیکن بعض یہ بات اسی سیاق و سباق میں تجوڑے سے الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ، قرآن مجید میں دوسرے مقامات میں بھی کہی گئی ہے۔ ان تمام آیتوں کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سیاق و سباق میں یہاں یہ الفاظ وارد ہیں ان کا ایک خاص مفہوم بھی ہے جس سے قرآن کے ایک طالب علم کو بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ ہم یہاں تمام ہم مختین آیات جمع کر کے اس خاص مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

سورہ نساء میں قسمیوں سے متعلق ان کے اولیاء کی بعض ذمہ داریوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

اور تم تا بجهت قسمیوں کے حوالہ اپنے وہ مال نہ کرو جس کو اللہ نے تمہارے معاشری قیام و بقا کا وسیلہ بنایا ہے۔ البتہ تم اس مال سے ان کو فراغت کے ساتھ کھلاو اور پہناؤ اور معروف طریقہ پر ان کی دلداری کرتے رہو۔	ولا ترتووا السفهاء اموالکم التي جعل الله لكم قياما و ارزقوهم فيها و اكسوهم و قولوا لهم قولًا معروفا (النساء ۵)
--	---

اسی سورہ نساء میں دوسری جگہ فرمایا:

اور اگر قسم میراث کے وقت قرابت مند، تب  
اور مسکین آموجود ہوں تو اس میں سے ان کو بھی  
کچھ دو اور معروف طریقہ پر ان سے دلداری کی  
بات کرو۔ اگر یہ اپنے بیچھے کمزور اور لاادیں  
چھوڑتے ہیں تو ان کے بارے میں ڈرتے تو  
انہیں چاہیے کہ اندھے ڈریں اور معقول بات  
کہیں۔

وإذ حضر القسمة أولوا القربي  
واليتمى والمساكين فارزقوهم  
منه وقولوا لهم قولًا معروفا  
وليخش الذين لو تركوا من  
خلفهم ذريّة ضعافاً خافوا  
عليهم فليتقوا الله ول يقولوا  
قولاً مديدةً (النساء ۹.۸)

آگے اسی سورہ بقرہ میں ہے:

الذين يُنفقون أموالهم في سبيل  
الله ثم لا يتبعونه ما انفقوا امنا  
ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم  
ولا خرف عليه ولا هم  
يحزنون. قولٌ معروفٌ و مغفرةٌ  
خير من صدقة يتبعها اذىٰ ط  
والله غنىٰ حليم (البقرة  
۲۶۳.۲۶۴)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے  
ہیں پھر اپنے اس خرچ کے بیچھے اٹھا راحسان اور  
ایسا انسانی کی بلانہیں لگادیتے ان کے لیے ان  
کے رب کے پاس اجر ہے۔ نہ ان کے لیے  
خوف ہو گا اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے۔ دستور کے  
مطابق دلداری کا ایک کلمہ اور معاف کردنا اس  
صدقة سے بہتر ہے جس کے بیچھے دل آزاری کی  
بلانگی ہوئی ہو۔ اللہ بڑا بے نیاز اور حلیم ہے۔

انفاق ہی کے سلسلہ میں سورہ نبی اسرائیل میں فرمایا۔

أَكْرَمُهُمْ عَنْهُمْ ابْتِغَاءِ رَحْمَةٍ  
وَامَا تعرضنَّ عنهم ابتغاء رحمةٍ  
كَمْ متوقعٌ هوانَ سَعْيَ اعراضٍ عَنْ كرنا پڑے تو  
منْ ربكَ ترجوها فقل لهم قولًا  
ميسورًا (بی اسرائیل ۲۸)

ان سے نہایت نرم بات کہو۔

ان تمام آیات پر غور کرنے سے یہ بات لگتی ہے کہ یہاں قولوا اللناس خسنا کے الفاظ میں وہی بات کہی گئی ہے جو تیمور، مسکینوں اور سافروں کے متعلق اور پر کی آیات میں کہیں قولوا الهم قولَا مَعْرُوفًا کے الفاظ میں اور کہیں وَلِيُّقُولُوا قُولَا سدیداً اور قول معروف و مغفرة وغیرہ کے الفاظ میں کہی گئی ہے۔ (۲۶۳-۲۶۴)

### **محسنین:**

عربی میں احسن الی فلان کے معنی ہوں گے۔ فلاں کے ساتھ احسان کیا، اور احسن الشی کے معنی ہوں گے اس چیز کو بہت خوبی کے ساتھ کیا (۲۷۷)۔ اس وجہ سے محسن کا لفظ عربی میں احسان کرنے والے کے لیے بھی آتا ہے اور کسی عمل کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دینے والے کے لیے بھی۔ موقع کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ لفظ اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اردو میں اس کے لیے کوئی خوب صورت لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس وجہ سے ترجمہ میں صرف مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (۲۷۸)

‘احسان’ کے معنی ایک تو وہی ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ دوسرا ایک اور مفہوم اس کا یہ ہے کہ اپنے قول فعل کو پورے اخلاص و صداقت، پوری ہمت و عزیت اور نہایت خوبی و کمال کے ساتھ انجام دینا۔ اہل لغت نے لفظ کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ احادیث میں بھی احسان کی یہ حقیقت بیان ہوئی ہے اور قرآن مجید نے اسی مفہوم کے اعتبار سے اہل مکہ یا اہل کتاب کی ان جماعتوں کے لیے اس کو استعمال فرمایا ہے جنہوں نے فطرت اور وحی کی روشنی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور بادخالف کے جھوکوں سے اس کو گل ہونے نہیں دیا ہے۔

احسان: عدل سے ایک زائد شے ہے۔ یہ صرف حق کی ادائیگی ہی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ مزید برآں یہ تقاضا بھی کرتا ہے کہ دوسرے کے ساتھ ہمارا معاملہ کریمانہ اور فیاضانہ ہو۔ (۲۳۹/۲)

'احسنوا' کا عطف انفقوا پر ہے۔ یہاں احسان کے معنی کسی کام کو خوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں فیاضی اور خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اور وہ مال خرچ کرو جو تمہیں عزیز و محبوب ہو۔ اتفاق کے معاطلے میں اس احسان کی تاکید قرآن نے جگہ فرمائی ہے۔

بِإِيمَانٍ وَالْوَالِهِ إِنَّمَا يُكِرِّهُ الْمُؤْمِنُونَ مِنْ خَرْجِهِ مَا  
مَا كَسِبُتُمْ وَمَا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ جُوْمَنَ تِجَارَةً وَغَيْرَهُ سَمَّا  
الْأَرْضَ وَلَا تَيْمِمُوا الْخَيْثَةَ مِنْهُ نَعْمَلُ مِنْ زَمِنٍ سَمَّا  
تَنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِالْخَدْيَةِ إِلَّا إِنَّمَا سَمَّا  
تَغْمِضُوا فِيهِ طَوَّاعِنَمَا لَمْ يَرَوْا إِنَّمَا يَنْهَا مَالَ  
غَنِيَ حَمِيدٌ (البقرہ ۲۶۷) پڑ جائے تو آنکھ میچے بغیر نہ لے سکو اور اس بات کو  
اچھی طرح سمجھ رکھو کہ اللہ بے نیاز اور حمید ہے۔

اتفاق میں جب تک اللہ تعالیٰ کے لیے یہ جوش و جذبہ اور یہ احتیاط شامل نہ ہو اس وقت تک اس کو احسان کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مال کا ہتھیار ہے، وہ سب سے بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ البتہ ہم خود اس کے جود و کرم کے ہر وقت ہتھیار ہیں۔ وہ اگر ہم سے اتفاق کا مطالبه کرتا ہے تو اپنے لیے نہیں بلکہ خود ہمارے لیے کرتا ہے تاکہ اس طرح وہ ہمارے خلوص کا امتحان کرے اور ہمارے خوف ریزوں کو قبول فرمائے۔ کر ان کو ایک

ابدی اور لازموال خزانے کی شکل میں ہمیں ایک دن واپس لوٹائے۔ (۳۸۱/۱)

### حشر:

‘یُحشَر’ کے بعد اُنیٰ کا صلہ اس بات کا قریبہ ہے کہ یہاں یہ لفظ ‘یُساقون’ یا اس کے ہم معنی کسی لفظ پر مضمون ہے۔ (۹۲/۷)

**حاصب:** ‘حاصب’ کا عذاب اپنے ابتدائی مرحلہ میں اٹھتے ہوئے اب ریاد ہوئیں ہی کی شکل میں نظر آتا ہے۔ (۷۲۵/۷)

**حاصب:** ‘حاصب’، کنکر بر سادینے والی طوفانی ہوا کو کہتے ہیں۔ (۳۹۷/۸)

**حاصب:** ‘حاصب’ کے عذاب میں ‘رجفة’، ‘صیحة’ اور ظله، سب جمع ہو جاتے ہیں۔ (۳۱۲/۳)

**حصید:** کئی ہوئی فصل کو کہتے ہیں۔ (۱۶۹/۲) ‘حصید’، کائی ہوئی فصل کو کہتے ہیں۔ (۳۲۲/۲)

### حصر:

‘حصر حصرًا’ کے معنی عاجز ہونا، تنگ ہونا، بے ہمت ہونا، ‘حصر الرجل ضاق صدره’ اس کا سینہ تنگ ہوا، اس نے ہمت چھوڑ دی۔ (۳۵۸/۲)

### حصور:

‘حصور’، حصر سے فوول کے وزن پر ہے جس کے لغوی معنی ہوں گے اپنے آپ کو گھیرے رکھنے والا۔ یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے ہوا جو لذات دنیا سے منقطع

اور اپنے آپ کو کامل ضبط میں رکھنے والا ہو۔ یوں تو یہ ضبط نفس سرداری کی خصوصیات میں سے ہے اس لیے کہ جو اپنے آپ کو ضبط میں رکھ سکے گا، ہی خلق کو بھی ضبط میں رکھنے والا بن سکے گا۔ لیکن حضرت مسیح دنوں نبیوں کی زندگیاں بالکل درویشانہ تھیں، انہوں نے زندگی کی ان لذتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جو عام حالات میں کسی درجے میں بھی داخل دنیا داری نہیں قرار دی جاسکتیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے حالات خاص تھے۔ ان کے زمانے میں یہود پر دنیا کی محبت اتنی غالب آگئی تھی کہ ان کا رخ موڑنے کے لیے ان کو زندگی کا ایک بالکل زاہدانہ درویشانہ نمونہ رکھنا پڑا۔ یہ علاج بالغد کی ایک شکل ہے جو جسمانیات کی طرح روحانیات و اخلاقیات میں بھی خاص حالات میں اختیار کرنی پڑتی ہے۔ مقصود تو اس سے یہ ہو گا کہ یہ امت بالترجمہ اس نقطہ اعتدال کو اختیار کرنے کے قابل بنے جو بالآخر اللہ کے آخری دین میں ان کے سامنے آنے والا تھا لیکن نصاریٰ نے ان کے اس زہد کو رہبانیت کا رنگ دے دیا اور بعد کے زمانوں میں رہبانیت کا ایک پورا نظام کھرا کر دیا۔ (۸۲-۸۱/۲)

**حصیر:** 'حصیر'، کاٹھیک ترجمہ باڑا ہے جس میں جانوروں کو بند کرتے ہیں۔  
(۳۸۳/۲)

### احسان:

'احسان' کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت و حمایت میں لینے کے ہیں اور کسی کی حفاظت و حمایت میں ہونے کے بھی۔ اسی سے 'محضنٹ' کا لفظ ہے جو ان عورتوں کے لیے بولا جاتا ہے جو کسی کی قید کا حیثیت سے ہوں۔ نیز یہ لوٹیوں کے مقابل لفظ کی حیثیت سے

بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کا اطلاق حرائر اور شریف زادیوں پر ہوتا ہے۔  
(۲۷۷/۱۲)

### احسن (فرجه):

عربی زبان میں اسی طرح کا ایک محاورہ ہے جس طرح 'سد الشلما' 'رتق الفتق'، 'جب الرکسر'، وغیرہ بہت سے محاورات ہیں۔ ان محاورات میں الفاظ کے لغوی مفہوم کا اعتبار نہیں بلکہ اس مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے جس کے لیے یہ استعمال ہوتے ہیں۔ 'احسن فرجه' کا مفہوم 'تحصن من السوء'، اس نے اپنے آپ کو ہر برائی سے پاک رکھا یا خطرے سے محفوظ رکھا۔ یہ محاورہ عورتوں کے لیے جس طرح استعمال ہوا ہے اس طرح مردوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ لفظ 'فرج' کے معنی لخت عرب میں اصلاً ہیں بھی 'موضع مخافف' یعنی اندریشہ کی جگہ کے۔ میں اس کے شواہد پیش کر سکتا ہوں لیکن ان سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کی کلامِ عرب پر نظر ہو۔ کتاب کے عام قارئین ان سے استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ (۱۸۶/۵)

'محصن'، اس طرح کے سیاق میں 'حرابیر'، یعنی لوثیٰ کے مقابل میں شریف زادیوں کے لیے آتا ہے اس وجہ سے جو لوگ لوثیوں اور غلاموں کے معاملے میں اس کی نصف سزا کے قائل ہیں ان کی بات متنی بر دلیل ہے۔ (۳۷۶/۵)

**احصاء:** 'احصاء' کا اصل مفہوم ضبط اور کنشروں میں رکھنا ہے۔ (۶۸۷/۳)

### احضار:

'احضار' یہاں (۹۴) مجرموں کی طرح کپڑ کرا حاضر کیے جانے کیمیں۔ اس وجہ سے

‘محضرین’ کے اندر رذلت کے ساتھ حاضر کیے جانے کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ (۶۹۵/۵)

### حَطَّةٌ:

‘حَطَّةٌ’ کا لفظ ایک جملہ کے قائم مقام ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔ یقولون طاعۃ (التساء ۸۱) اس وجہ سے یہاں بنداؤ مخدوف اتنا پڑے گا۔ زختری نے اس کی پوری وضاحت یوں کی کہ مستلعتنا حَطَّةٌ<sup>(۸۰)</sup> (ہماری درخواست طہ ہے) حَطَّةٌ سے ہے جس کے معنی جهاڑ دینے کے ہیں۔ یہاں مراد اس سے گناہوں کا جهاڑ دینا ہے۔ عربی اور عبرانی دونوں کے قریب الماخذ ہونے کے سبب سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ مادہ جهاڑ دینے اور بخش دینے ہی کہ مفہوم میں عبرانی میں بھی استعمال ہوا ہے اور یہاں کے ہاں استغفار اور توبہ کے کلمات میں سے تھا، وہیں سے یہ عربی میں نقل ہوا۔ (۲۲۰/۱)

**حَطَّةٌ:** ‘حَطَّةٌ’ ‘حَطَّمُ’ کے مادہ سے ہے جس کے معنی پھوڑ چور کر دینے کے ہیں۔

(۵۵۰/۹)

### حافرۃٌ:

‘حافرۃٌ’ کے اصل معنی نقشِ قدم کے ہیں لیکن حاورے میں اگر کہیں کہ ’فلان رجع علی حافرته او فی حافرته‘ تو اس کے معنی ہوں گے کہ فلاں جس حال میں تھا اس سے نکل کر اٹھ پاؤں اسی میں واپس آگیا۔ (۱۷۸/۹ - ۱۷۹/۱)

### حَفْظَةٌ:

‘حَفْظَةٌ’ ‘حافظ’ کی جمع ہے جس کے معنی کسی شے کی نگرانی کے ذمہ دار کے ہیں۔ اس سے مراد یہاں وہ خدائی پرہرہ دار ہیں جو ہر جان پر خدا کی طرف سے برابر مقرر رہتے

(۷۰/۳)

**حُفْيٌ:** حُفْيٌ، اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی شخص یا کسی چیز کی کھونج کر دید، دریافت، پختجو اور اہتمام کے درپر رہے۔ (۲۰۲/۳)

'حُفْيٌ' اس کو کہتے ہیں جو کسی کی بڑی خبر کھنے والا، اس کے لیے بڑا اہتمام کرنے والا اور اس پر نہایت کرم فرمانے والا ہو۔ (۲۲۰/۳)

**حَقْبٌ:** 'حَقْبٌ' کے معنی زمانہ، سال، سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کے ہیں۔

### احقاب:

'احقاب' کے معنی قرنوں کے ہیں۔ اس کی وضاحت قرآن میں جگہ جگہ 'خلدین فیها ابداً' کے الفاظ سے ہو گئی ہے یعنی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بعض لوگوں نے اس سے طویل مدت مراد لے کر یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ جہنم بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی لیکن یہ رائے غلط ہے۔ زبان کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مجمل کی شرح مفصل کی روشنی میں کرتے ہیں نہ کہ مفصل کی شرح مجمل کی روشنی میں۔ 'خالدین فیها ابداً' کے الفاظ ظاہر ہے کہ مفصل ہیں اور لفظ 'احقاب'، مجمل۔ اس مجمل کو مفصل کی روشنی میں سمجھیں گے نہ کہ اس کے برعکس۔ (۱۶۳/۹)

### الاحقاف:

'الاحقاف' لغت میں تور یگ کے مستطیل تو دوں کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد وہ ریگستان ہے جو عثمان ویکن اور بندوں حضرموت کے درمیان الاحقاف کے نام سے موسوم ہے اور جو قوم عاد کا اصل مسکن رہا ہے۔ (۳۷۰/۱)

## حق:

'حق' کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

وہ چیز جس کا واقع ہونا قطعی ہو۔ قیامت کو اسی معنی کے لحاظ سے حق کہا گیا ہے۔

وہ چیز جو اخلاقی حیثیت سے واجب ہو۔ عدل کو اسی اعتبار سے حق کہا گیا ہے۔

وہ چیز جو جھٹکے اور اختلاف کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہو۔ قرآن مجید کو حق کہنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔

غایبت اور مقصد کے مفہوم کے لیے بھی یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔

آسمان و زمین کی خلقت کو اسی معنی کے لحاظ سے بالحق کہا گیا ہے۔

جو چیز اپنے ظہور کے لحاظ سے بالکل واضح اور بین ہو اس کو بھی حق کہتے ہیں \*۔

(۲۳۷/۱)

\* 'حق' اصل میں کہتے ہیں موجود قائم کو لیکن استعمال میں اس کے معنی مختلف ہو گئے ہیں۔ کم از کم تین معنوں میں تو اس کا استعمال معروف ہے: ۱۔ وہ بات جس کا واقع ہونا قطعی ہے۔ ۲۔ وہ بات جو عقل کے نزدیک مسلم ہو۔ ۳۔ وہ بات جو اخلاقی فرض ہو۔ (۵۲۷/۹)

'حق' سے مراد یہاں وہ وعدہ حق ہے جو کندیب کی صورت میں بھل عذاب لا زما ظاہر ہونے والا تھا اور جس کی تنبیر نے ان کو خردی تھی۔ (۳۱۹/۵) 'حق' سے یہاں سمجھدا اور سوچی بھی ہوئی بات مراد ہے۔ (۱۵۹/۵)

'حق' سے مراد قرآن ہے اور الی یہاں 'فی' کے مفہوم میں ہے۔ اس معنی میں اس کا استعمال معروف ہے۔ اس کتاب میں اس کی بیشتریں گزر چکی ہیں۔ (۲۳۳/۶)

## حقیق:

حقیق 'حق' اور 'حق' سے فعل کا وزن ہے اور معنی میں مفعول کے آتا ہے۔ اس کے معنی لائق، امیل اور سزاوار کے ہیں۔ مثلاً کہیں گے 'ہو حقیق بہ' وہ اس کا امیل اور سزاوار ہے 'ہو حقیق ان يفعل کذا' وہ امیل ہے کہ فلاں کام سرانجام دے۔ اگر اس کے ساتھ 'علیٰ' آئے، جیسا صاحب اقرب الموارد نے تصریح کی ہے<sup>(۸۱)</sup>، اس کے معنی 'حریص' کے ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک اس کے ساتھ 'علیٰ' سے اس کے اصل مفہوم کے اندر یہ ایک اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ اضافہ اسی قاعدة تضمین کے تحت ہوتا ہے۔

(۳۲۰/۳)

## حکم:

'حکم' کے معنی قضا اور فیصلہ کے ہیں۔ اپنے اسی مفہوم کی روح کو لیے ہوئے یہ قرآن میں تین مختلف ہواؤں سے استعمال ہوا ہے۔

بعض جگہ مجرد فیصلہ کے معنی میں مثلاً وَكُنْ لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ الْأَنْبِيَاءَ ۚ ۷۸  
(اور ہم ان کے فیصلہ کے وقت موجود تھے) افْحِكْمَ الْجَاهِلِيَّةَ يَغْوُنَ وَمَنْ أَحْسَنَ  
مِنَ اللَّهِ حَكْمًا (المائدہ ۵۰) (کیا وہ جاہلیت کے فیصلہ کے طالب ہیں اور اللہ سے  
بڑھ کر کوئی فیصلہ کرنے والا ہے)

بعض مقامات میں قوت فیصلہ اور بصیرت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً  
ولو طَا أَتَيْنَاهُ حِكْمَةً وَعِلْمًا (الأنبیاء ۷۳) (اور لوٹ کو ہم نے قوت فیصلہ عطا فرمائی  
اور علم) وَاتَّيْنَاهُ الْحِكْمَةَ صَبِيًّا وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكْوَةً (مریم ۱۲) (اور ہم نے

اس کو بچپن میں فیصلہ کی قوت دی اور خاص اپنے پاس سے سوز و گداز اور پاکیزگی)

بعض آیات میں امر و حکم کے معنی میں ہے مثلاً حکم لله العلی الکبیر  
 (الغافر ۱۲) (پس حکم خدائے بلند و بزرگ کے لیے ہے) وله الحکم والیہ  
 ترجعون (القصص ۷۰) (اور اسی کے لیے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ  
 گے)۔ (۱۲۹، ۱۳۰) 'حکم' سے مراد صحیح فہم اور صحیح فہم کی روشنی میں معاملات کا فیصلہ کرنا  
 ہے۔ سہی چیز جب پختہ ہو کر ایک ملکہ را سخی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے تو اس کو حکمت کہتے  
 ہیں۔ (۱۰۲/۳)

### احکام:

'احکام' کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح گانٹھنے اور مضبوط کرنے کے ہیں۔ کپڑا  
 خوب ٹھوک کر گف بنا جائے تو یہ لفظ اس کے لیے بھی آئے گا۔ قرآنی آیات کے لیے اس  
 لفظ کے استعمال سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ قرآن کی تعلیمات پہلے گئے ہوئے،  
 مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں، پھر بالدرج وہ واضح اور منفصل ہوتی گئیں۔  
 چنانچہ کمک کے ابتدائی دور میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ اختصار، جامعیت اور اعجاز بیان کا  
 کامل نمونہ ہیں۔ دین کی بنیادی باتیں مختصر گئے ہوئے جملوں میں دریا بکوڑہ کی مثال ہیں۔  
 بعد میں آہستہ آہستہ ان پر تفصیل کا رنگ آیا یہاں تک کہ مدینی دور میں آکر دین کی وہ بنیادی  
 باتیں ایک جامع اور ہمہ کیرنظام زندگی کی شکل میں نمایاں ہو گئیں۔ (۱۰۶/۳-۷)

### تحاکم:

تحاکم الی، کے معنی ہیں تخاصم الیہ، یعنی اپنا تقاضی اور معاملہ حاکم کے

سے پیش کیا۔ (۳۲۶/۲)

**حکمة:** "حکمة" سے مراد یہاں <sup>(۸۲)</sup> دلائل و برائین ہیں۔ (۳۶۳/۲)

**حکیم:** دیکھیں "عزیز و حکیم"

**حمد:**

حمد کا ترجمہ عام طور پر قرآن مجید کے مترجموں نے تعریف کیا ہے۔ لیکن میں نے اس کا ترجمہ شکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ اس ترکیب کے ساتھ استعمال ہوا ہے اُسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے جس مفہوم کو ہم شکر کے لفظ سے ادا کرتے ہیں مثلاً **وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَا لَنَا هَذَا** ۔  
**الاعراف ۳۳**۔ (انہوں نے کہا شکر کا سزاوار ہے اللہ جس نے ہمیں اس کی ہدایت بخشی)  
 و آخر دعوا ہم ان الحمد لله رب العلمين یونس ۱۰ (اور ان کی آخری صدایہ ہو گی کہ شکر ہے اللہ کے لئے جو عالم کارب ہے) **الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَهَبَ لِنَا عَلَى الْكُبْرِ**  
**اسْمَعِيلَ وَاسْحَقَ** (ابراهیم ۳۹) شکر ہے اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں **اسْمَعِيلَ اور اخْتَنَ عَطَافِرَمَائَے**)

استعمالات کے لحاظ سے اگرچہ حمد کا لفظ شکر کے مقابل میں زیادہ وسیع ہے، <sup>(۸۳)</sup>  
 شکر کا لفظ کسی کی صرف انہی خوبیوں اور انہیں کمالات کے اعتراف کے موقع پر بولا جاتا ہے جن کا فیض آدمی کو خود پہنچ رہا ہو۔ برعکس اس کے حمد ہر قسم کی خوبیوں اور ہر قسم کے کمالات کے اعتراف کے لئے عام ہے، خواہ ان کا کوئی فیض خود حمد کرنے والے کی ذات کو پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو۔ ہم شکر کا مفہوم اس لفظ کا جزو غالب ہے۔ اس وجہ سے اس کے ترجمہ کا پورا پورا

حق ادا کرنے کے لیے یا تو تعریف کے لفظ کے ساتھ شکر کا لفظ بھی ملانا ہوگا یا پھر شکر ہی کے لفظ سے اس کو تعبیر کرنا زیادہ مناسب رہے گا تا کہ یہ سورہ جس احساسِ شکر اور جس جذبہ سپاس کی تعبیر ہے اس کا پورا پورا اظہار ہو سکے۔ یہ اظہار صرف تعریف کے لفظ سے اچھی طرح نہیں ہوتا۔ آدمی تعریف کسی بھی اچھی چیز کی کر سکتا ہے اگرچہ اس کی اپنی ذات سے اس کا کوئی ذور کا بھی واسطہ نہ ہو، لیکن یہ سورہ ہماری فطرت کے جس جوش کا مظہر ہے وہ جوش اُبھرا ہی ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و رحمانیت کے ان مشاہدات سے جن کا تعلق برآ رہا است ہماری ذات سے ہے۔ اگر یہ اچھی طرح واضح نہ ہو سکے تو اس سورہ کی جو اصل روح ہے وہ واضح نہ ہو سکے گی۔ شکر کے لفظ سے سورہ کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ (۵۶/۱)

**حَلَاف:** 'حَلَاف' کے معنی بہت زیادہ قسم کھانے والے کے ہیں۔ (۵۷/۸)

### محل:

محل جیسا کہ صاحب لسان العرب نے تصریح کی ہے<sup>(۸۳)</sup>، حلٰ یحلٰ سے ظرف ہے اور وقت اور جگہ دونوں کے مفہوم پر مشتمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک نہ مونڈ و جب تک قربانی ٹھکانے نہ لگ جائے اور نذر پوری نہ ہو جائے۔ (۲۸۳/۱)

### تَحْمِل:

'تحمل عليه'، میرے نزدیک 'تحمل العصا' علیہ یا 'تحمل الحجر علیہ'، کے معنی میں ہے یعنی لکڑی اٹھاؤ یا اس پر پھر پھینکو اس کا حال ایک ہی رہے گا۔ (۳۹۷/۲)

## حمولة:

حملة، 'رکوبہ' اور 'حلوبة' کے وزن پر ہے اور اس سے مراد وہ چوپائے ہیں جو سواری اور بار برداری کے لیے موزوں ہیں۔ مثلاً اونٹ، گھوڑے، خچر، وغیرہ۔ الابل التي تحمل وكل ما احتمل عليه القوم من بعير و حمار و نحوه۔

'حملة' اور 'فرش'۔ زبان کا ذوق رکھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہاں نہایت حسین قسم کا مقابل ہے۔ 'حملة'، 'معروشت' کا مقابل ہے، 'فرش'، 'غير معروشت'، کا۔ گویا جس طرح بنا تاتی کھیتوں اور باغوں میں قدرت نے ایسی بیلیں بھی پیدا کی ہیں جو ٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور ایسی بھی جوز میں ہی پر پھیلتی ہیں، اسی طرح چوپائیوں میں 'حملة' بھی ہیں جن کو قدرت نے اونچے ڈھانچوں پر کھرا کیا ہے اور 'فرش' بھی ہیں جوز میں سے لگئے ہوئے چڑھتے چڑھتے پروان چڑھتے ہیں اور انسان کو اپنے گوشت، کھال، اون، دودھ ہر چیز سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ (۱۸۶/۳)

**يَحْمُوم:** دیکھیں "يَحْمُوم"

## حمیۃ جاہلیۃ:

'حمیۃ جاہلیۃ' سے اشارہ قریش کے لیڈروں کی ان حرکتوں کی طرف ہے جو انہوں نے حق و عدل کے بالکل خلاف محض اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے کیں۔ مثلاً:

- ان پر یہ حقیقت واضح تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف عمرہ کے لیے تشریف لائے ہیں، جنگ کا نہ آپ کے دل میں کوئی خیال ہے، نہ اس کا آپ کے پاس کوئی سامان ہی ہے لیکن اس کے باوجود وہ کسی طرح آپ کو اللہ کے گھر میں داخل ہونے اور اس

کے حضور میں اپنے لائے ہوئے ہدیے پیش کرنے کی اجازت دینے پر راضی نہ ہوئے۔

• حضور ﷺ نے اپنے سفیران کے پاس اپنی کی غرض سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجے ان کی سفارتی حیثیت کا نہ صرف یہ کہ انہوں نے کوئی احترام نہیں کیا بلکہ ان میں سے ایک سفیر کے وہ قتل کے درپے ہو گئے اور دوسرے کو انہوں نے اس طرح لیت ولغل میں رکھا کہ مسلمانوں کے اندر یہ افواہ پھیل گئی کہ اس کو بھی انہوں نے قتل کر دیا۔

• معاهدة حدیبیہ کی شرائط طے کرنے میں انہوں نے بالکل بے ضرورت انجمنیں پیدا کیں اور ایسی شرطیں اس میں داخل کرنے پر اصرار کیا جن کا کوئی سیاسی فائدہ ان کو حاصل نہیں ہوا بس وقتی طور پر ان کو یہ تسلی ہو گئی کہ ان کی بات اوپنجی رہی۔ (۲۶۵/۷)

### حنیف:

‘حنف’ سے ہے جس کے اصل معنی مائل ہونے اور جھکنے کے ہیں۔ حنف اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر پوری یکسوئی کے ساتھ، خدا کا ہو رہے۔ یہاں یہ لفظ ابراہیم سے حال پڑا ہوا ہے۔ اگرچہ ابراہیم حالت ‘جز’ میں ہے اور مجرور سے حال پڑنے کے معاملہ میں اہل نجوبہت متrod ہیں لیکن مولا نافراہی نے اپنی تفسیر سورہ قیل میں نہایت قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عربی زبان میں یہ طریقہ معروف ہے<sup>(۸۵)</sup>۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حنف کی صفت قرآن مجید نے بار بار استعمال کی ہے<sup>(۸۶)</sup>۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب ان کو اپنا روحانی پیشووا مانتے تھے اور ان تینوں ہی گروہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ جس نذہب پر ہیں یہ حضرت ابراہیم ہی کی وراثت ہے۔ قرآن مجید نے مختلف دلائل سے پہلے ان کے اس دعوے کی تردید کی۔

پھر فرمایا کہ ابراہیم حنف تھے، وہ خدا کی قائم کردہ صراطِ مستقیم۔ ملتِ اسلام سے بروم  
ادھر ادھر نہیں ہوئے، نہ وہ یہودیت اور نصرانیت کی گلڈن ٹریوں کی طرف مڑے، نہ مشرکین  
کی ضلالتوں میں جلا ہوئے۔ بلکہ برابر اسلام کی اسی شاہراہ پر قائم رہے جو خدا نے کھوئی تھی  
اور جو خدا اتنک پہنچانے والی واحد سیدگی را ہے۔ (جلد اول ۳۲۷-۳۲۸)

### حنان:

'حنان' کے معنی محبت، ذوق و شوق اور سوز و گدراز کے ہیں۔ یہ لفظ نہایت معروف و  
متداول الفاظ میں سے ہے اس وجہ سے تجھب ہوا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف بعض  
لوگوں نے یہ بات کس طرح منسوب کر دی کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کے معنی معلوم  
نہیں (۸۴)۔ (۶۳۹/۳)

'حنان' کے بعد ان کی صفت میں 'زکوٰۃ' کا لفظ آیا ہے۔ 'زکوٰۃ' کے معنی پاکیزگی  
اور طہارت کے ہیں۔ اس طہارت سے مراد ظاہر اور باطن دونوں کی طہارت ہے۔ یہ  
درحقیقت 'حنان' ہی کا پرتو ہے۔ گدراز باطنی موجود ہونہ باطن میں کسی اخلاقی و عقائدی  
آلائش کا اثر باتی رہتا ہے نہ ظاہر میں۔ (۶۳۹/۳)

### حوت:

'حوت' سے مراد کوئی بڑی قسم کی سمندری مچھلی ہے۔ سمندر میں وہیں اور شارک  
کے قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں جو آدمی کو سوچانگل سکتی ہیں۔ اسی قسم کی کسی مچھلی نے حضرت  
یونسؐ کو نگل لیا (۸۸)۔ (۳۹۳/۲)

## استحوذ اذ:

‘استحوذ عليه’ کے معنی ہیں ‘احاطہ بہ، غلبہ، استوی علیہ، اس کو گھیرے میں لے لیا۔ اس پر غالب آگیا۔ نہ، مادہ کو جب اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے، کسی دوسرے زکو اس کی طرف بڑھنے نہیں دیتا تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (۳۱۰/۲) ‘استحوذ عليهم’ کے معنی ہیں ‘سلط علیهم’ شیطان نے ان پر اپنا پورا سلط جمالیا ہے۔ (۲۷۲/۸)

## حادِ یحید:

‘حادِ یحید’ کا صحیح مفہوم راستہ سے کترا کر چلتا ہے، یعنیک ٹھیک تعبیر ہے۔ قیامت کے باب میں ان لوگوں کے رویے کی جو اپنی خواہشات نفس کی پیدائی کرتے ہیں۔ وہ قیامت سے بے پرواہ کر زندگی گزارتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ قیامت کے دلائل ان سے مخفی ہیں، اس کے آثار تو ہر قدم پر موجود ہیں لیکن جو لوگ سیدھی راہ نہیں اختیار کرنی چاہتے وہ ان سے کترا کر چلتے ہیں، لیکن اس وقت یہ کیا کریں گے جب وہ ان کے سامنے آن کھڑی ہوگی۔ (۷/۵۳۸)

## حوالی:

‘حوالی’ کا لفظ عربی میں عبرانی سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے لغوی مفہوم میں اہل لغت کا اختلاف ہے<sup>(۸۹)</sup>۔ ہمارے نزدیک اس کے معنی خیر خواہ، حامی، ناصر اور مدعاگار کے ہیں۔ جس طرح لفظ انصار مدینہ کے ان جانبیاروں کے لئے خاص ہوا جنہوں نے ابتداءً دعوت ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اسی طرح ‘حوالیں’ کا لفظ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان خاص شاگردوں کے لیے استعمال ہوا جو آپ پر ایمان لائے، ہر قسم کے نرم گرم حالات میں آپ کے ساتھ رہے، آپ نے پوری شفقت اور دل سوزی سے شب و روز جن کی تعلیم و تربیت کی اور جو بالآخر آپ کے داعی، نقیب اور آپ کے پیغام بر بن کر بنی اسرائیل کی ایک ایک بستی میں پہنچ۔ ان شاگردوں کا ذکر تفصیل کے ساتھ انجلیں میں موجود ہے۔ (جلد ۹۸، ۲)

### حاش لله:

'حاش لله'، استثناء اور تزیر یہ کافلہ ہے۔ یہ اس موقع پر بولا جاتا ہے جب اپنے آپ کو یا کسی اور کوئی اثرام سے بری ثابت کرنا ہو۔ (۲۱۰/۳)

### حام:

حام اس سائز کو کہتے جس کی صلب سے کئی پتیں پیدا ہو جکی ہوتیں۔ ایسے سائز کو بھی آزاد چھوڑ دیتے، نہ اس پر سواری کرتے، نہ بوجھ لادتے۔ (۲۰۲/۲)

### احسوی:

'احسوی'، ہرگز اس سیاہی کے لینے نہیں آتا جو کسی شے میں اس کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے ہوتی ہے، بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرفی یا بزرگی کے لیے آتا ہے جو کسی شے پر اس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوش نمود کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے۔ (۹۰) یہ نباتات اور باغوں کی صفت کے طور پر بکثرت استعمال ہوا ہے اور بلا استثنہ ہر جگہ ان کی سربرزی کی شدت اور گھنے پن کو ظاہر کرنے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ پھر یہیں سے بطور استعارہ یہ کذیل، محنت مندرجہ ترکی صورت کھلے ہوئے جو ان کے لیے بھی استعمال ہوا۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ جن کی صحت بہت اچھی اور ان کے بدن میں خون و افر ہوان کے ہونوں پر سیاہی مائل سرفی نمایاں ہو جاتی ہے چنانچہ مشہور جاہلی شاعر، تاباط شرا اپنے محدود کی تعریف میں کہتا ہے:

مسیل فی الحی احوى رفل      وَإِذَا يَغْزُوا فَلِيلَثِ ابْلٌ<sup>(۱)</sup>

(یوں قبیلہ کے اندر تو وہ ایک خوش پوش، سرخ و سپید بانکا چھبیلا بنارتا ہے لیکن جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو شیر نیتاں بن جاتا ہے)۔ (۳۱۵/۹)

**حاق:** 'حاق، یحیق، حيقاً به' کے معنی ہیں احاطہ کر لینا، گھیر لینا اور چھا جانا۔  
(۲۲/۳)

**حیف:** 'حیف' کے معنی ظلم و جور کے ہیں۔ (۳۲۳/۵)

### تحییۃ:

'حیاہ، تحیۃ،' کے اصل معنی کسی کو زندگی کی دادیتے کے ہیں۔ اسی سے دعا یہ کلمہ حیاک اللہ، ہے جس کے معنی ہیں، اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ سلام اور اسکے ہم معنی دوسرے دعا یہ کلمات بھی چونکہ کم و بیش یہی یا اسی سے ملتے جلتے مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں اس وجہ سے لفظ کے عام مفہوم میں وہ سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔

ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعا یہ کلمات مردوج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد آپس میں ملتے جلتے وقت ابتدائی تعارف، اظہار محبت و اعتماد، نشان اخوت و مودت اور علامت وحدت فکر و عقیدہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ معاشرتی اتصال و ارتباط کے نقطہ نظر سے ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ معاشرے کے افراد، خواہ ان کے زندگانی ہی دوری

و بے گانگی ہو، آمنے سامنے ہوتے ہی ان کے واسطے سے اس طرح باہم ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں گویا ان کے اندر کوئی اجنبيت و بیگانگی تھی ہی نہیں۔ عربوں میں اس مقصد کے لیے بہت سے الفاظ اور فقرے معروف تھے۔ مثلاً حیا ک اللہ، اهلاً و سهلاً و مرحباً، وغيرہ۔ سلام کا لفظ بھی معروف تھا۔ جب اسلامی معاشرہ ظہور میں آیا تو بجز از کلمات کے جن میں شرک کی کوئی آلاش تھی باقی تمام کلمات باقی رہے۔ البتہ "السلام علیکم" کو ایک خاص اسلامی شاعر کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ کلمہ گویا موسمن و کافر کے درمیان ایک علامت فارقه بن گیا۔ جب ایک شخص نے دوسرے کے سامنے السلام علیکم کہہ دیا اور اس نے و علیکم السلام سے اس کا جواب دے دیا تو گویا من و تو کافر ق اٹھ گیا اور دونوں دو قلب و یک جان ہو گئے اور جواب نہ دیا تو اس کے معنی صرف یہی نہیں ہوتے تھے کہ اس نے اس کا سلام قبول نہیں کیا بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہوتے تھے کہ اس نے اس کے اسلام کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ (۳۵۶/۲)

**خَبْثُ:** "خَبْثٌ" سے مراد بخراز میں ہے پھر اس میں مقابل کے اصول پر جملہ کے پہلے حصہ میں "نکد" کا مقابل لفظ محفوظ ہے۔ "نکد" کے معنی ناقص اور قلیل کے ہیں۔ اس وجہ سے جملہ کے پہلے حصہ میں طیب اور کثیر کا مضمون محفوظ ہے۔ (۲۸۳/۳)

"خَبْثٌ" پستی اور نشیبی زمین کو کہتے ہیں۔ اس سے "اخبات" ہے جس کے معنی فروتنی اور تذلل و توضیح کے اظہار کے ہیں۔ (۲۳۸/۵)

### خَبِيْثٌ:

"خَبِيْثٌ" اور طیب کے الفاظ جس طرح ان اشیاء اور رذوات کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو اخلاقی و شرعی نقطہ نظر سے خبیث یا طیب ہوتی ہیں اسی طرح، جیسا کہ بقرہ کی آیت

۲۶۷ کے تحت گزر چکا ہے، ان اشیاء کے لیے بھی ان کا استعمال عربی میں معروف ہے جو مادی اعتبار سے ناقص یا عدمہ ہوتی ہیں۔ (۲۵۱/۲)

‘خبیثات’ سے مراد اس کے برعکس وہ چیزیں ہیں جو اپنے مزاج، اپنی جلت اور انسان کے مزاج و طبیعت پر اپنے اثرات کے لحاظ سے مضر، انحراف اگلیز اور مفسد ہیں۔ (۱۹۳/۳)

**خبیثة:** دیکھیں ”شجرة خبیثة“.

### تختبط

تختبط کا لفظ ’خبط اللیل‘ سے ہے جس کے معنی رات کی تاریکی میں بھٹکنے کے ہیں۔ خابط اللیل اس شخص کو کہیں گے جسے داہنے بائیں کا کچھ ہوش نہ ہو، اس یوں ہی ہر زہ گردی کر رہا ہو۔ اسی سے بخطب خبط عشواء کا محاورہ ان لوگوں کے لیے پیدا ہوا جو بصیرت سے بالکل محروم ہوں اور انہی میں کی طرح ادھر ادھر بھٹکتے پھر رہے ہوں۔ اسی سے تخطب الشیطون نکلا جس کے معنی ہیں مسے الشیطون بخجل او جنون، اس کو شیطان نے اپنی چھوٹ سے پاگل اور دیوانہ بنادیا۔ (۱۷۰/۲)

**خبال:** خبال کے معنی فساد اور بگاڑ کے ہیں لا یا لونکم خبالاً<sup>(۹۲)</sup> یعنی تمہارے اندر فساد پیدا کرنے میں کوئی سر نہ اٹھا کرھیں گے۔ (۱۶۵/۲) خبال کے معنی خرابی اور فساد کے اور ایضاع کے معنی بھاگ دوڑ کرنے کے ہیں۔ (۵۸۹/۳)

### خَتَر:

‘خَتَر’ کے معنی ہیں بدترین قسم کی بے وفائی و عہد بھکنی کرنے والا۔ یہ الفاظ اور پر کے

الفاظ 'صبار شکور' کے مقابل میں استعمال ہوئے ہیں۔ 'صبار' سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہر طرح کے حالات میں اپنے رب کے عهد پر استوار رہتے ہیں۔ اور 'خفار' سے وہ لوگ مراد ہیں جو نعمت میں تو خدا سے بے پرواہ رہتے ہیں البتہ جب کسی مصیبت میں چھنتے ہیں تو خدا سے عهد و پیمان باندھتے ہیں، لیکن یہ عهد و پیمان ان کو صرف اسی وقت تک یاد رہتا ہے جب تک خدا کی کپڑ میں رہتے ہیں، اس سے چھوٹتے ہی وہ اپنے سارے عہدوں پیمان کو طاقتی نیاں پر رکھ دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدترین قسم کی غداری ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے نہ اللہ کی نعمت کی نشانیاں کارگر ہوتیں نہ کوئی تنیبہ ان پر اثر انداز ہوتی۔

(۱۳۵/۲-۱۳۶)

### ختم:

ختم کے معنی عربی زبان میں موم یا مشی یا کسی اسی طرح کی چیز پر شپہ لگانے کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ خط پر مہر لگانے اور کسی چیز کے منہ کو اس طرح بند کر دینے کے لیے استعمال ہونے لگا جس کے بعد نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے اور نہ کوئی چیز اس سے نکل سکے (۹۳)۔ (۱۱۰/۱)

### خاتم:

'خاتم' اور 'خاتم' دونوں لفظ اہل لغت کے نزدیک بالکل ہم معنی ہیں۔ قوم کا آخری فرد، کسی شے کا انجام، خط کے آخر کی مہر، یہ سب چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔

(۲۳۹/۲)

### خاتم: دیکھیں "تصعیر خاتم"۔

## مخداعت:

‘مخداعت’ کے معنی ہیں دھوکا دینے کی کوشش کرنا عام اس سے کروہ دھوکا کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ یہاں مخداعت کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور خدع کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے جہاں لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہاں تو مخداعت استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی خواہش تو کوئی شخص اپنی حماقت کے سبب سے کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کو دھوکا دے نہیں سکتا۔ برعکس اس کے خود ان کے لیے خدع استعمال ہوا ہے کیوں کہ جو شخص خدا کو دھوکا دینے کا ارادہ کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں تو ناکام رہتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو وہ ضرور دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ (ارضی ۱۱۸)

**اخراج:** ‘اخراج’ کے معنی جس طرح کسی چیز سے کسی چیز کے نکالنے کے آتے ہیں اسی طرح کسی چیز کے ظاہر کرنے کے بھی آتے ہیں۔ (۸۲/۶)

**خر:** ‘خر بخ’ کے معنی اور پر سے نیچے کی طرف گرنے کے ہیں۔ (۲۵۲/۳)

## خرص:

‘خرص’ کے معنی اندازہ اور تخمینہ کرنے کے ہیں۔ ‘خرص النخل والکرم’ کے معنی ہیں کھجور کے درخت یا انگور کی بیتل کے چھلوٹ کا اندازہ کیا۔ ‘خرص فی الحدیث’ کے معنی ہوں گے کہ ایک امر پر غور کیے بغیر، اسی کے بارے میں ایک انکل پچو بات اڑادی۔ (۵۸۲/۷)

## خرطوم:

‘خرطوم’ اصل میں سوٹھ کو کہتے ہیں۔ یہاں یہ مستکبرین کی ناکوں کے لیے

بطریق استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت درحقیقت اپنی ناک ہی اوپھی رکھنے کے لیے کرتے تھے۔ (۵۲۰/۸)

**خزانہ:** 'خزانہ' سے مراد ملک کے ذرائع پیداوار ہیں۔ (۲۳۷/۳)

**خزی:** کے معنی رسولی کے ہیں۔ (۲۰۳/۳)

**خسا:** 'خسا' کے کو دھکار نے کے لیے آتا ہے۔ (۳۲۸/۵)

### خشوع:

'خشوع' کی اصل حقیقت پستی اور فروتنی اور بجز و تذلل ہے۔ آواز پست ہوتی یہ لفظ اس کے لیے بھی بولا جائے گا، نگاہ بھی ہوئی ہوتا اس کے لیے بھی بولا جائے گا۔ اونٹ کا کوہاں لا غری کے سبب سے بیٹھ جائے تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہو گا۔ (۱۹۲/۱)

'خشوع' کا مفہوم فروتنی اور خاکساری ہے۔ یہ چیز کی بہبیت اور اس کی عظمت و جلال کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت آدمی کو اس کے رب کے آگے بھی جھکاتی ہے اور خلق کے لیے بھی اس کو مہربان و حلیم بناتی ہے۔ یہ 'اسکلپر' کا ضد ہے جو تمام انفرادی و اجتماعی برائیوں کی، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، جڑ ہے۔ (۲۲۵/۶)

**خاشعة:** 'خاشعة' کے معنی بھکے ہوئے، پست اور ادا اس کے ہیں۔ (۳۲۹/۹)

### خشیۃ:

'خشیۃ' اور 'تصوی' یہاں دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ میرے

نزو دیک 'خشیہ' یہاں دل کی حالت کی تعبیر کے لیے ہے اور 'تفوی' سے مراد حدودِ دنیٰ کی پاسداری ہے۔ یعنی ایک کا تعلق باطن سے ہے، دوسرے کا تعلق ظاہر سے۔ (۵/۲۲۳)

**خصف:** خصف کے معنی گانٹھنے، گوتختے، جوزنے کے ہیں۔ (۳/۲۳۶)

**خصام جے خصم:** دیکھیں "الد الخصام"۔

**خصام:**

'خصام' یہاں مبارزت اور مفاخرت دونوں معنوں پر مشتمل ہے اور عرب جاہلیت ان دونوں ہی چیزوں کے رسایات ہے۔ ان کے ہاں آئے دن جنکیں بھی برپا ہوتی رہتی اور مفاخرت کے مقابلے بھی ہوتے رہتے جن میں ہر قبیلہ کے خطیب اور شاعر اپنے قبیلہ کے مفاخر بیان کرنے میں دادِ خطابت و شاعری دیتے۔ ظاہر ہے کہ عورت ان دونوں ہی میدانوں میں فروختی، نہ وہ زرہ بکتر اور شمشیر و سنان کی مخلوق تھی اور نہ خطابت و شاعری کی، اس وجہ سے اہل عرب کی نگاہوں میں اس کی زیادہ اہمیت نہ تھی اور یہ بات کچھ اہل عرب ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس زمانے میں بھی عورت کو جواہیت حاصل ہوئی ہے وہ نمائش کی مجالس ہی میں ہوئی ہے۔ مبارزت اور مفاخرت کے اعتبار سے تو آج بھی وہ دیں ہے جہاں عرب جاہلیت کے دور میں تھی۔ (۷/۲۱۶)

**اختصار:** 'اختصار' کے معنی آپس میں لڑنے جھٹکنے کے ہیں۔ (۵/۲۳۶)

**خضد:** 'خضد' کسی کائنتوں والی چیز کے کائنتوں کو کاٹ دینے کے لیے آتا ہے۔ (۸/۲۱۶)

**خطب:** 'خطب' کا غالب استعمال کسی اہم معاملہ اور کسی امیرظیم کے لیے ہوتا ہے۔

(۳۶۷/۲)

**خطب:** 'خطب' کسی امیر عظیم و اہم ہی کے لیے آتا ہے۔ (۶۸/۵)

### خفاف:

خفاف، خفیف، کی جمع ہے۔ یہاں 'خفیف' کا لفظ اس شخص کے لیے استعمال ہوا ہے جس کے پاس عُمرت کے سبب سے زیادہ سرو سامان جنگ اور زاد سفر نہ ہو۔

(۵۷۷/۳)

**خفیہ** بخوبی کے معنی چپکے چپکے کے ہیں۔ (۷۳/۱)

### استخفاف:

'استخفف' ضد ہے 'استقل' کا۔ 'استقل' کے معنی کسی چیز کو بھاری مجرم، وزن دار اور گراں سمجھنے کے ہیں اس وجہ سے 'استخفاف' کے معنی کسی کو بے وزن، بے حقیقت اور بے حیثیت سمجھنے کے ہوں گے۔ 'استخفف قومہ' کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اپنی قوم کو بالکل سادہ لوح پا کر اس کو پہ فریب باتوں سے چکیوں میں اڑا دیا اور وہ بے وقوفوں کی طرح اس کے چکموں میں آ گئی۔ (۷۷/۲) 'استخفاف' کے معنی کسی کو ہلکا ہلکا اور معمولی سمجھنے کر باتوں میں اڑا دینا اور اس کو بے وزن بنادینا ہے۔ (۱۱۱/۶)

'استخفاف' کے معنی کسی کو ہلکا ہلکا اور معمولی سمجھ کر باتوں میں اڑا دینا اور اس کو بے وزن بنادینا ہے۔ (۱۱۱/۶)

### اخلاق:

اخلد الی الشی، کے معنی کسی شے کی طرف اس طرح جگ جانے اور مائل ہو

جانے کے ہوتے ہیں کہ آدمی بس اسی کا ہو کر رہ جائے۔ (۳۹۶/۳)

### **خلف:**

'خلف' نا خلف کے معنی میں ہے۔ ہم دوسری جگہ 'خلف' اور 'خلاف' کے فرق کی وضاحت کر چکے ہیں \* کہ 'خلف'، بکون لام اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ برے اخلاف کے نئے آتا ہے۔ (۲۲۶/۳ - ۲۲۷/۳)

### **خلفۃ:**

'خلفۃ' کا مفہوم وہی ہے جو قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں 'اختلاف اللیل والنهار' کے الفاظ سے تعبیر ہوا ہے یعنی رات اور دن کی ایک دوسرے کے بیچے گروٹ۔ (۳۸۳/۵)

### **خلاف:**

خلاف، قرآن میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک بے ترتیب کے معنی میں مثلاً تقطع ایدیہم و ارجلهم من خلاف المائدہ۔ (یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ دیے جائیں) دوسرے بعد اور پیچھے کے معنی میں مثلاً اذا لا يلبثون خلافک الا قليلاً ۲۷ اسواء (تو تیرے پیچھے یہ بھی کچھ زیادہ نہ تک سکیں گے) (۲۱۷/۳)

**خلفیۃ:** 'خلفیۃ' اس کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد اس کے معاملات سر انجام دینے کے

\* خلف، بکون لام کے ساتھ آتا ہے تو نے جانشینوں کے معنی میں آتا ہے۔ (۳۸۲/۳)

لیے اس کی جگہ لے (۹۳)۔ (۱۵۷)

**مختلف:** مختلف کے معنی چھوڑ دیا گیا۔ (۶۸/۳)

### اختلاف:

'اختلاف لیل و نہار' سے مراد ایک تورات اور دن کی کیے بعد دیکھے، پورے نظام، پوری پابندی اوقات اور کامل تسلسل کے ساتھ آمد و شد ہے، جیسا کہ فرمایا ہے۔ ہو الذى جعل الليل والنہار خلفة لمن اراد ان یذکر او اراد شکوراً (الفرقان ۶۲) (اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، ان لوگوں کے لیے جو یاد وہانی حاصل کرنا چاہیں یا خدا کے شکرگزار بننا چاہیں)۔ دوسرے ان کا وہ اختلاف بھی ہے جو ان کے مزاج، ان کی شکل و صورت اور ان کے ظاہری اور باطنی اثرات و نتائج میں ہے لیکن اس اختلاف و تضاد کے باوصف یہ دونوں اس کائنات کی مجموعی خدمت و بہبود میں شب و روز سرگرم ہے۔ (۱۵۷)

### خلق:

'خلق' کا صحیح لغوی مفہوم، کسی چیز کا خاکہ (Design) بنانا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں تھا بھی استعمال ہوا ہے اور بعض جگہ اپنے دوسرے لوازم و متعلقات مثلًا 'برء'، 'تسویہ'، 'ترکیب' اور 'تصویر' کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ جہاں یہ تھا استعمال ہوا ہے وہاں یہ اپنے تمام لوازم و متعلقات پر مشتمل ہے۔ لیکن جہاں اپنے دوسرے متعلقات کے ساتھ آیا ہے تو ایسے موقع میں یہ اپنے اصل لغوی مفہوم ہی میں استعمال ہوا ہے۔ ..... 'خلق' اور 'تصویر' کے دلفظوں نے تخلیق کی ابتدائی اور انتہائی دونوں حدیں واضح کر دیں۔ ہر مخلوق

کا مرحلہ ابتدائی تو یہ ہے کہ اس کا خاکہ بنا اور اس کا آخری و تکمیلی مرحلہ یہ ہے کہ اس کی صورت گری ہوئی اور اس کے ناک نقشے اور نوک پلک درست ہوئے۔ (۲۳۰/۳)

**خلق:** 'خلق'، مخلوق کے معنی میں ہے۔ (۳۲۲/۴)

**خلل:** 'خلل'، کے معنی دوستی اور مواعاثات کے ہیں۔ (۳۲۹/۳)

**خلوا:**

خلوا کے بعد الی کا صدر تقاضا کرتا ہے کہ یہاں کوئی فعل ایسا مذکوف مانا جائے جو اس صدر سے مناسب رکھنے والا ہو۔ (۱۲۰/۱)

**خمار:**

'خمار'، دوپٹہ اور اوڑھنی کو کہتے ہیں۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اوڑھنی مسلمان خواتین کے لباس کا ایک ضروری جزء ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی غیر محروم کی موجودگی میں عورتوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس اوڑھنی سے اپنے سر اور کمر کے ساتھ اپنے گریبانوں کو بھی چھپائیں۔ اس پابندی سے صرف وہ بوڑھی عورتیں مستثنی ہیں جو نکاح کی عمر سے گزر چکی ہیں۔ اگرچہ ان کے لیے بھی بہتر یہی ہے کہ وہ بھی اس کا اہتمام رکھیں۔ (۳۹۷/۵)

**مخمسة:** مخصوصہ کے معنی بھوک کے ہیں۔ (۳۵۸/۲)

**خنوس:**

'خنس'، جمع ہے 'خانس'، کی۔ اس کے معنی آگے بڑھ کر پیچھے پلٹ جانے والے، ظاہر

ہو کر غائب ہو جانے والے اور نمایاں ہو کر روپوش ہو جانے والے کے ہیں۔ یہ لفظ ستاروں کی صفت کے طور پر آتا ہے اور ان کے لیے اس قدر معروف ہے کہ بسا اوقات موصوف کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مجرّد صفت ہی موصوف کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ بعض اہل لغت نے اس کو بعض خاص ستاروں کے ساتھ مخصوص کیا ہے لیکن یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ (۶۷۵/۹) (۲۲۶/۲۲۵) (خناس، دبک رہنے والے۔)

**مُنْخَنَقَةُ:** اس جانور کو کہتے ہیں جو گلا گھٹ کر مر جائے۔ (۲۵۲/۲)

**خوار:** عربی میں بیل کے ڈکرنے کی آواز کو کہتے ہیں۔ (۳۶۵/۳) (خوار، پچھڑے کے ڈکرنے کی آواز کو کہتے ہیں۔)

### خوض:

‘خوض’ کے معنی کسی چیز میں گھس جانے کے ہیں۔ ‘خاض الماء’ وہ پانی میں گھس گیا۔ اسی سے ‘خوض فی الحدیث’، کامحاورہ نکلا ہے جس کے معنی ہیں بات میں سے بات نکالنا۔ بال کی کھال ادھیڑنا، کسی بات میں اعتراض، نکتہ چینی اور کش جمیٰ کے نت نئے پہلو پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ قرآن میں یہ لفظ کمی گدگ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اسی طرح کی خن گتری کے لیے استعمال ہوا ہے جس کا مقصد کسی بات کو ٹھیک، دل گلی اور مذاق میں اڑادیتا ہو۔ مثلاً لشن سالٰ تھم ليقولن انما كـا نخوض و نلعب۔ (۶۵) (اگر تم ان سے پوچھو تو جواب دیں گے ہم تو بیس ذرا خن گتری اور ٹھھول کر رہے تھے) آگے والی آیت وذر الذین اتخدوا دینهم لعباً ولھواً میں لفظ کی اس حقیقت کو کھول دیا ہے اس لیے کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو آیات الہی میں ‘خوض’ کرتے ہیں۔ گویا

‘خوض’ کے بعد اس کا مقصد واضح کر دیا گیا ہے۔ قرآن نے سورہ نساء میں اس ‘خوض’ کی تفیر بھی فرمادی ہے۔ چنانچہ اسی آیت کا حوالہ دے کر، وہاں فرمایا ہے۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنِّإِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكَفِّرُ بِهَا وَيُسْتَهْزِئُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخْوُضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ (النساء ۱۲۰) (اور وہ قرآن میں تمہیں ہدایت دے چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے پاس نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں) یہاں اس خوض کی وضاحت اللہ کی آیات کے کفر اور ان کا مذاق اڑانے سے کی گئی ہے۔ (۷۶/۳)

‘خوض’ کے معنی کسی چیز کے اندر گھنے کے ہیں۔ ‘خاضُ الماء’ وہ پانی کے اندر گھس گیا۔ اسی سے ‘خاضُ الْقَوْمَ فِي الْحَدِيثِ’ کا محاورہ نکلا جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ بات سے بات پیدا کرتے ہوئے کہیں سے کہیں جانکلے۔ عام طور پر یہ محاورہ کسی باطل کی جماعت اور حق کی مخالفت میں سخن سازی اور دلیل بازی کے لیے آتا ہے۔ قرآن میں یہ اسی معنی میں جگہ جگہ آیا ہے۔ مثلاً خُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا، (التوبہ: ۲۹) (اور تم نے بھی اسی طرح کی دلیل بازیاں کیں جس طرح کی دلیل بازیاں انہوں نے کیں)۔ فذرهم بخوضوا ويلعبوا حتى يلقوا يومهم الذي يُوعَدون (الزخرف: ۸۳) (پس ان کو چھوڑ دو و دلیل بازیاں اور سخن سازیاں کرتے رہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کی ان کو حکمی دی جا رہی ہے)۔ (۲۲/۸)

‘خوض’ کے اصل معنی تو دریا وغیرہ میں گھنے کے ہیں لیکن بات کے تعلق سے یہ آئے تو اس کا مفہوم بال کی کھال اور ہزار بھی ہو سکتا ہے اور ایک بات سے دوسری اور دوسری

سے تیسری بات نکلتے ہوئے کہیں سے کہیں جانکنا بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے ترجمہ میں خن  
گسترشی کا لفظ اختیار کیا ہے۔ (۲۰۱/۳)

### خوف:

‘خوف’ کے اصل معنی گمان کرنے، خیال کرنے، توقع کرنے، اندیشہ کرنے کے  
ہیں۔ پھر تھیں سے یہ ذرنے کے معنی کے لیے استعمال ہونے لگا۔ ایک جماعتی شاعر کا شعر  
ہے:

ولو خفت انسی ان کففت تھیتی

تنکب عنی رمت ان یتنگبا<sup>(۹۱)</sup>

(اگر مجھے توقع ہوتی کہ میں بڑھاپے کا خیر مقدم نہ کروں گا تو وہ مجھ سے  
رک جائے گا تو میں اپنے خیر مقدم سے باز رہ کر اس کو روکنے کی کوشش  
کرتا) (۲۲۰/۴)

**خوف:** ‘خوف’<sup>(۹۲)</sup> لحاظ کرنے کے مفہوم میں ہے۔ یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال  
ہوتا ہے۔ (۸۹/۲)

**خوان:** ‘خوان’ کے معنی، خائن، خذہ اور عہد شکن کے ہیں۔ ..... ‘خوان’ کے ساتھ  
‘کفور’ کی صفت ان کی ناپاکی و ناشکری کے بیان کے لیے ہے۔ (۲۵۲/۵)

### خیر:

‘خیر’ کے اصل معنی مطلوب و مرغوب شے کے ہیں اس وجہ سے علم، عقل، حکمت،

عدل، نیکی اور بھلائی سب کے لیے اس کا استعمال ہے۔ پھر یہیں سے یہ مال کے لیے بھی استعمال ہونے لگا اس لیے کہ مال بھی ایک مرغوب و مطلوب شے ہے۔ قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن نے مال کے لیے اس لفظ کو اختیار کر کے گویا بالواسطہ اس غلط فہمی کی اصلاح کر دی ہے جو عام طور پر رہبانی تصور کے زیر اثر لوگوں میں پھیلی ہوئی تھی کہ مال فی نفسہ ایک ناپاک و نجس چیز ہے اس وجہ سے اللہ والوں کے لیے اس سے آسودہ ہونا جائز نہیں۔ (۱۳۹/۴)

### خیر:

‘خیر’ یہاں <sup>(۹۸)</sup> مال کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں یہ عربی میں معروف ہے اور قرآن میں بھی یہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۵۰۲/۹)

**خیرات (حسن):** ‘خیرات حسان’ کے معنی ہیں پاکیزہ سیرت اور پاکیزہ صورت۔ (۱۳۹/۸)

### دابة:

‘دابة’ کا معروف استعمال تو زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے لیے ہے بلکہ زیادہ فہمایاں طور پر ان جانوروں کے لیے جو سواری یا باربرداری کے کام آتے ہیں، لیکن یہ اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس معنی میں ہم ”جاندار“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے پہلے معنی کے لحاظ سے پرندے اس کے مفہوم سے خارج ہیں، صرف زمین پر چلنے پھرنے یا رینگنے والے جانور ہی اس سے مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے بعض مقامات پر پرندوں کو اس لفظ کے مفہوم سے الگ رکھا ہے، مثلاً فرمایا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٌ يُطْيِيرُ بِجَنَاحَيْهِ (الانعام ۳۸) (اور نہیں ہے زمین پر چلنے والا

کوئی جانور اور نہ اپنے بازوؤں سے اڑنے والا کوئی پرندہ) لیکن جب یہ اپنے دوسرے وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے تحت سارے ہی جاندار آجاتے ہیں، عام اس سے کہ وہ چند ہیں یا پرندے بلکہ اس صورت میں یہ بھی نوع انسان کو بھی اپنے اندر سمیت لیتا ہے۔ اس مفہوم کے لیے قرآن مجید سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ فرمایا ہے:

ولو يُؤاخذ الله الناس بما كسبوا او رأى الله لوگوں کو ان کی بد عملیوں پر فوراً سزا دینے ماترك على ظهرها من دابة والا ہوتا تو زمین کی پشت پر ایک جانور کو بھی جیتا نہ چھوڑتا۔  
(الفاطر ۳۵)

اس آیت میں ”دابة“ کا لفظ تمام جانداروں کے لیے استعمال ہوا ہے، عام اس سے کہ وہ چند و پرندے ہوں یا انسان۔

وَكَائِنَ مِنْ دَابَةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ اُوْرَكَتْنَے جاندار ہیں جو اپنے ساتھ اپنی روزی بروزها و ایا کم (العنکبوت ۲۰) اخھاتے نہیں پھرتے، اللہ ان کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی

اس آیت میں ”دابة“ کا لفظ چند و پرندے سب پر حاوی ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اُوْرَكَتْنَیْنِ مِنْ كَوَافِرَ اللَّهِ هِيَ كَذَّابَةٌ ذمہ ہے اس کی روزی۔ (۱/۳۹۷-۳۹۸) اللہ رزقہا (ہود ۲)

### دابة (الارض):

’دابة الارض‘ کا ذکر قرآن کے ساتھ ہوا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد دیکھ ہے۔ (۳۰۶/۲)

**دابر:** 'دابر' کے معنی اصل اور جڑ کے ہیں۔ (۵۲/۳)

### ادبَار:

'ادبَار' جمع ہے ذہر کی۔ جس کے معنی پچھے کے ہیں۔ عام طور پر لوگوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بجودوں کے بعد بھی اس کی تسبیح کرو۔ لیکن میراڑ، ان اس طرف جاتا ہے کہ یہاں بجود مصدری معنی میں ہے اور اس سے مراد آفتاب کا وجود ہے جس کا طلوع غروب کے قبل کی نمازوں کا ذکر اور پرواں نکڑے میں ہو چکا ہے۔ یعنی جس طرح سورج کے طلوع و غروب سے پہلے نماز کے اوقات ہیں اسی طرح سورج کے بجود کے بعد بھی تسبیح کے اوقات ہیں۔ چونکہ سورج کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اس وجہ سے دوبارہ اس کی تصریح کی ضرورت نہیں ہوئی۔ لفظ 'ادبَار' کا قرینہ اس کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کافی تھا کہ اسی کے بجود کے بعد کی نماز کا ذکر ہے جس کے طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ اگر دونوں نکڑوں کے بیچ میں 'وَ مِنَ اللَّيلِ فَسْبُخَهُ' کے الفاظ نہ آگئے ہوتے تو بات کے سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آتی۔ (۵۶۸/۷)

### صَفَر:

'مَذَارُ' اور 'مَزَامِلُ' دونوں کے معنی جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک ہی ہیں۔ 'مَذَارُ' 'دَنَارُ' سے ہے جو اس چادر کے لیے آتا ہے جو سونے والا اپنے اوپر لے لیا کرتا ہے۔ (۳۲۸)

**دخل:** 'دخل' کے معنی مکرو弗ریب اور فساد کے ہیں۔ (۳۲۲/۳)

## دخان مبین:

‘دخان مبین’ کی تعبیر سے ذہن اگر منتقل ہوتا ہے تو تحفظ کی طرف نہیں بلکہ ‘حاصلب’ کے عذاب کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ عرب کی سچھلی قوموں پر رسولوں کی تکنیک ب کے نتیجے میں بیشتر بھی عذاب آیا ہے۔ عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب وغیرہ کی جو سرگزشتیں پیچھے گزر چکی ہیں ان میں اس عذاب کی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ شعراء عرب کے کلام اور قرآن سے اس کی جو تصویر سامنے آتی ہے وہ ‘دخان مبین’ کی تعبیر سے بہت ملتی جلتی ہوئی ہے۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ سیاہ غبار کا ایک ستون سا آسمان کی طرف اٹھتا نظر آتا ہے۔ اس غبار میں جب تک سورج بالکل چھپ نہیں جاتا اس کی شعاعیں بھی اس کے اندر مخلوط ہوتی ہیں جس سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگل میں آگ لگی ہوئی ہے جس کا دھواں آسمان تک اٹھ رہا ہے۔ پھر جب ہوا کا زور بڑھتا ہے اور یہ طوفان کی طرف کارخ کرتا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اب سیاہ چمارہ رہا ہے جو بس برنسے والا ہی ہے۔ پھر یہ ایک ہولناک شکل اختیار کر لیتا ہے اور بستیوں کی بستیوں کو ریت اور کنکر پھر کی بارش سے ڈھانک دیتا ہے۔ قوم عاد پر جب عذاب آیا تو انہوں نے فضا کی سیاہ غبار کو اب سیاہ خیال کیا ہے۔ چنانچہ سورہ احقاف میں ان کا ذکر یوں آیا ہے: *فَلَمَّا رَاوَهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلًا* اودیتهم لا قالوا هذَا عَارِضٌ مَمْطُرٌ نَاطِبٌ لَهُ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ طَرِيقٌ فِيهَا عَذَابٌ الْيَمِ (۲۲) (پس جب انہوں نے اس عذاب کو ایک ابر کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے دیکھا تو بولے یہ تو بادل ہے جو ہمیں سیراب کرنے والا ہے۔ نہیں بلکہ یہ وہی عذاب ہے جس کے لیے تم نے جلدی مچارکھی تھی۔ ایک باہتمد، جس کے اندر ایک دردناک عذاب ہے) اسی عذاب کو قوم شعیب کی تباہی کے ذکر میں ‘عذاب یوم الظلة’

سے تعبیر فرمایا گیا: 'فَكَذَبُوهُ فَاخْذُهُمْ عِذَابُ يَوْمِ الظَّلَّةِ..... (اشعر: ۱۸۹) (پس انہوں نے اس کی تکذیب کر دی جس کے نتیجہ میں ان کو یوم ظلہ کے عذاب نے پکڑ لیا)۔ 'ظَلَّةٌ' چھتری اور سائبان اور شامیانے وغیرہ کے لیے بھی آتا ہے اور ابر کے لیے بھی۔ (۲۷۶)

### درء:

'درء' کے معنی دفع کرنے اور چیزکے کے ہیں۔ اسی سے تدارکاتم ہے جو ادعا م کے قاعدے سے اذارہ ٹسم ہو گیا ہے۔ اس کے معنی آپس میں ایک دوسرے پر الزام لگانے کے ہیں۔ (۲۳۸/۱)

### استدرج:

'استدرج' کے معنی ہیں 'رقاه من درجة الى درجة، خدعة' اس کو آہستہ آہستہ، درجہ بد رجہ چڑھالا یا، اس کو چکر دے دیا، یہا اللہ تعالیٰ کے قتوں میں سب سے زیادہ خطرناک قتنہ ہے جس میں اس کے باعث بیتلائیے جاتے ہیں۔ (۳۰۰/۳)

### درس:

'درس' کے اصل معنی تو گھنے اور مٹانے کے ہیں۔ 'درس الرسم' کے معنی ہوں گے 'محاه، نشان کو مٹا دیا۔ آدمی جب کسی چیز کو کثرت سے بار بار پڑھتا ہے، بالخصوص جب اس پر انگلی رکھ کے ایک ایک حرف کو متین کرتے ہوئے پڑھتا ہے، جیسا کہ مذہبی صحفوں کی تلاوت کے لیے رواج ہے، تو بالعمود وہ نئے گھس جاتے ہیں۔ اس وجہ سے لفظ 'درس' کسی کتاب کو اچھی طرح بار بار کرات و مرات پڑھنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ لفظ میں اس بات کو یوں تعبیر کرتے ہیں 'درس الكتب، اقبل عليه يحفظه'

کسی کتاب کو پڑھنا خدا اپنے لیے بھی ہو سکتا ہے اور دوسروں کو سنانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں قرأت اور تلاوت کے الفاظ بھی ان دونوں ہی مفہموں میں استعمال ہوئے ہیں۔ (۱۳۳/۳)

### اَدَّرَاكः

‘اَذَارَكُوا’، اصل میں ‘تدارکُوا’ ہے۔ عربی میں الفاظ کی بیست میں بعض اوقات اس طرح کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ تدارکِ القوم، تلاحقوا ای لحق اُخراهم اولیہم، ’وَتدارکَ الْقَوْمَ‘ کے معنی ہیں قوم کے پچھلے اگلوں سے جاتے۔ قالت اُخراهم لاؤلهم، میں ل، ‘فِي’ کے معنی میں ہے۔ یعنی پچھلے اپنے اگلوں کے بارے میں کہیں گے۔ (۲۵۶/۳)

دھر: دیکھیں ”الواح“۔

### دھن:

‘دَشَهَا’ دراصل ‘دَشَهَ’، ‘دَسَنْ’، کے مادہ سے ہے جس کے معنی کسی چیز کو خاک میں ڈھانک دینے اور مٹی میں ملا دینے کے ہیں۔ یہی لفظبدل کر دَشَهَا ہو گیا ہے اور اس تبدیلی سے اس کے اندر مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے، یعنی اس کو بالکل خاک میں ملا دیا۔ عربی میں اس طرح کے تغیری کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً تَظَنَّ سے تَظَنْنِي، - (۳۸۸/۹)

### دُعَوة:

‘يَدْعُوا’ یہاں ‘دعا، استغاثة، فرياد، استرحام، او راستمداد’ سب

معنوں پر مشتمل ہے۔ (۲۲۲/۵)

**دعویٰ:** 'دعویٰ' کے معنی حجّ و پکار اور استغاثہ و فریاد کے ہیں۔ (۱۲۹/۵)

**دف ۶:**

چوپا یوں کے بال اور اون وغیرہ کو کہتے ہیں جن سے بنے ہوئے لباس سردیوں میں گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ (۲۹۰/۳)

**دک ۶:**

'دک الحائط، هدمہ حتی سواہ بالارض، دک الارض، سوی صعودها و هبوطها.' 'دک الحائط'، 'دک الارض' کے معنی ہوں گے دیوار کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا یا زمین کے تمام نشیب و فراز برابر کر دئے۔ (۳۶۱/۳)  
 'دک الارض' کے معنی ہیں 'سوی صعودها و هبوطها' زمین کی ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر اس کے تمام نشیب و فراز اور اونچی تھیج برابر کر دیے۔ قیامت کے دن زمین کا جو حال ہو گا اس کی تصویر سورہ کہف میں یوں کھچنی گئی ہے:

انا جعلنا ما على الارض	زمین کے اوپر کچھ بھی ہے ہم نے اس کے لیے اس کو زینة لها لنبلوهم ایهم
سنگھار بنا یا ہے تا کہ ہم امتحان کریں کہ لوگوں میں سے کون اچھا عمل کرتا ہے اور ایک دن ہم اس سب کو جو احسن عملاً وانا لجعلون	اس کے اوپر ہے صفا چٹ میدان کروئے والے ماعلیہا صيعداً جرزاً
ہیں۔ (۳۶۰/۹)	(الکہف. ۱۸: ۷-۸)

**دلوك:**

'دلوك' کے معنی زوال کے ہیں۔ سورج کے زوال کے تین درجے ہیں۔ ایک

وہ جب وہ سمت راس سے ڈھلتا ہے۔ دوسرا جب مری اعین سے یچے کی طرف جھلتا ہے، تیرا جب وہ افق سے عائب ہوتا ہے۔ یہ تینوں اوقات ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں کے ہیں۔ 'دلوك' پر 'ل' وقت کے مفہوم میں ہے۔ اس معنی کے لیے یہ عربی میں معروف ہے۔ جس مفہوم کو ہم لفظ 'پر' سے ادا کرتے ہیں۔ بعض موقع میں وہی مفہوم 'ل' ادا کرتا ہے۔ مثلاً الصلة لا وقاتها،<sup>(۹۹)</sup> کے معنی ہوں گے نماز اس کے اوقات پر۔ 'اقسم الصلة للدلوک الشمس'،<sup>(۱۰۱)</sup> نماز کا اہتمام کروزو وال آفتاب پر۔ (۵۲۹/۳ - ۵۳۰)

### ادلاء:

ادلاء کے اصل معنی کتوں میں ڈول ڈالنے کے ہیں۔ مثلاً فرمایا ہے فادلی دلوہ<sup>(۱۰۰)</sup> (یوسف) تینیں سے اس کے اندر رسائی اور قربت حاصل کرنے کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ جس طرح رجی کے ذریعہ سے ڈول پانی تک پہنچتا ہے اسی طرح مال رشت خور حکام تک رسائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ فرمایا کہ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کے لیے مال کو حکام ری کا ذریعہ نہ بناو۔ (۲۶۲/۱)

### تدلیلیہ:

'ادلاء الدلو' سے نکلا ہوا محاورہ ہے۔ 'دلی فلانا بغورو' کے معنی اوقعہ فيما اراد من تغريده، اس نے اس کو جس فریب میں بٹلا کرنا چاہا اس میں بٹلا کر دیا، اس کو اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گیا، اس کو شیشہ میں اتار لیا۔ (۲۳۶/۳)

دم، کے معنی خون کے ہیں۔ (۲۵۵/۳)

**دفعہ:** 'دفعہ' کے معنی کسی کو اس طرح مارنے اور زخمی کرنے کے ہیں کہ وہ اس کا بھیجان کال  
وے۔ (۱۳۲/۵)

### ادھنی:

ادھنی دناءت سے ہے، یعنی کیا تم ایک اعلیٰ غذا کو ایک ادنیٰ اور گھٹھیا غذا سے بدنا  
چاہتے ہو، یہ من و سلوئی کی غذ ا تمہارے لیے تمہارے پروردگار نے مہیا فرمائی ہے اور تمہیں  
اس صحرائیں اس حالت میں مل رہی ہے کہ تم فرعونیوں کی غلامی اور شرک و کفر کی اطاعت کی  
ذلت سے بالکل آزاد ہو، روکھی چھکلی غذا جو آزادی کے ساتھ نصیب ہو رہی ہے غلامی اور  
ذلت کے طوے سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے۔ (۲۲۲/۱)

### دھان:

'دھان' کے معنی لوگوں نے تیل کے تلچھت کے بھی لیے ہیں لیکن یہ لفظ کھال کے  
معنی میں بھی معروف ہے۔ سرخی کی تشبیہ کے لیے کھال زیادہ موزوں ہے اس وجہ سے ہم  
نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے مقام میں 'و اذا السماء كشطت' (الْكَوِير.....)  
بھی آیا ہے جس کے معنی ہیں جب کہ آسمان بھی سرخ نظر آئے گا۔ یہاں اس کی سرخی کو سرخ  
کھال سے تشبیہ دی ہے، اور یہ تشبیہ نہایت موزوں ہے۔ (۱۳۱/۸)

**ادھان:** 'ادھان' کے معنی اغماض، بہل انگاری اور بے نیازی و بے احتنائی کے ہیں۔

(۱۸۵/۸)

### دار:

'دار' کا لفظ یہاں 'دیار' کے معنی میں ہے۔ چنانچہ سورہ ہود آیت ۲۵ میں لفظ 'دار'

استعمال ہوا، پھر انہی شہود کے ذکر میں آیت ۷۶ میں دیوار استعمال ہوا۔ یہ قرآن نے گویا خود لفظ کی تفسیر کر دی۔ (۳۰۲/۳)

**الذار:** الذار سے مراد، دار آخرت ہے۔ اس لیے کہ اصل متأخر کے ظہور کی جگہ وہی ہے (۱۶۹/۳)

### دون:

دون کا لفظ اپنے استعمالات کے لحاظ سے درے اور پرے، نیچے اور اوپر، آگے اور پیچھے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ قرینہ معین کرتا ہے کہ کہاں کیا مراد ہے۔ (۳۸۷/۲)

### الدین:

- دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔
- مذهب و شریعت کے معنی کے لیے مثلاً افghیر دین اللہ یغون (آل عمران ۸۳) کیا خدا کے اثارے ہوئے مذهب کے سوا وہ کسی اور مذهب کے طالب ہیں (ہیں)۔
- قانون ملکی کے لیے مثلاً ما کان اللہ لیا خذ اخاه فی دین الملک (یوسف ۷۶)۔ (اس کو بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے بھائی کو روک سکے)۔
- اطاعت کے معنی کے لیے مثلاً وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصْبَأْ (انحل ۵۲)۔ (اسی کی ملکیت ہے جو کچھماں انسانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت ہمیشہ لازم ہے)

۴۔ جزا کے معنی کے لیے مثلاً ائمہ اعلیٰ عدوں لصادق و ان الدین لواقع (الذاریات ۶) (جس چیز کی تمہیں دمکی نانی جا رہی ہے وہ حق ہے اور جزا اور زماں حق ہو کر رہے گی)۔ (جلد اصنف ۷۵)

### **دیناً قِيمًا:**

'دیناً قِيمًا'، 'صراط مستقیم' سے بدل ہے اور لحاظ اس کے موقع و محل کا ہے قیمت اور قیمت دونوں ہم معنی ہیں یعنی سیدھا اور فطری دین جس میں کوئی بھی اور انحراف نہیں ہے۔ قرآن میں یہ فقط ملت ابراہیم اور ملت اسلام کے لیے استعمال ہوا ہے اور مقصود اس سے اس ملت کے اس پہلو کو واضح کرنا ہوتا ہے کہ یہ اس زندگی و انحراف سے بالکل پاک ہے جو شرکیں، یہود اور نصاریٰ نے اپنے دین میں پیدا کر لیا۔ (۲۱۰/۳)

**دین:** کے معنی یہاں اطاعت کے ہیں۔ (۳۱۷/۳)

**مدین:** 'مدین' کے معنی ٹکون اور مقہور (under control) کے ہیں۔ (۱۸۶/۸)

### **تبذبب:**

'تبذبب الشی' کے معنی ہیں، چیز فضائل تکمیلی ہوئی حرکت کر رہی ہے۔ 'ذبذب الرُّجُل' کے معنی ہیں آدمی حیران و متعدد ہے۔ (۳۱۱/۲)

**ذاریات:** 'ذاریات' غبار اڑانے والی ہواں کو کہتے ہیں۔ (۵۷۸/۷)

### **نکر:**

'ذکر' بھی یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تعلیم، تذکیر، آگاہی،

تبیہ، نصیحت، موعظت، حصول عبرت اور اتمام تجھ سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔  
ان تمام مفہوموں میں یہ لفظ قرآن میں بھی آیا ہے۔ (۱۰۰/۸)

‘ذکر’ یہاں نماز اور ذکر و دعوت کی ان تمام شکلوں پر حاوی ہے جو اللہ کی یاد اور اس  
کے دین کی سر بلندی کے لیے اختیار کی جائیں۔ (۲۱۲/۵)

### ذکر (اللہ):

تمام مذکورہ بالا صفات کا شیخ اور ان کا حافظ ہے۔ بندہ جتنا ہی زیادہ اپنے رب کو یاد  
رکھتا ہے اتنی ہی صفات اس کے اندر راست و پختہ ہوتی ہیں۔ سارے دین کی حافظ درحقیقت  
اللہ کی یاد ہی ہے۔ اور نماز اللہ کے ذکر ہی کا دوسرا نام ہے۔ (۲۲۶/۶)

### ذکر:

‘ذکر’ کا ترجمہ بعض مترجمین نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے کیا ہے اور بعض  
اکابر نے سمجھنے کے لیے ہمارے نزدیک یہ دوسراترجمہ لفظ کی روح سے زیادہ قریب ہے، کو  
اصل لفظ کا پورا قائم مقام یہ بھی نہیں ہے۔ ‘ذکر’ کے اصل معنی یاد کرنے کے اور بیان  
کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ قرآن مجید میں کتاب آسمانی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً  
فاسئلوا أهل الذکر<sup>(۱۰۲)</sup> (اہل کتاب سے پوچھو) قرآن مجید کے لیے بھی یہ لفظ  
استعمال ہوا ہے مثلاً وهذا ذکر مبارک انزلناه<sup>(۱۰۳)</sup> (اور یہ مبارک ذکر ہے جس کو  
ہم نے اتارا ہے) قرآن مجید کے لیے بطریق صفت بھی استعمال ہوا ہے مثلاً والقرآن  
ذی الذکر<sup>(۱۰۴)</sup> (ذکر والے قرآن کی قسم)

قرآن مجید کو ‘ذکر’ کے لفظ سے تعبیر کرنے سے ایک خاص حقیقت کی طرف

اشارہ مقصود ہے۔ (مہادی قرآن، ۱۳۰-۱۳۱)

### اذکر:

‘اذکر’، ‘اددکر’، اور ‘اذدکر’، تینوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے

ہیں (۲۳۲/۳)

### تذکرہ:

‘تذکرہ’ کے معنی یادہ بانی کے ہیں جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوئے کہ قرآن مجید ہم کو جو کچھ تعلیم دیتا ہے وہ بالکل فطرت ہونے کی وجہ سے ایسی لشین ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم کو ہمارا ہی بھولا بسرا ہوا سبق یاد دلا رہا ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہا ہے جو ہمارے لیے انوکھی اور اور پری ہو۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی نیمرے دل میں ہے

### ذلک:

اہل نحو کہتے ہیں کہ ”ذلک“ اشارہ بعید کے لیے آتا ہے اور ”هذا“ اشارہ قریب کے لیے۔ اس سے عام طور پر لوگ اس غلط فہمی میں بٹلا ہو جاتے ہیں کہ اگر کسی فاصلہ کی چیز کی طرف اشارہ کرنا ہو تو ”ذلک“ لا میں گے اور اگر قریب کی کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا ہو تو ”هذا“ استعمال کریں گے۔ لیکن اہل نحو کا مطلب قریب اور بعید سے نہیں ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مخاطب کے علم میں ہے یا جس کا ذکر لفظوں میں ہو چکا ہے اگر اس کی طرف اشارہ کرنا ہو تو وہاں ”ذالک“ استعمال کریں گے اور اگر کسی ایسی چیز کی طرف اشارہ کرنا ہو جس کا ذکر آگے آ رہا ہو تو وہاں ”هذا“ لا میں گے۔ اہل زبان ان

دونوں اشارات کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی ان کو اس عام ضابطہ کے خلاف استعمال کرتے ہیں تو بлагاعت کے کسی نکتہ کو مخوض رکھ کر کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی سابق الذکر چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے 'هذا' استعمال کر دیں تو اس سے مقصود ہوتا ہے تو اس سے عموماً مقصود اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی شان اس سے ارفع ہے کہ اس کو سامنے لا کھڑا کیا جائے۔ (۲۹۶/۳)

ذلک کا اشارہ سورہ کے اس طرف ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ یہ آم قرآن عظیم کا ایک حصہ ہے۔ قرآن میں اس قسم کے اشارات کی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً حَمْ عَسْقٍ۔ كَذَالِكَ يُوحِي الْيَكَ وَ إِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (شوریٰ ۱-۳) (یہم، عشق ہے۔ اسی طرح خداۓ عزیز و حکیم تمہاری طرف وہی کرتا ہے اور اسی طرح اس نے ان لوگوں کی طرف وہی کی جو تم سے پہلے گزرے) طس تلک ایاث القرآن و کتاب مبین (انمل) (یہ طس ہے۔ یہ قرآن اور ایک کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔ (۸۵-۸۶) ۲۹۶/۳)

**ذل:** 'ذل' کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ (۲۹۶/۳)

### ذلة:

'ذلة' اور 'خزی' کے الفاظ اپنے عام استعمال میں ایک دوسرے کے مفہوم میں بھی آتے ہیں لیکن جب یہ دونوں ایک ساتھ آئیں جس طرح یہاں آئے ہیں تو ان کے درمیان ایک نازک سافرق ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں 'ذلت' سے مراد وہ ذلت ہوتی ہے جس کا احساس ایک ذلیل ہونے والا خود اپنے باطن میں کرتا ہے اور 'خزی' سے وہ

رسوائی مراد ہوتی ہے جو دوسروں کے سامنے اس کو ہوتی ہے۔ (۱۱۲/۵)

### اذلة:

‘اذلة’<sup>\*</sup> ذلیل کی جمع ہے۔ ذلیل عزیز کا مقابل لفظ ہے۔ عزیز کے معنی ہیں غالب، زور آور اور دوسروں کی دسترس سے باہر۔ ذلیل کے معنی کمزور، ناتوان اور دوسروں کے لیے قدر کے ہیں۔ اخلاقی رذالت اس لفظ کے بینا دی اجزا میں سے نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم بعیدہ میں سے ہے۔ چنانچہ یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً اذلة علی المؤمنین أعزَّةٌ علی الکافرین (المائدہ ۵۳) (وہ مسلمانوں کے لیے نہایت نرم اور کافروں کے لیے نہایت سخت ہیں) (۱۷۰/۲)

### ذکل:

‘ذکل’، ‘ذلول’ کی جمع ہے جس کے اصل معنی مطیع و منقاد کے ہیں<sup>(۱۰۵)</sup>۔ یہاں یہ ‘سبل’ کی صفت ہے اس وجہ سے اس کے معنی ہموار، سیدھے اور پٹھے ہوئے راستوں کے ہوں گے۔ (۳۲۸/۳)

\* اذلة، ذلیل، کی جمع ہے۔ عربی میں یہ لفظ، جیسا کہ آل عمران کی آیت ۱۲۳ کے تحت ہم بتا کرے ہیں، اچھے اور بُرے دنوں معنی میں آتا ہے۔ جب یہ اچھے معنوں میں آتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے تو اس کے معنی نرم خود، نرم مزان، فرمابردار، متواضع اور کل الافتیاد کے ہوتے ہیں۔ ذلول، گاللظگی اسی معنی میں آتا ہے۔ فرمابردار اونٹی کو ناقہ ذلول، کہتے ہیں۔ (۵۳۶/۲)

## ذنوب:

‘ذنوب’ بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہے۔ خالی ڈول کے لیے یہ لفظ نہیں آتا۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ لفظ حصہ اور فصیب کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ ابو ذوب کا ایک شعر ہے:

ل عمرک والمنا یا غالبات لکل بنی اب منها ذنبه<sup>(۱۰۶)</sup>

(تیری جان کی قسم، موت سے مفر نہیں، ہر باپ کے بیٹوں کے لیے اس میں سے حصہ ہے)۔

عمر بن حاصل کا شعر ہے:

**نهاب:** ‘فاذہب’ کے معنی دور دفع ہو۔ یہاں دھکار نے کے معنی میں آیا ہے۔

(۸۲/۵)

**دعیٰ:** ‘دعا’ کے معنی نمود، منظر، شان و شوکت۔ (۶۸۰/۳)

## ارضا:

اُرضا کے اصل معنی “بھیں دکھا” کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنی شریعت کی طرف اپنے بندوں کی رہنمائی اس طرح کی وحی کے ذریعہ سے بھی کرتا ہے جس کا مظہر قرآن مجید ہے اور کبھی روایا کشf میں براؤ راست اپنا کوئی فرشتہ پھیج کر اس کام کو عملہ دکھایا بتا بھی دیتا ہے جو مطلوب ہوتا ہے۔ اسی قسم کی رہنمائی قرآن مجید کی اصطلاح میں اراءت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جوانبیاء تشریف لائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رہنمائی زیادہ تر اراءت عی کے ذریعہ ہوتی تھی۔ یعنی یا تو روایا میں ان کو ایک بات

دکھادی جاتی تھی یا کوئی فرشتہ خداوندی ظاہر ہو کر مطلوب کام کی طرف رہنمائی کر دیتا تھا۔  
(۳۳۹/۱)

### ربیبہ:

ربیبہ، بیوی کی اس لڑکی کو کہتے ہیں جو اس کے سابق شوہر سے ہو۔ اس کو چونکہ خود اپنی لڑکی سے مشابہت حاصل ہے اس وجہ سے اس کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ (۲۷۶/۲)

### رب:

رب کے معنی پرورش کرنے والے اور مالک و آقا کے آتے ہیں۔ یہ دوسرا مفہوم اگر چہ پہلے مفہوم ہی سے اس کے ایک لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہوا ہے کیونکہ جو ذات پرورش کرنے والی ہے اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مالک اور آقا بنے۔ لیکن یہ مفہوم اس لفظ پر ایسا غالب ہو چکا ہے کہ اس سے الگ ہو کر محض پرورش کرنے والے کے لیے اس کا استعمال باقی نہیں رہا۔ (۵۶/۱)

عربی میں 'رب الممال' و 'رب البيت' اور 'رب الدار' وغیرہ کی ترکیبیں موجود ہیں۔ کتنے الفاظ زبان میں ایسے ہیں جو خدا کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور بندوں کے لیے بھی لیکن دونوں شکلوں میں ان کے مفہوم بالکل الگ الگ ہوتے ہیں۔ (۲۰۶/۳)

### ربی:

وہن، ضعف اور استکانہ کے الفاظ اگر چہ اظہار کمزوری کے مفہوم کے لیے کچھ مشترک سے ہیں لیکن ان تینوں میں ایک نازک سافرگ بھی ہے۔ موت سے خوف اور

زندگی کی محبت سے دل میں جو بڑی پیدا ہوتی ہے، یہ وہ ہن ہے۔ اس وہن سے ارادہ اور عمل میں جو تعطل پیدا ہوتا ہے وہ ضعف ہے۔ اس ضعف سے حریف کے آگے گھٹنے نیک دینے کا جو نتیجہ ظہور میں آتا ہے وہ استکانہ ہے۔ (۱۸۷/۲)

### ربانی:

ربانی کے معنی خدا پرست اور اللہ والے کے ہیں۔ یہ لفظ عربی میں عبرانی سے آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ رسمی کا لفظ تورات اور انجلیل میں بہت آیا ہے۔ صورت ذرا دونوں کی مختلف ہے لیکن معنا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ (۱۲۹/۲)

### مرابطہ:

مرابطہ، ربط الخیل سے ہے۔ اس کا اصلی ابتدائی مفہوم دشمن کے مقابلے اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جنگی گھوڑے تیار کر رکھنا ہے۔ اب گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور ہوائی جہازوں نے لے لی ہے اس وجہ سے حالات کی تبدیلی سے اس لفظ کا مفہوم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ مصاہرات کی ہدایت کے بعد یہ مرابطہ کی ہدایت دشمن کے مقابلے کے لیے اخلاقی تیاری کے ساتھ ساتھ مادی تیاری کی ہدایت ہے۔ (۲۳۳/۲)

‘رباط الخیل’ سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو خاص جنگ کے لیے تربیت دیے جائیں اور اسی غرض کے لیے محفوظ اور تیار رکھے جائیں۔ (۵۰۳/۳)

**ربط:** ‘ربط الله على قلبه’ کے معنی ہوں گے خدا نے اس کے دل کو قوت و عزیت دے دی۔ (۵۶۹/۳)

## ربوہ:

‘ربوہ’ کے معنی بلند و مرتفع زمین کے ہیں۔ استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتفع ہونے کے ساتھ ساتھ مسلط اور ہموار ہونا بھی اس کی خصوصیات میں سے ہے۔ قرآن میں اس کی صفت ایک دوسرے مقام میں ذاتِ قرار و معین (المؤمنون ۵۰) آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے ساتھ ہمواری بھی اس کے لوازم میں سے ہے۔ بلند اور ہموار زمین کے لیے آب و ہوا کی خوشگواری ایک مسلم شے ہے۔ اگر ایسی زمین پر باغ ہو تو اس کی بلندی ایک طرف تو اس کی خوش منظری کا باعث ہوتی ہے، دوسری طرف اس کو سیلا ب وغیرہ سے محفوظ کرتی ہے۔ نیز ہموار زمین پر ہونے کے سبب سے اس کے لیے اس طرح پھیل کر قہا ہو جانے کا اندریشہ بھی نہیں ہوتا جو ڈھلوان زمینوں کے باغوں اور فصلوں کے لیے ہوتا ہے۔ پھر آب و ہوا کی خوبی اس کی بار آوری کی حاضر ہوتی ہے۔ اگر موسم سازگار رہا تو پوچھنا ہی کیا ہے، اگر سازگار نہ ہوا جب بھی وہ پھیل دے جاتا ہے۔ (ارے ۲۱)

## رباء:

ربا یا ربہ رباء کے معنی بڑھنے اور زیادہ ہونے کے ہیں۔ اسی سے ”ربا“ ہے جس سے مراد وہ میں اضافہ ہوتا ہے جو ایک قرض دینے والا مجرد مهلت کے عوض اپنے مقرض سے اپنی اصل رقم پر وصول کرتا ہے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں میں یہ اصطلاح مذکورہ مفہوم کے لیے مشہور رہی ہے۔ اس کی شکلیں مختلف رہی ہیں۔ لیکن اس کی اصل حقیقت بھی ہے کہ قرض دینے والا قرضدار سے معین شرح پر صرف اس حق کی بنا پر اپنے دینے ہوئے روپے کا منافع وصول کرے کہ اس نے ایک خاص مدت کے لیے اس کو روپے

کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ اس امر کو اس کی حقیقت کے تعین میں کوئی دخل نہیں ہے کہ قرض کسی غریب و نادار کو دیا گیا ہے یا کسی امیر و تاجدار کو اور نہ اس بات سے اس میں کوئی فرق واقع ہوتا کہ قرض میت کی تجھیز و تکفین کے لیے دیا گیا ہے یا کسی رفاهی اسکیم کے لیے دیا گیا ہے، یا تجارت، زراعت اور صناعت کے کسی انفرادی یا اجتماعی منصوبے کے لیے دیا گیا ہے۔ جاہلیت اور اسلام دونوں میں رُو کی اصطلاح کا جو مفہوم مسلم رہا ہے اس میں ان ظاہری اختلافات سے سرِ مفرق واقع نہیں ہوتا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مقصد قرض یا قرضدار کی نوعیت و حیثیت کی تبدیلی رُو کی عرفی حیثیت کو بدلتی ہے ان کا خیال بالکل غلط ہے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ خود قرآن کے الفاظ سے اس خیال کی پوری پوری تردید ہو رہی ہے۔

(۲۳۰/۱)

### ربا:

اس مال کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو سودی قرض کے طور پر دیا جائے اور اس سود کو بھی کہتے ہیں جو کسی قرض پر حاصل کیا جائے۔ اس لفظ کو جن لوگوں نے ہدیہ یا عطا<sup>(۱۰۷)</sup> کے معنی میں لیا ہے انہوں نے بالکل غلط لیا ہے۔ یہ لفظ یہاں اس اسلوب پر استعمال ہوا ہے جس کو 'تسمیۃ الشی بِمَا یتول الیه' کہتے ہیں جس طرح 'انی اعصر خمرا'<sup>(۱۰۸)</sup> ہے۔

(۹۹/۶)

**دقع:** 'برتع' کا الفوی مفہوم تو یہ ہے کہ جے چے چکے اور کھیلے کو دے لیکن یہ نہایت خوب صورت تعبیر ہے پہنچ منانے کی۔ (۱۹۸/۳)

**دقق:** 'دقق' کے معنی بند اور فقط کے معنی کھولنے کے ہیں۔ (۱۳۰/۵)

**ارجاء:** ارجاء کے معنی نالئے، کسی معااملے کو کسی دوسرے وقت پر محول کرنے، کسی کو منتظر بنانے کے ہیں۔ (۲۲۵/۳) ارجاء، کے معنی کسی معااملے کو موخر اور ملتوی کرنے کے ہیں۔ (۲۳۰/۳)

### درجہ:

رجز اور رجس دونوں ایک ہی لفظ کی دو شکلیں ہیں۔ ان کا اصل مفہوم اضطراب اور ارتشاش ہے۔ یہیں سے یہ گندگی اور نجاست کے لیے استعمال ہوئے کیونکہ گندگی اور نجاست کو دیکھ کر طبیعت میں ایک قسم کا اضطراب اور سُنّتی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر یہ عذاب کے لیے استعمال ہوئے کیونکہ عذاب بھی دلوں میں ایک اضطراب اور کچھ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ من السماء (آسمان سے) کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس حادث کی نوعیت عام حوادث سے بالکل مختلف نوعیت کی تھی۔ اس میں قدرت کی غضبناکی کا پہلو بہت نمایاں تھا۔ تورات کے بعض مقامات میں اس مخصوص نوعیت کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

اگر یہ آدمی دیے ہی موت سے مریں جو سب لوگوں کو آتی ہے یا ان پر دیے ہی حادثے گزریں جو سب پر گزرتے ہیں تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں ہوں پر اگر خداوند کوئی نیا

\* 'رجز' اور 'رجس' سب قریب اخراج اور تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں۔ اس کا استعمال اس گندگی کے لیے ہوتا ہے جس کو دیکھ کر طبیعت میں ارتشاش اور گھن پیدا ہو۔ (۲۵/۹)

'رجز' اس زمانی عذاب کو کہتے ہیں جو کچھ پیدا کر دے۔ (۲۰۹/۷)

کر شدہ دھائے اور زمین اپنا منہ کھول دے اور ان کو اس کے گھر یا رسیت نگل جائے اور یہ جیتے جی پاتال میں سما جائیں تو تم جاننا کہ ان لوگوں نے خداوند کی تحریر کی ہے۔ (گنتی باب

(۲۲۱/۱۶) (۳۰-۲۹)

### رجسٰ:

'رجسٰ' کے معنی گندگی اور ناپاکی کے ہیں اور اس سے مراد یہاں کفر و شرک اور اعمال و عقائد کی گندگی و ناپاکی ہے۔ 'رجسٰ' اور 'غضب' میں لازم و ملروم کارشته ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو تو اب اس میں درنہیں ہے، آیا ہی سمجھو، اس لیے کرجس ناپاکی و گندگی سے خدا کا غضب بھڑکتا ہے اس کی بہت بڑی کھیپ تم نے اپنے اوپر لا دلی ہے۔ 'رجسٰ' کا اتنا بڑا انبار جمع کر لینے کے بعد اب خدا کے صاعقہ عذاب کو دور نہ سمجھو۔ (۳۰۳/۳)

**رجع:** یہ لازم اور متعددی دونوں آتا ہے۔ (۲۱۸/۳)

### رجع:

'رجع' کی تعریف اہل افت نے 'المطر بعد المطر' سے کی ہے۔ یعنی وہ بارش جو یکے بعد دیگرے ہوتی اور زمین کو زندگی و شادابی بخشتی ہے۔ (۳۰۳/۹)

**رجھی!**: 'رجھی' مصدر ہے 'بُشْرَى' کے وزن پر، لونٹے کے معنی میں۔

(۲۵۶/۹)

### رجفةٰ:

'رجفةٰ' کے معنی شدت کی حرکت، کچکی، اور قصر راہث کے ہیں۔ یہ اس عذاب کی

تعییر ہے جو قوم ثمود پر آیا۔ قرآن نے اس عذاب کو دوسری جگہ 'صیحة' <sup>(۱۰۹)</sup> سے بھی تعییر کیا ہے جس کے معنی ڈانٹ کے ہیں، بعض جگہ 'صاعقة' سے بھی تعییر کیا ہے (مثلاً صاعقة عاد و ثمود <sup>(۱۱۰)</sup>) جس کے معنی کڑک کے ہیں، سورہ حاتمۃ میں 'طاغیہ' سے تعییر کیا ہے (فاما ثمود فاہلکوا بالطاغیة) <sup>(۱۱۱)</sup> جس کے معنی حد سے بڑھ جانے والی کے ہیں۔ مولانا فراہی نے سورہ ذاریات کی تفسیر میں عاد و ثمود دونوں قوموں کے عذاب کی نوعیت پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ آخر میں خلاصہ بحث ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

"اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ نے سرمائی بادلوں، تند ہوا اور ہولناک کڑک کا عذاب بھیجا۔ چونکہ اصل تباہی زیادہ تر ہوا کے تصرفات سے واقع ہوئی اس وجہ سے اگر اثر سے موثر پر استدلال کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے تو یہ بات بھی نکلی ہے کہ ثمود پر اللہ تعالیٰ نے سرمائی دھاریوں والے بادل بھیجے جن کے اندر ہولناک کڑک اور بہری کر دینے والی چیز بھی چھپی ہوئی تھی جس طرح کہ قوم عاد پر رعد و برق والے بادل بھیجے" <sup>(۱۱۲)</sup>۔

بہر حال 'رجفة' کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ زلزلہ کا عذاب تھا۔ 'رجفة' مجرد عذاب کی تعییر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شمال کی باد تند، جس کو صرکتہ ہیں، چلی اور وہ اتنی سخت و شدید ہو گئی کہ اس نے ہر چیز کو ہلا کر رکھ دیا۔ کڑک کی شدت ایسی بے پناہ ہوئی کہ لوگ اوندھے منہہ زمین پر پڑ رہے اور اسی حال میں ہلاک ہو گئے۔ (۳۰۲/۳)

### راجفة:

'راجفة' کے معنی کچھ اور زلزلہ کے ہیں اور 'رادفة' کے معنی پہلے جھٹکے کے بعد

دوسرا جملے کے۔ قیام کی پہلی صورت کی دو پہنچوں میں مکمل ہوگی۔ یہاں <sup>(۱۱۳)</sup> انہی دونوں پہنچوں کے اثرات کی طرف اشارہ ہے۔ مقصود اس سے مکذبین قیامت پر اس حقیقت کا انہمار ہے کہ قیامت کے ظہور کو بہت مستبعد اور ناممکن نہ سمجھو۔ بس دو جملوں میں یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ (۱۷۸/۹)

**ارجاف:** 'از جاف'، کے معنی لوگوں کے اندر اضطراب و بے چینی پھیلانے کے ارادے سے بُری اور فتنہ انگیز خبروں کا پروپیگنڈا کرنا ہے۔ (۲۷۱/۶)

**رجال:** 'رجال'، 'رجل'، کی جمع ہے جس کے معنی پیادہ چلنے والوں کے ہیں۔ (۲۳۳/۵) رجال، راجل کی اور رکبان، راکب کی جمع ہے۔ فرمایا کہ اگر دشمن نے حالت خطرے کی پیدا کر کر کی ہو، نماز اپنے تمام شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنی ممکن نہ ہو تو سوار پیادہ جس حال میں ہوا سی حال میں نماز ادا کرو۔ خطرے کے حالات میں نماز کی محافظت یہی ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ وہ شکل بھی بتا دی گئی ہے جو خطرے کے حالات میں نماز با جماعت کے قیام کے لیے اختیار کی جاسکتی ہے اگر اس کا امکان ہو۔ (۵۵۳/۱)

## رجال:

'رجال' کا لفظ یوں تو اپنے عام مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن عربیت کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس سے بالعموم نمایاں اور ممتاز اشخاص مراد ہوتے ہیں۔ مثلاً رجال لا تلهیهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله — النور ۳۲ (ایسے رجال جن کو تجارت اور خرید و فروخت یاد ایسی سے غافل نہیں کرتی) 'من المؤمنين رجال صدقوا ما عهدوا الله عليه — الاحزاب ۲۳ (اور ایں ایمان میں ایسے رجال ہیں

جنہوں نے اس عہد کو حکم کیا جو خدا سے انہوں نے باندھا) یہیں آیت ۳۸ میں بھی یہ لفظ ائمہ کفر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ونادی اصحاب الاعراف رجلاً یعرفونهم بسمہم قالوا ما اغنى عنکم جمعکم و ما کنتم تستکبرون (اور اعراف والے کچھ اشخاص کو جن کو وہ ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے پکاریں گے، کہیں گے بتاؤ کیا کام آئی تھا راجع اور کیا کام آیا تھا راجحہ) (۲۶۶/۳)

**رجیم:** 'رجیم' مقابل ہے 'کریم' کے۔ (۲۳۱/۹) 'رجیم' کے معنی سنگ سار کردہ کے ہیں۔ (۲۵۱/۳)

### مرجوٰ:

'مرجوٰ' سے مراد وہ شخص ہے جس کی اٹھان ایسی رہی ہو کہ وہ قوم و قبیلہ کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بن جائے اور لوگ مستقبل میں اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرنے لگیں۔ (۱۵۲/۳)

### رحمان و رحیم:

اسم 'رحمان' غضبان اور سکران کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور 'اسم رحیم' علیم اور کریم کے وزن پر صفت کا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ 'رحیم' کے مقابل میں رحمان میں زیادہ مبالغہ ہے اس وجہ سے 'رحمان' کے بعد 'رحیم' کا لفظ ان کے خیال میں ایک زائد لفظ ہے جس کی چند اس ضرورت تو نہیں تھی لیکن یہ تاکید مزید کے طور پر آگیا ہے ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان کے استعمال کے لحاظ سے قullan کا وزن جوش و خروش اور یہجان پر دلیل ہوتا ہے اور فعلی کا وزن دوام و استمرا اور پاسیدری و

استواری پر۔ اس وجہ سے ان دونوں صفت میں سے کوئی صفت بھی برائے بیت نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ایک خدا کی رحمت کے جوش و خروش کو ظاہر کر رہی ہے دوسرا اس کے دوام و تسلیل کو غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ خدا کی رحمت اس خلق پر ہے بھی اسی نوعیت سے۔ اس میں جوش ہی جوش نہیں ہے بلکہ پائداری اور استقلال بھی ہے۔ اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ اپنی رحمانیت کے جوش میں دنیا پیدا تو کر ڈالی لیکن پیدا کر کے پھر اس کی خبر کیری اور گھبڑا شست سے عاقل ہو گیا ہو بلکہ اس کو پیدا کرنے کے بعد وہ پوری شان رحمانیت کے ساتھ اس کی پرورش اور گھبڑا شست بھی فرم رہا ہے۔ بندہ جب بھی اسے پکارتا ہے وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اسکی دعاوں اور انجاوں کو شرف قبولیت بخشا ہے۔ پھر اس کی رحمتیں اسی چند روزہ زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ جو لوگ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں گے ان پر اس کی رحمت ایک ایسی ابدی اور لا زوال زندگی میں بھی ہو گی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ یہ ساری حقیقت اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتی جب تک یہ دونوں مل کر <sup>(۳۴)</sup> اس کو ظاہر نہ کریں۔ (۲۹/۱)

ایک دوسری جگہ یہ بات تصریح کے ساتھ کہی گئی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا، اس کونطق کی قابلیت عطا فرمائی اور اس کو قرآن کی تعلیم دی۔ فرمایا ہے:

الرحمن عَلِمُ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ خَدَأَتْ رَحْمَنَ نَّهَ قُرْآنَ سَكَحَا يَا، اس نے عَلَمَهُ الْبَيَانَ (الرحمن ۱. ۳۰) انسان کو پیدا کیا اور اس کو گویا یا کی تعلیم دی جس طرح قرآن مجید خدا کی صفت رحمانیت کا مظہر ہے اسی طرح اس کی صفت رحمانیت ہی ہے جو قرآن کے فتح باب کی کلید ہے، اسی سے اس کے بندرووازے کھلیں گے،

اسی سے اس کی مشکلیں آسان ہوں گی اسی منع فیض سے قاری پر معافی و حقائق کا نیضان ہو گا  
اور اسی کے سہارے وہ بھی و گمراہی اور نفس اور شیطان کی آنتوں سے محفوظ رہے گا۔  
(۲۶۱-۲۷۲)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمان اور حیم ہونے کا یہ لازمی نتیجہ قرار دیا ہے کہ  
ایک ایسا دن وہ لائے گا جس میں اچھوں اور بروں کے درمیان انصاف کرے، نیکوکاروں کو  
ان کی نیکیوں کا حصہ دے، اور بدکاروں کو ان کی برائیوں کی سزا دے۔ ایک رحمن اور حیم، سنتی  
کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ظالم اور مظلوم، نیکوکار اور بد، باغی اور وفا دار دونوں کے  
ساتھ ایک ہی طرح کا معاملہ کرے، ان کے درمیان ان کے اعمال کی بنا پر کوئی فرق نہ  
کرے۔ نہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دے نہ مظلوم کی مظلومیت کا ظالم سے انتقام لے۔ اگر  
زندگی کا یہ کارخانہ اسی طرح ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد جزا اور انعام و انتقام کا کوئی  
دن آتی نہیں ہے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ العیاذ باللہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کی  
نگاہوں میں تلقی اور مجرم دونوں برابر ہیں بلکہ مجرم نسبتاً اچھے ہیں جن کو جرم کرنے اور فساد برپا  
کرنے کے لیے اس نے آزاد چھوڑ رکھا ہے۔ یہ چیز بد لہٰۃ غلط اور اس کے رحمن و حیم ہونے  
کے بالکل منافی ہے چنانچہ اس نے نہایت واضح الفاظ میں اس کی تردید فرمائی۔ مثلاً:

افجعل المسلمين كيام اطاعت کرنے والوں کو مجرموں کی طرح  
کال مجرمين مالکم كيف کر دیں گے تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیا فیصلہ کرتے ہو؟

تحکمون (القلم ۳۶)

اور اپنے رحمن اور حیم ہونے کا یہ لازمی نتیجہ بتایا۔ بے کہ ایک دن وہ سب کو جمع کر کے انصاف  
کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدل دے گا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

كتب على نفسه الرحمة اس نے اپنے اور پر رحمت واجب کر لی ہے وہ  
لی جمع عنکم الی یوم القيمة لا قیامت تک جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔  
ریب فیہ۔ (۱۱۵)

اس آیت سے صفحہ واضح ہے کہ قیامت دراصل خدا کی رحمت کا مظہر ہے۔ اللہ  
تعالیٰ نے اپنے اوپر رحمت واجب کر لکھی ہے اس وجہ سے وہ فیصلہ کا ایک دن ضرور لائے گا  
جس میں وہ سب کو اکٹھا کر کے ان کے درمیان انصاف فرمائے گا۔ اور یہ بھی یعنی اس کی  
اس رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ اس دن کسی کی مجال نہ ہو گی کہ اس کے فیصلوں میں کوئی مداخلت  
کر سکے اور اپنے شفشاروں سے حق کو باطل یا باطل کو حق بنائے بلکہ ہر ایک کے لیے بالکل  
بے لاغ اور پورا پورا انصاف ہو گا۔ (۲۳-۲۴)

**رحم:** 'رحم' کے معنی رقت قلب، ہمدردی اور محبت و شفقت کے ہیں۔ 'خیراً منه  
زكوةً واقرب رحمةً'۔ یعنی طبیعت اور اخلاق کی پاکیزگی اعتبار سے اس سے بہتر اور درود  
مند اور مردودت کے اعتبار سے اس سے زیادہ پاس و لحاظ والا۔ (۲۰۹/۳)

**ارحام:** 'ارحام' 'قرابات' یعنی رشتہ ناتے کے مفہوم میں ہے۔ (۳۲۷/۸)  
ارحام سے مراد حجی رشتے ہیں۔ (۲۳۶/۲)

**رحمۃ:** 'رحمۃ' یہاں (۱۱۴) بارش کے مفہوم میں ہے اور یہ لفظ اس معنی میں جگہ جگہ  
قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ (۲۷۶/۵)

**رِذْءَ:** 'رِذْءَ' کے معنی مدگار معین کے ہیں۔ دوسرے مقامات میں اسی مفہوم کے لیے  
وزیر، استعمال ہوا ہے۔ (۱۱۸)

**مرقد: مرد، کا ترجمہ میں نے آمی کار کیا ہے۔ (۲۸۱/۳)**

**رادفة: دیکھیں ”راجفة“۔**

**ارداد: ارادف، کے معنی ’توالی‘ یعنی کیے بعد دیگرے ظاہر ہونے کے ہیں۔**

(۲۳۳/۳)

**متردیتہ: جو اوپر سے نیچے گر کر مر جائے۔ (۳۵۶/۲)**

**رزق:**

یہ لفظ عربی زبان میں بھی اور قرآن میں بھی رزق مادی اور رزق روحانی دونوں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ صرف کھانے پینے کی چیزوں ہی کو رزق نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اصلی رزق وہ علم و معرفت ہے جو قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں حاصل ہوا ہے۔ اس وجہ سے وہی کو قرآن نے رزق کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ<sup>(۱۹)</sup> اس کلہ سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔ (۱۳۱-۱۳۰)

’رزق‘ سے مراد یہاں حکمت و معرفت ہے۔ قرآن نے وہی وہدایت کے لیے یہ لفظ ایک سے زیادہ مقامات میں استعمال کیا ہے۔ تورات اور انجیل میں بھی یہ تعبیر موجود ہے۔ حضرت مسیح کا ارشاد مشہور ہے کہ آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔ آگے والی آیت میں آرہا ہے کہ حضرت زکریا حضرت مریم کی علم و معرفت کی باتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے چیرانہ سالی میں، یہوی

کے بانجھ ہونے کے باوجود، اپنے لیے بھی ایسی ہی اولاد صالح کی دعا مانگی۔ ظاہر ہے کہ حضرت زکریا جیسے صاحب معرفت کو سیب و انگور والا رزق اس درجہ متاثر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ یہ کرشمہ دیکھ کر اولاد کی دعا شروع کر دیں۔ اس طرح کی باتیں ارباب کمال کے ہاں کوئی خاص درجہ و مرتبہ نہیں رکھتی ہیں۔ حضرت زکریا جیسے صاحب کمال تو متاثر ہو سکتے تھے تو کسی ایسے ہی رزق روحاںی سے متاثر ہو سکتے تھے جو خود ان کی اشتہائے روحاںی کو بھی بھڑکادے، جس کو دیکھ کر وہ بھی عش عش کراٹھیں اور جوان کے اندر بھی تنا پیدا کر دے کہ کاش ان کی نسل سے بھی کوئی اس کمال کا حامل اٹھے۔ (۷۸۲)

### (اصحاب) الرس:

‘اصحاب الرس’ کی تحقیقت میں مجھے افسوس ہے کہ اب تک کامیابی نہ ہو سکی۔ ابن جریر<sup>(۱)</sup> نے متعدد نام ذکر کیے ہیں لیکن ان میں سے کسی پر ان کو خود بھی اطمینان نہیں ہے۔ انہوں نے بحث کے آخر میں یہ ظاہر بھی کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی کے متعلق بھی دلیل کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جاسکتی<sup>(۲)</sup>۔

صاحب کشف<sup>(۳)</sup> نے دوسرے ناموں کے ساتھ قوم شعیب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے بلکہ اسی کو مقدم رکھا ہے لیکن یہ بات کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سورہ ق میں اصحاب الرس اور اصحاب الایکہ دونوں نام الگ الگ و مستقل قوموں کے لیے آئے ہیں اور اصحاب الایکہ سے خود قرآن کی تصریح کے مطابق، اصحاب مدین یعنی حضرت شعیب کی قوم کے لوگ مراد ہیں۔ اگر اصحاب الرس سے قوم شعیب مراد ہوتی تو پھر اس کے ساتھ اصحاب الایکہ کے ذکر کا کیا محل تھا!

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن (۱۹۲۲) میں اس سے اساعیلی قابل کے بارہ سلسوں میں قید ماکور ادیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اس کے حالات بالکل مجبول ہیں۔ حالات کے مجبول ہونے سے قطع نظر بنی اساعیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی رسول کی بعثت ثابت نہیں ہے اور یہاں اصحاب الرس کا ذکر جس سیاق میں آیا ہے اس سے یہ بات واضح ہے کہ ان کی طرف رسول کی بعثت ہوئی اور انہوں نے عاد و ثمود کی طرح اس کی تکذیب کی۔

بہر حال ان کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب کی اقوام بائمه میں سے کسی قوم کا حوالہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیجا لیکن اس نے اس رسول کی تکذیب کی اور سنتِ الہی کے مطابق مستحق عذاب شہری۔ شعراءِ جاہلیت میں زہیر نے وادیِ رس کا ذکر کیا ہے۔

و هن و وادی الرس کالبد للغم (۱۹۳) (اور وہ اور وادیِ رس اس طرح تھے جس طرح منہ کو ہاتھ) (۳۶۸/۵)

**رسُّل:** 'رسُّل' سے مراد یہاں (۱۹۳) فرشتے ہیں۔ (۱۵۲/۳)

### مرسلت:

'مرسلت' کے معنی چھوڑی ہوئی کے ہیں۔ یہ لفظ (۱۹۵) ہواں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں نے اس سے ملاںکہ کوئی مراد لیا ہے لیکن بعد کی صفات جیسا کہ واضح ہوگا۔ اس سے ابا کرتی ہیں۔ (۱۳۱/۹)

### رواسی:

'رواسی' عربی میں پہاڑ کی صفت کے لیے آتا ہے اور یہ صفت ایسی مشہور ہو گئی کہ

موصوف کے قائم مقام، کی حیثیت سے استعمال ہوتی ہے۔ (۱۳۱/۵)

### (قدور) رسمیات:

وہ بڑی بڑی دلگیں جو اتنی بھاری بھر کم ہوتیں کہ آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاسکتی تھیں۔ وہ ایک ہی جگہ چلوپوں پر نصب رہتیں اور یہک وقت منوں کے حساب سے ان میں کھانا پکتا۔ (۳۰۲/۶)

**مرسی:** 'مرسی' کے معنی لنگر انداز ہونے کے ہیں۔ (۱۸۷/۹)

### رشد:

'رشد' کے معنی ہیں اس نے ہدایت اور استقامت پائی 'رشد امراء' کے معنی ہوں گے اس نے اپنے معاملے میں ہدایت پائی وہیئی لنا من امرنا رشدنا، (۱۳۲) کا مفہوم ہو گا کہ اے ہمارے رب ہمارے لیے اس راہ میں جو ہم نے اختیار کی ہے تو ہنسائی اور استقامت کا بدر قدمہ فرم۔ (۵۶۷/۳) 'رشد' سے مراد ہدایت و معرفت ہے۔ (۱۵۸/۵)

**مرصاد:** 'مرصاد' گھات لگانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ (۳۵۶/۹)

### مرا عاة:

راعن امراءات سے امر کا صیغہ ہے۔ اگر مخاطب نے متکلم کی بات اچھی طرح سنی یا سمجھی نہ ہو تو متکلم کو پھر متوجہ کرنے کے لیے عربی میں راعنا کا لفظ ہے یعنی ذرا ہمارا خیال فرمائیے، پھر ارشاد ہو۔ جس طرح انگریزی میں (I Beg Your Pardon) ہے۔ عربی میں اسی موقع محل کے لیے اُنظرنا کا لفظ بھی ہے جو نظر سے امر کا صیغہ ہے۔

اس کا معنی دیکھنے، مہلت دینے، انتظار کرنے اور توقف کرنے کے ہیں۔ (۲۹۳/۱)

‘رَاعِنَا’ کے لفظی معنی ہیں، ذرا ہماری رعایت فرمائیے۔ اس لفظ کا اچھا محل استعمال یہ ہے کہ اگر خاطب نے متكلم کی بات اچھی طرح سنی یا سمجھی نہ ہو یا بات اسکی لطیف اور حکیمانہ ہو کہ خود متكلم کی زبان سے اس کو مکر رستا چاہے تو اس کو دوبارہ متوجہ کرنے کے لیے جس طرح ہمارے ہاں کہتے ہیں، پھر ارشاد ہو، پھر فرمائیے، اسی طرح عربی میں ‘رَاعِنَا’ کہتے ہیں۔ یہ لفظ سامع کے ذوق و شوق اور اس کی رغبت علم کی دلیل ہے۔ لیکن یہودی اشارة ‘الْلَّيْ لسان’ یعنی زبان کے تو ڈرم و ڈر کے ذریعہ سے اس کو بھی طنز کے قابل میں ڈھال لیتے تھے۔ اس کی شکل یہ ہوتی کہ ‘رَاعِنَا’ میں ‘ع’ کے کسرہ کو زراد باو تجویز کرنے لفظ ‘رَاعِينَا’ بن جائے گا اور اس کے معنی ہوں گے ”ہمارا چہرہ“۔ قرآن نے یہودی اس شرارت کی وجہ سے اس لفظ کو سرے سے مسلمانوں کے مجلسی الفاظ ہی سے خارج کر دیا اور اس کی جگہ ”انظرنَا“ کے استعمال کی ہدایت فرمائی جس کے معنی ہیں ذرا ہمیں مہلت عنایت ہو، ذرا پھر توجہ فرمائیے۔ یعنی مفہوم کے لحاظ سے ٹھیک ٹھیک ‘رَاعِنَا’ کا قائم مقام ہے اور اس میں لہجہ کے بگاڑے کی بگاڑ کے پیدا کیے جانے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ (۳۱۰/۲) (۱۷۸)

## رضوان:

رضوان کے معنی تو خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے ہیں۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ بالعلوم جنت کے نعمتوں کی ایک جامع تعبیر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جب اس کا ذکر ہو گیا تو گویا ہر نعمت کا ذکر ہو گیا۔ اس کا بھی جس کے لیے تعبیر کا کوئی جامہ موجود ہے اور اس کا بھی جو گمان و خیال اور قیاس و وہم ہر چیز سے بالاتر ہے۔ (۳۳/۲)

‘رضوان’، جس طرح لعنت تمام قسموں اور ابدی محرومیوں کی ایک جامع تعبیر ہے، اسی طرح ‘رضوان’ تمام رحمتوں اور لازواں و بے پایاں نعمتوں اور مسرتوں کی ایک جامع تعبیر ہے۔ (۲۰۵/۳)

**مراغم:** ‘مراغم’ کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں انسان نکل کے جاسکے۔ (۳۶۵/۲)

**رفد:** ‘رفد’ کے معنی عطیہ اور انعام کے ہیں۔ (۱۶۵/۳)

**رفع:**

‘رفع’ یہاں <sup>(۱۴۹)</sup> بنانے اور تغیر کرنے کے معنی میں ہے۔ مثلاً وادی برفع ابراہیم القواعد من البيت (البقرہ: ۱۲۷) (اور یاد کرو جب کہ ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں تغیر کر رہے تھے۔) (۳۱۲/۵)

**رفع:**

اس کے معنی مجر درفع درجات لینا صحیح نہیں ہے۔ اس صورت میں الی کا لفظ بالکل بے ضرورت ہو کر رہ جاتا ہے اور قرآن میں کوئی لفظ بے ضرورت استعمال نہیں ہوا ہے۔ اگر صرف درجے کی بلندی کا اظہار مقصود ہوتا تو عربیت کے لحاظ سے ‘رافعک’ کافی تھا۔ ‘الی’ کی ضرورت نہیں تھی۔ قرآن میں دیکھ لجئے جہاں بھی یہ لفظ بلندی مرتبہ کے مضمون کے لیے استعمال ہوا ہے بغیر الی کے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

منهم من کلم الله ورفع بعضهم اور ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے بات کی اور بعض کے مدارج بلند کیے۔ (درجات (البقرہ ۲۵۲)

ولو شنا لرفعه بها ولکہ اخلد اور اگر ہم جاہتے تو ان آیات کے ذریعے سے ان کا رتبہ  
الی الارض (الاعراف ۱۷۶) بلکہ کرتے لیکن وہ تو برا بر زمین ہی کی طرف جھکارہ۔  
ورفعناه مکاناً علیاً (مریم ۵۷) اور ہم نے اس کو فائز کیا اونچے درجے پر۔

اگر حرف 'الی' کا صحیح صحیح حق ادا کیا جائے اور یہ حق ادا کرنا ضروری ہے تو رافعک  
الی، کے معنی یہ ہوں گے کہ میں تم کو عزت و اکرام کے ساتھ اپنی جانب اٹھائیں والا ہوں۔  
چوتھا یہ کہ قرآن نے دوسرے مقام میں جہاں یہ مضمون بیان کیا ہے وہاں  
متوفیک کا لفڑا بالکل اڑا دیا ہے، قتل اور سوی کی نفی کے بعد جس چیز کا اثبات کیا ہے وہ  
صرف اٹھائیے جانے کا ہے۔ بل رفعہ اللہ الیہ (بلکہ اللہ نے اس کو اپنی جانب اٹھا  
لیا)۔ یہ اس بات کا نہایت واضح قرینہ ہے کہ قرآن نے یہ تَوْقِی کی اصل شکل بتائی ہے  
کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی جانب اٹھایا۔ آیت ملاحظہ ہو:

و ما قتلواهُ و ما صلبواهُ و لکن اور نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ اس کو سوی دی  
شَيْهَ لَهُمْ وَأَنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ بِلَكَهُ مَعْالِمَهُنَّ كَيْفَيْنَ لَهُمْ وَأَنَّهُمْ لَوْلَوْ  
لَفِي شَكِّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ بَارِئَةٍ مِنْهُمْ فِي أَنَّهُمْ مِنْ أَنْوَارِ  
عِلْمٍ لَا اتَّبَاعُ الظَّنِّ وَمَا قُتْلُوهُ سَكَنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ وَلَا هُمْ  
يَقِنَّا بِأَنَّ رَفِعَهُ اللَّهُ الِّيْهِ وَكَانَ عِلْمُ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اللَّهُ عَزِيزٌ حِكْمَاءٌ اَنَّهُمْ نَبِيُّنَا مَكَانٌ كَيْفَيْنَ نَبِيُّنَا كَيْفَيْنَ كَيْفَيْنَ  
اَنَّهُمْ لَهُمْ بِهِ مِنْ أَنْوَارٍ وَلَا هُمْ بِنَبِيِّنَا بِأَنَّهُمْ مِنْ أَنْوَارِ  
اَنَّهُمْ لَهُمْ بِهِ مِنْ أَنْوَارٍ وَلَا هُمْ بِنَبِيِّنَا بِأَنَّهُمْ مِنْ أَنْوَارِ  
(۱۵۷. ۱۵۸)

یہ آیت سب سے زیادہ موزوں مقام اپنے اندر رکھتی تھی اس بات کے بیان کے  
لیے کہ حضرت عیسیٰ کی موت کس طرح ہوئی؟ اس لیے کہ یہاں قرآن نے بڑی تاکید اور

شدت کے ساتھ ان لوگوں کی تردید کی ہے جو ان کے قتل یا ان کی سولی کے مدعی تھے۔ اگر آپ کی موت واقع ہوئی ہوتی تو اس موقع پر قرآن صاف صاف یوں کہتا کہ نہ ان کو قتل کیا گیا اور نہ ان کو سولی دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو وفات دی۔ لیکن قرآن نے نہ صرف یہ کہ یہ کہا نہیں بلکہ یہاں توفی کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا، صرف رفعہ اللہ الیہ کا لفظ استعمال کیا۔ ہر صاحب ذوق اندازہ کر سکتا ہے کہ قتل اور سولی کی نئی کے بعد اس رفع سے موت مراد یعنی کی کس حد تک گنجائش ہے۔ (۱۰۲/۲ - ۱۰۳/۲)

### مرتفقاً:

‘مرتفقاً’ کے معنی تیک لگانے کی جگہ کے ہیں۔ ہم نے اس کے وسیع مفہوم کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ٹھکانا کیا ہے۔ (۵۸۱/۳)

### رق:

‘رق’، باریک کھال کو کہتے ہیں جو زمانہ قدیم میں لکھنے کے مصرف میں آتی تھی اور تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات شروع شروع میں صاف کی ہوئی باریک کھالوں ہی پر کھی جاتی جو طور کی شکل میں لپیٹ کر رکھی جاتیں اور تلاوت کے وقت ان کو پھیلایا جاتا۔ (۱۶/۸ - ۱۷/۸)

### مرقوم:

### رقیم:

‘رقیم’ کے بارے میں ہمارے نزدیک راجح قول وہ ہے جس کی روایت عکرم نے کی ہے (۱۰۳/۴) کہ حضرت کعب کا خیال تھا کہ رقیم اس بستی کا نام تھا جس سے نکل کر اصحاب

کہف نے غار میں پناہ لی۔ رقمی وادی کو بھی کہتے ہیں۔ ناموں کے بارے میں یہ تحقیق کر ان کی اصل کیا ہے غیر ضروری بھی ہے اور نہایت مشکل بھی۔ عجمی نام عربی کے قابل میں آکر اس قدر بدل جاتے ہیں کہ ان کی اصل کی تحقیق کوہ کنی کے مترادف بن جاتی ہے اور مقصد تعلیم کے پہلو سے اس کی کوئی خاص اہمیت تھی۔ لیکن یہ نام جیسا کہ ہم نے عرض کیا عرب کے اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کا اختیار کر دہ ہے۔ قرآن نے اسی کو اختیار کر لیا ہے۔ دورِ حاضر کے بعض محققین کی رائے میں رقمی وہی شہر ہے جسے پیرا کے نام سے شہرت ملی اور عرب اسے بطراء کے نام سے جانتے ہیں۔ (۵۶۷/۳)

**رکبان:** دیکھیں حاشیہ ”رجال“۔

**رکوس:**

رکس الشی، کے معنی ہیں چیز کو اٹ دیا اور کسہ، اس کو اونڈھا کر دیا، اور کس الشی، چیز کو اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دیا۔ (۳۵۸-۳۵۷/۲)

**رکوع:**

..... رَكْعُ الرَّجُلِ، کے معنی ہوتے ہیں ”افتقروا نحطت حاله“ اس وجہ سے فروتنی، انقفار، نیازمندی، عاجزی اور دل شکستگی اس لفظ کی اصل روح ہے۔ نماز میں رکوع، درحقیقت آدمی کے دل کی اسی حالت کی تعبیر کی ایک عملی شکل ہے۔ (۵۲۹/۲)

”رکوع“ کے معنی آگے کی طرف جھک پڑنے، تواضع ظاہر کرنے اور فقر و غربت سے پست ہو جانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں اس سے مراد نماز ہوتی ہے اس لیے کہ یہ نماز کے اہم ترین اركان میں سے ہے۔ (۱۸۵/۱)

**رمیم:** 'رمیم'، لکڑی، رسی اور ہڈی وغیرہ کے بوسیدہ لکڑوں اور ریزروں کو کہتے ہیں۔  
(۲۱۷/۷)

### دھنی:

'دھنی'، تیر مارنے، کنکر پھر پھینکنے خاک اور راکھ جھونکنے، سمجھی کے لیے آتا ہے۔  
روايات میں ہے (۱۳۳) کہ جب کفار کی فوجیں سامنے ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ نے مٹھی  
بھر خاک زمین سے انھائی اور 'شاهدۃ الوجه' کہہ کر کفار کی طرف پھینکی۔ (۲۵۳)  
'دھنی' کے اصل معنی تو تیر مارنے کے ہیں لیکن یہ کسی پر تہمت اور بہتان لگانے کے مفہوم  
میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۲۸۹/۵)

### رہبہۃ:

'وایای فارہبون'، کسی کی عظمت و جلالت کے تصور سے دل پر جو لرزش اور کپکپی  
کی حالت طاری ہو جاتی ہے اس کے لیے عربی زبان میں رہبہ کا لفظ ہے۔ (۱۷۸/۱)  
**رہبان:** رہبان 'راہب'، کی جمع ہے۔ یہ فصاری کے مشائخ اور صوفیوں کے لیے  
مردف ہے۔ (۵۲۳/۳)

**ارہاق:** 'ارہاق' کے معنی کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھڈالنا، کسی کو جلاۓ  
آفت کرنا، 'ارہقہ عسرا' کے معنی ہوں گے اس کو تگی میں ڈال دیا۔ (۲۰۷/۳)

### رہان:

رہن کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ شے ہے جو قرض دینے والے کے قرض کی

خناست کے طور پر اس کے قبضے میں کرا دی جائے۔ 'فرهن مقبوسة' بالکل اسی طرح کا جملہ ہے جس طرح سورہ یوسف میں 'فصبیر جميل' ہے۔ اس کو مبتدا مان کر اس کی خبر کو مخدوف بھی قرار دے سکتے ہیں اور اس کو خبر مان کر اس کے مبتدا کو مخدوف بھی مان سکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ گر لکھا پڑھی اور گواہی شہادت کی صورت مفقود ہو تو کوئی چیز بطور رہن قبضے میں کرا کے بھی قرض کی معاملت کی جاسکتی ہے۔ (۲۳۲/۱)

**رہو:** 'رہو' کے معنی ساکن کے ہیں۔ (۲۸۳/۷)

### روح:

'روح' \* سے مراد (۱۳۲) وحی الہی ہے۔ وحی الہی کو روح سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ضمیر ہے کہ جس طرح جسم کی زندگی روح سے ہے اسی طرح روح و عقل اور دل کی

\* 'روح' سے مراد وہ روح ہے جس کو ہم روح ملکوتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ انسان کے اندر حیوانی روح کے ساتھ ایک نور یزدگانی (Divine Spark) بھی ہے اور اسی نور کے فیض سے انسان کے سمع و بصر اور فواد میں وہ روشنی پیدا ہوئی ہے جس سے اس کو اشراف الخلقوں کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ اگر اس روشنی سے وہ محروم ہو جائے تو پھر اس کا بالٹن بھی اسی طرح تیرہ دنار ہے جس طرح حیوانات کا ہے۔ کان، آنکھ اور دل حیوانات کے پاس بھی یہی لیکن وہ نور یزدگانی سے محروم ہیں اس وجہ سے ان کے کانوں، آنکھوں اور دلوں میں وہ صلاحیت نہیں ہے جو انسان کے سمع و بصر اور دل میں ہے۔ اگر انسان اپنے کو اس نور سے محروم کر لے تو پھر وہ بھی ایک حیوان ہے۔ (۱۶۱/۶)

'روح' سے مراد یہاں 'وحی' ہے۔ وحی کو 'روح' سے تعبیر کرنے کی وجہ واضح ہے کہ جس طرح روح سے جسم کو زندگی حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے انسان کی عقل اور اس کے دل کو زندگی، حرارت اور روشنی حاصل ہوتی ہے۔ (۲۳۳/۷)

زندگی وحی الہی سے ہے۔ اس حقیقت کو سیدنا مسیح نے یوں واضح فرمایا ہے (۱۳۲) کہ انسان صرف روانی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلے سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے، قرآن کو اسی پہلو سے جگہ جگہ روح سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً:

يَنْزِلُ الْمُلْكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ وَهَا تَرَتَّبَ فِي فَرْشَتَوْنَ كُورُونَ كَسَاتِحَهُ أَپْنَى اِمْرٌ  
يَشَاءُ مِنْ عِبَادَهُ (النَّجْل٢)

یلقی الروح من امره علی من يشاء من وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح  
القادر تا ہے اپنے امر میں سے تاکہ وہ لوگوں کو  
عبادہ لیندرا یوم العلاق (الفافر ۱۵)  
الْقَاتِلُ كَذَانٌ سَهْشَارَكَرْدَيْـ

و كذلك اوحينا اليك رُوحًا من امرنا اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف وہی کی روح  
اپنے امریں سے۔ (۵۳۹/۲) (الشوریٰ ۵۲)

**روح:** 'روح' سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (۵۶۶/۸)

**روح القدس**: 'روح القدس' سے مراد جرایل ایمن ہیں۔ (۲۵۰/۳)

**الروح (الأمين):** ‘الروح الأمين’، حضرت جبريل عليه السلام كالقب ہے۔  
(۵۵۷/۵)

رواچ: دیکھیں "غدو"۔

أَرْجُون

‘اراخہ’ کے معنی شام کو گلے کوچرا گاہ سے گمراہ پس لانے کے ہیں اور ‘سرخ’ کے معنی اس کوچر نے چلنے کے لیے صحیح کوچھوڑنے کے ہیں۔ یہاں ‘اراخہ’ کو ‘سرخ’

پر مقدم کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ موقع کلام اظہار شان کا ہے اور شان کا اظہار گلے کی شام کو  
دالیٰ میں زیادہ ہے جب کہ وہ چڑاگاہ سے چرچ چک کے تازگی اور فربہ کی حالت میں گھر کو  
واپس آتا ہے۔ یہ بات اس درجہ میں اس وقت نہیں ہوتی جب وہ صبح کو چلنے کے لیے  
**(۳۹۱/۲) چھوڑا جاتا ہے۔**

دیوان:

‘ریحان’ سے متعلق ایک تنبیہ بھی ضروری ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی پتوں کے لیے ہیں لیکن اس کے معنی میں یہ لفظ نہ عربی زبان میں استعمال ہوا ہے اور نہ یہاں پتوں کے ذکر کا کوئی محل ہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے غلہ کے ذکر کے ساتھ پھول کا ذکر ان حضرات کو بے جوڑ سامعلوم ہوا اس وجہ سے انہیں یہ انوکھی تاویل کرنی پڑی حالانکہ اس کے ذکر کا ایک محل ہے جس کی وضاحت ہم نے اوپر کر دی۔ (۱۳۸/۸)

۱۰۵

‘ارادہ’ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حقیقی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں۔ جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد مُل آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد آن آتا ہے۔ مثلاً:

انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اللہ کا ارادہ توبہ یہ ہے، اے اہل بیت نبی،  
کتم سے ناپاکی کو دور کرے۔

اہل البیت (الاحزاب ۳۳)

یرید اللہ لیطھر کم و لیتم نعمتہ ارادہ الہی یہ ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر علیم (المائدہ ۶) اپنی نعمت تمام کر دے۔

انما يرید اللہ لیعذبہم بھا فی اللہ توبہ بس یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کے  
ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب  
الحیة الدنیا (التوبہ ۵۵)  
دے۔ (۲۸۲۲)

**مراودہ:** راودتہ عن نفسہ، کے معنی ہیں چھل فریب کے ذریعہ سے اس نے اس کو  
بدکاری کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ (۲۰۵/۳) 'مراودہ' کے معنی بھلانے پھلانے  
کے ہیں۔ (۲۳۹/۳)

### روضات:

'روضات' سے مراد وہ ضمیں با غیرہ اور لان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وسیع جنت میں الہ  
جنت کی تفریق اور سیر کے لیے بنے ہوں گے۔ 'روضات' بھی ایک سے زیادہ ہوں گے اور  
جتنیں بھی ایک سے زیادہ ہوں گی اس وجہ سے دونوں جمع کی صورت میں آئے ہیں۔  
(۱۶۳/۷)

**روغان:** 'روغان' عربی میں نظر بچا کر، کتر اکرا اور کاوالا کر کہیں جانے یا بچنے کے  
لیے آتا ہے۔ (۳۸۱/۲)

**ریب:** 'ریب' کے معنی شک کے ہیں۔ (۸۶/۱)

### مریب:

'ازنه' کے معنی لخت میں 'از عجمہ' و 'اقلقة' کے ہیں۔ یعنی اس نے اس کو  
اضطراب اور اُبھن میں ڈال دیا۔ (۱۵۲/۳)

**ارتیاب:** 'ارتیاب' کے معنی بیتلائے شک ہونے کے ہیں۔ (۳۲۳/۵)

### ریح (صرصر):

'ریح صرصر' سے مراد وہ بادوتند ہے جو عرب میں شدید سردیوں کے زمانے میں شمال سے چلتی ہے اور جس کے ساتھ سرما کے بادل بھی ہوتے ہیں اور گرج چمک بھی۔

(۹۲/۷)

### ریح عقیم:

'ریح عقیم' وہ ہوا جو بالکل بے فیض ہو، جونہ بارش لانے نہ کوئی اور نفع پہنچائے۔ عربی میں بارش لانے والی ہواؤں کو 'الواقع' (بار آور) کہتے ہیں اور بے فیض و مضر ہواؤں کے لیے 'عقیم' (باجھ) کی صفت آتی ہے۔ مراد اس سے سرما کی ٹھنڈی اور خشک ہوا ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: 'فارسلنا علیهم ریحہ صرصرًا فی ایام نَحَسَاتٍ'، (حُم السجدہ: ۱۶) (پس ہم نے ان کے اوپر ہوائے تند مسلط کردی خوست سرما) کے دنوں میں)۔ (۷/۲۱۲)

**ریناح و ریح:** مقدم الذکر کا غالب استعمال سازگار اور موئی ہواؤں کا لیے اور مؤخر الذکر کا عام استعمال آفت لانے والی ہوا کے لیے ہوتا ہے۔

### ریش:

'ریش' کا لفظ چپیوں کے پروں کے لیے بھی آتا ہے اور اس سے زیب و زینت کا لباس بھی مراد ہوتا ہے۔ لباس کا اولین مقصد تو ستر پوشی ہے لیکن زیب و زینت بھی اس کے مقاصد میں داخل ہے۔ (۳/۲۳۳)

**ریع:** 'ریع'، اس بلندز میں کو کہتے ہیں جو دور سے نظر آئے۔ (۵۳۶/۵)

### ذبیر:

'ذبیر' زبور کی جمع ہے۔ اس کے معنی بکھرے، قطعے اور صحیفے کے ہیں۔ مرا امیر داد د کے لیے اس کا استعمال معروف ہے۔ اس سے مراد انہیا کے وہ صحائف ہیں جو تورات کے مجموعہ میں شامل ہیں۔ (۲۲۱/۲)

### زبانیہ:

'زبانیہ' جمع ہے 'زبانیہ' کی جس کے اصل معنی تو دفاع کرنے والے کے ہیں لیکن یہ پولیس اور پیادوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ میں نے موقع محل کا لحاظ کر کے اس کا ترجمہ سر ہنگوں کیا ہے۔ (۳۵۰/۹)

**ذجر:** 'ذجر' کے معنی جہز کرنے، ڈانٹنے اور دھکارنے کے ہیں۔ (۳۵۲/۶)

### مزحر:

اس کا ایک ترجمہ تو وہی (۳۳۳) ہو سکتا ہے جو ہم نے کیا ہے۔ دوسرا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو اس کی عمر کی درازی اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ معنی کے اعتبار سے دونوں ترجیوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور زبان کے قواعد کے لحاظ سے بھی میرے نزد یک دونوں صحیح ہیں۔ لیکن اکثر اہل تاویل نے اختیار اسی دوسرے کو کیا ہے۔ (۲۷۳/۱)

### زحف:

'زحف' کے اصل معنی گھسل کریا گھننوں پر چلنے کے ہیں۔ یہیں سے یہ کسی

بھاری بھر کم، ساز و سامان سے لدے پھندے لشکر کے جنگ کے لیے نکلنے کے معنی میں استعمال ہوا اس لیے کہ وہ بھی آہستہ آہستہ ہی مارچ کرتا ہے۔ یہ مخواز ہے کہ لفظ کا یہ استعمال اس مشینی دور کا نہیں بلکہ اس دور کا ہے جب فوج کی نقل و حرکت گھوڑوں، گدھوں اور اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔

عرب میں جنگ کے دو طریقے معروف تھے۔ ایک منظم فوج کشی کا، دوسرا وہ جس کو اس زمانے میں گوریلا اور فیر کہتے تھے۔ گوریلا اور فیر کا اصول یہ تھا کہ حملہ کرو، لوٹو اور بھاگ جاؤ۔ اس کو کہتے بھی کرو فر کی جنگ تھے۔ اس کے لیے چھوٹے چھوٹے دستے نکلتے اور چھپا مار کر اپنی جانپنا ہوں میں چھپ جاتے تھے۔ اس کا کوئی مخصوص ضابطہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کامیاب چھاپا مارا جاسکے اور اپنے کو بچایا جاسکے وہی اس کا اصل ہوتا۔

منظم فوج کشی کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس کے لیے ایک ضابطہ تھا جس کی پابندی اہل لشکر کو بھی کرنی پڑتی تھی اور فریقین جنگ بھی، جو آپس میں لڑتے تھے، اس کا احترام کرتے مخواز رکھتے تھے۔ (۳۵۰/۳)

### ذخرف:

‘ذخرف’ کے معنی ملمع کی ہوئی بات، جھوٹی اور باطل چیز جس پر حق کا رنگ چڑھانے کی کوشش کی گئی ہو۔ (۱۳۳/۳)

**ذخرف:** ‘ذخرف’ کے معنی نسب کے بھی آتے ہیں اور سونے کے بھی جوزینت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ (۲۲۸/۷) **ذخرف، حسن، زینت اور ملمع** کو کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ زمین کی گوناگوں و بولکموں نباتات کے لیے بھی آتا ہے۔ (۳۲۶/۳)

**ذرابسی:** 'ذرابسی'، جمع ہے 'ذریئۃ' کی، یعنی گوں اور نہال گوں کے معنی میں آتا ہے۔  
(۲۲۲/۹)

### زدف:

'زدف'، 'ازرق' کی جمع ہے۔ 'ازرق' نیلگوں چشم کو کہتے ہیں لیکن عربی محاورہ میں یہ خوف زدہ اور دہشت زدہ آدمی کے لیے بھی آتا ہے اس لیے کہ ہڈت خوف کی حالت میں آنکھیں نیلی پڑ جایا کرتی ہیں اور ان کے سرخ ذورے غائب ہو جاتے ہیں۔ (۹۰/۵)

### ذفیر (وشهیق):

'ذفیر' اور 'شهیق'، دونوں لفظ گدھے کی چیخ کے لیے آتے ہیں۔ جب وہ چینٹتا ہے تو جو سانس وہ باہر کی طرف نکالتا ہے اس کو 'ذفیر' کہتے ہیں اور جو سانس اندر کی طرف لے جاتا ہے اس کو 'شهیق' کہتے ہیں۔ (۱۷۲/۲) 'ذفیر' کے معنی چینٹنے اور دھاڑنے کے ہیں۔ (۲۵۲/۵) 'ذفیر' کے معنی آہ و فریاد اور چینٹنے چلانے کے ہیں۔ (۱۹۲/۵)

### زکوہ:

'زکوہ' کا لفظ زکا۔ یہ کو سے ہے جس کے معنی پاک ہونے کے ہیں۔ عربی میں نفس زکیہ اس نفس کو کہتے ہیں جو لوگوں سے پاک صاف ہو۔ دوسرا مفہوم اس مادہ کے اندر پڑھنے اور نشوونما پانے کا ہے۔ زکا الزرع کے معنی ہوں گے، یعنی بڑھی اور اچھی۔ زکوہ کے اندر پاکیزگی اور نشوونما دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لیے کہ زکوہ نفس اور مال دونوں کو پاکیزگی بھی بخشتی ہے اور اس سے مال میں برکت اور بڑھوتری بھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیات سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تَطْهِيرٌ  
هُمْ وَتُرْكِيْهِمْ بِهَا (التوبه ۱۰۲)

ان کے مالوں کا صدقہ قبول کرلو، ان کو اس کے ذریعہ سے تم پاک کرو گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَمَا أَتَيْنَاهُمْ مِنْ رِبَا لِيَرْبُوا فِي  
أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ وَ  
مَا أَتَيْنَاهُمْ مِنْ زَكْوَةٍ تُرْبِيدُونَ وَجْهَ  
اللَّهِ فَأَوْلَئِكَ هُمُ الْمُضْعَفُونَ  
(الروم ۳۹)

اور جو تم دیتے ہو سو دتا کہ لوگوں کے مالوں میں بڑھوتری ہو تو یہ چیز اللہ کے ہاں نہیں بڑھتی اور جو تم دیتے ہو زکوٰۃ، اللہ کی رضا جوئی کے لیے، تو یہی لوگ اپنے دیئے ہوئے کو اللہ کے ہاں بڑھانے والے ہیں۔

زکوٰۃ کا لفظ ابتداء میں تو انفاق فی سبیل اللہ کی تمام قسموں کے لیے استعمال ہوتا رہا اور اس کا مفہوم وہی تھا جو لفظ صدقہ کا ہے لیکن بعد میں قرآن و حدیث کے استعمالات نے اس کو انفاق کی ان معین مقداروں کے لیے خاص کر دیا جو اللہ اور رسول ﷺ نے ہر حال میں غرباً و فقراء کے لیے واجب کر دی ہیں۔ (اہر ۱۸۵)

‘زکوٰۃ’ سے مراد ‘انفاق فی سبیل اللہ’ ہے۔ اس مفہوم کے لیے یہ لفظ اسلام کے کمی دور میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ مدینی دور میں آکر اس کی ایک باضابطہ شکل معین ہو گئی اور پھر اس کا اطلاق اسی پر ہونے لگا۔ یہاں یہ لفظ اپنے عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس مفہوم میں اس زمانے میں معروف تھا۔ (یہاں ۸۰)

لفظ زکوٰۃ یہاں (۱۴۵) اصطلاحی زکوٰۃ کے مفہوم میں نہیں بلکہ صدقات کے عام مفہوم میں ہے۔ اس مفہوم میں اس کا استعمال قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی ہوا

(۹۹/۲) ہے۔

دیکھیں ”زکوٰۃ“ اور ”حنان“ کے اجتماع کے لیے ”حنان“۔

### ترزکیۃ:

عربی زبان میں ترکیۃ کا مفہوم کسی چیز کو صاف سترہ بنانا، اس کو نشوونما دینا اور اس کو پروان چڑھانا ہے۔

ترکیۃ کا عمل مختلف چیزوں پر ظاہر میں تو مختلف شکلوں میں نمایاں ہوگا، مادی چیزوں پر یہ عمل کسی اور شکل میں نمایاں ہوگا اور معنوی چیزوں پر کسی اور صورت میں۔ لیکن یہ فرق محض ایک ظاہری فرق ہوگا، حقیقت کے اعتبار سے یہ کوئی فرق نہیں ہوگا، لفظ کے اندر صاف سترہ بنا نے، نشوونما دینے اور پروان چڑھانے کی جو روح ہے وہ اس کے عمل میں ہر جگہ نمایاں رہے گی۔

اس کا اصطلاحی مفہوم نفس کو غلط رجحانات و میلان سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستے پر ڈال دینا اور اس کو درجہ کمال پر پہنچ کے لائق بنانا ہے۔

ترکیۃ کا یہ اصطلاحی مفہوم خود قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے:

وَنَفْسٌ وَمَا سُواهَا فَالْهُمَّ هَا فِجُورُهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ مِنْ  
زَكَاها وَقَدْ خَابَ مِنْ دَسَهَا

اور شاہد ہے نفس اور جیسا اس کو بنایا ہے اس کو سمجھ دی نیکی اور بدی کی، کامیاب ہوا جس نے اس کا ترکیۃ کیا، اور ناکام ہوا جس نے اسے آلوہ کیا۔

اس آیت سے یہ بات صاف تکتی ہے کہ اللہ نے انسان کے نفس کو اس طرح بنایا

ہے کہ اس کے اندر نیکی اور بدی دنوں کے رجھانا و دیعت کر دیے ہیں۔ اور اس کو یہ ملاحت بخشی ہے کہ وہ ان دنوں کے درمیان امتیاز کر سکے، پھر انسان کے لیے فلاں و کامرانی کا راستہ یہ تھہرایا ہے کہ وہ نیکی اور بدی کی اس کلکش میں نیکی کا ساتھ دے اور اس کو بدی پر غالب کرنے کی کوشش کرے۔ (تذکیرہ نفس، ۳۲/۱، ۳۵-۳۶)

**ازْكَاف:** 'اصلاف' کے معنی قریب لانے کے ہیں۔ (۵۲/۵)

### زلق:

'زلق' اس زمین کو کہتے ہیں جو بالکل چیل، بزرہ اور روئیدگی سے یک قلم محروم ہو۔ یعنی اگر تم نے میری غربت پر مغروڑانہ طعن کیا ہے تو کچھ بعد نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہتر باغ دے اور تمہارے باغ پر کڑک اور اولے کا کوئی آسمانی عذاب بیچ دے اور وہ ایک چیل میدان ہو کے رہ جائے۔ (۵۸/۳)

### مزَّهَل:

در اصل 'متزمل' ہے۔ عربیت کے قاعدے کے مطابق، 'ت' حرف 'زم' میں غم ہو گئی ہے۔ اسی طرح کا تصرف لفظ 'مذَّفَر' میں بھی ہوا ہے۔ اس کے معنی اپنے اوپر چادر لپٹنے رکھنے والے کے ہیں۔ یہ حالت بالعموم ایسے شخص کی ہوتی ہے جو سامنے کے حالات سے فکر مند اور گرد و پیش کے لوگوں کے رویہ سے بدل ہو۔ (۲۲/۹)

### زنجبیل:

'زنجبیل' کے مشہور معنی تو سونھے کے ہیں لیکن نام بادنی مناسبت بھی رکھے جاتے ہیں۔ جنت اور دوزخ کی کئی ہی چیزوں کے نام قرآن میں مذکور ہیں لیکن ان ناموں سے ان کے معنی کی حقیقت کا صحیح علم ممکن نہیں ہے۔ (۱۱۵/۹)

**زهد:** 'زهد فی الشی'، رغب عنہ و ترکہ، یعنی وہ فلاں چیز سے بے رغبت ہو گیا، اس کو چھوڑ بیٹھا۔ تارک دنیا کو 'زاہد'، اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دنیا اور اسباب دنیا سے بے رغبت و بے نیاز ہو جاتا ہے۔ (۲۰۰/۳)

### ازواج:

زوج کے معنی جوڑے کے ہیں، عورت کے لیے مرد جوڑا ہے اور مرد کے لیے عورت۔ انسان کے اندر قدرت نے خود ایک خلا چھوڑا ہے جو اس جوڑے کے سوا کسی اور شغل سے پورا نہیں ہوتا اس وجہ اس کے بغیر انسان کے لیے کسی نعمت کا تصور بھی کامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ جنت میں بھی، جو کمال نعمت کی تعبیر ہے، اس کا ذکر موجود ہے۔ اس کے ساتھ 'مطہرہ' کی صفت اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ نہایت اہتمام کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے اور ان کا ترزیک یہ کیا گیا ہے تاکہ وہ اہل جنت کی رفاقت کے لیے پوری طرح موزوں ہو سکیں۔ یہ مفہوم لفظ مطہرہ سے نکلتا ہے اس لیے کہ تطہیر کے معنی ہیں خاص اہتمام و توجہ کے ساتھ کسی کے عادات و خصال اور طبیعت و مزاج کو سورانہ اور پاکیزہ بنانا۔ سورہ الحزاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو بہت سے ضروری آداب کی تعلیم دینے کے بعد فرمایا ہے:

انما يرید الله ليذهب عنكم الشّوّبُسْ يَهْ چاہتا ہے، اے نبی کے بیت، کتم سے الرّجس اهل الّبیت و يطہر کم آلاش دنیا کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے جیسا تطہیرا (الحزاب ۳۳) کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ (۱۳۱/۳)

'زوج' کا لفظ جس طرح جوڑے کے لیے آتا ہے اسی طرح جوڑے کے ایک فرد کے لیے بھی آتا ہے۔ عربی ادب اور قرآن دونوں میں اس کی نظریں موجود ہیں۔ (۱۸۷/۳)

**ازواج:** لفظ 'ازواج'، قرآن مجید میں یویوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور بعض

دوسرے معنوں میں بھی۔ مثلاً نوع بنوع اور گونا گوں کے معنی میں۔ سورہ طہ میں ہے۔  
 ’انزل من السماء ماء فاخرجنا به ازواجاً من نبات شتى‘ (۵۳) (اور اس نے آسمان سے پانی اتارا، پس ہم نے اس سے اگا کیں مختلف نباتات کی نوع بنوع قسمیں)۔ اسی طرح یہ ہم مسلک و ہم مشرب جماعتوں کے مفہوم میں بھی قرآن میں آیا ہے۔ مثلاً:

لَا تَمْدَنْ عَيْنِيكَ إِلَى مَا مُتَعْنَاهُ بِهِ اَوْ تَمْ اپْنِي نَگَاهَ اَنْ چِيزِوں کی طرف نَاٹھَا جِنْ سے ہم ازواجاً مِنْهُمْ ..... (الحجر: ۸۸) نے ان کی بعض جماعتوں کو بہرہ مند کر رکھا ہے۔  
 اُحْشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا جمع کروان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اور ان کے وازاوجہم وما کانوا يعبدون ہم مشربou کو اور ان چیزوں کو جن کی یہ عبادت (الصفت: ۲۲) کرتے رہے ہیں۔

وَكُنْتُمْ ازواجاً ثالثةً (الواقعہ: ۷) اور اس دن تم تین گروہوں میں تقسیم ہو گے۔  
 ’زوج‘ کے معنی قسم اور نوع کے ہیں۔ ‘من كُلَّ زَوْجٍ’ یعنی نوع بنوع چیزیں۔ (۳۹۹/۵)

## ازواج:

لفظ ’ازواج‘ طبقات کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثلاً سورہ واقعہ میں ہے ’وَكُنْتُمْ ازواجاً ثالثة‘ (اور اس وقت تم تین طبقات میں تقسیم ہو گے) (۳۷۸/۳) ’ازواج‘ یہاں ہم مشربou، اتباع اور پیر و کاروں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (۳۶۲/۲)  
 ’ازواج‘ انواع و اقسام کے معنی میں بھی آتا ہے اور جوڑے جوڑے کے مفہوم میں بھی۔ (۳۲۲/۲)

ڈُور: ’зор‘، کندب و باطل کو کہتے ہیں۔ (۳۸۹/۵)

## زیارت:

‘ڈرٹم’، عربی میں بالکل سادہ معنوں میں آتا ہے۔ اردو کے لفظ ‘زیارت’ کی طرح اس کے اندر کسی شرف و تقدس کا کوئی شانستہ نہیں ہے۔ ‘ڈرٹم المقابر’ کے معنی بس یہ ہوں گے کہ تم نے قبروں کو دیکھا یعنی ان کے حوالے ہوئے۔ کسی حماقی کا شعر ہے:

اذا زرت ارضًا بعد طول اجتباها فقدت صديقي والبلاد كما هي<sup>(۱۳۶)</sup>

(جب میں کسی سر زمین کو، عرصہ تک اس سے جدار ہنے کے بعد، دیکھتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ احباب تو میں نے سارے کھو دیے لیکن زمین اسی طرح ہے جس طرح تھی)۔  
(۵۲۲-۵۲۳)

**تزاور:** ‘تزاور’، اصل میں ‘تنزاور’ ہے۔ اس کے معنی ہٹ جانے، کٹ راجانے اور منحرف ہو جانے کے ہیں۔ (۵۷۱/۳)

## زید:

حضرت زید بن حارثہ کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔ یہ بچپن میں دشمن کی کسی غارت گری میں گرفتار ہوئے اور غلام بنایے گئے۔ حکیم بن حرام نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لیے خریدا۔ حضرت خدیجہؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئیں تو انہوں نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہ کر دیا۔ اس طرح ان کو حضور ﷺ کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انتظامی اور فوجی صلاحیتیں بھی تھیں۔ متعدد مواقع پر آپ ﷺ نے ان کو فوج دستوں کی سرکردگی پر دی اور بعض مواقع پر، حضور ﷺ کی غیبت میں، وہ مدینہ پر امیر بھی رہے۔

حضرور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عزت افرائی کے لیے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن، حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ کر دیا۔ ان تعلق خاندان بنی اسد سے تھا۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

حضرت زید ایک حتساں، خوددار، منکسر المزاج آدمی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دلداریوں کے باوجود اپنی غلامی کے دور کو بھولئے نہیں تھے۔ دوسرا طرف سیدہ زینب کے مزاج میں فی الجملہ تمکنت اور تیزی تھی۔ عام حالات میں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خوش گوار معاشرت میں خلل انداز ہو لیکن منافقین نے چونکہ فضابدگانی کی بنا دی تھی اس وجہ سے حضرت زید گو یہ احساس ہونے لگا کہ حضرت زینب اپنے اندر ایک تفوق کا احساس رکھتی اور اس تعلق کو ناپسند کرتی ہیں۔ بالآخر انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت زینب کو طلاق دے دیں کہ ان کی کبیدگی بھی رفع ہو جائے اور خود ان کے سر کا بوجھ بھی اتر جائے۔ لیکن کوئی اقدام کرنے سے پہلے انہوں نے چاہا کہ حضور ﷺ کا ایماء بھی معلوم کر لیں اس لیے کہ حضور ﷺ نے یہ رشتہ کرایا تھا۔ جب حضور ﷺ سے انہوں نے اپنے ارادہ کا ذکر کیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا ان کی طرف سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی ہے جو تمہیں شک میں ڈالنے والی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہے لیکن وہ اپنے خاندانی شرف کا احساس رکھتی اور اس کا اظہار بھی کرتی ہیں اور یہ چیز میرے لیے باعث اذیت ہے۔ حضور ﷺ نے اس پرختنی سے ان کو ارادہ طلاق سے روکا اور خوف خدا دیا دلایا۔ اس لیے کہ مجرد اپنا ایک ذاتی احساس اس بات کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ یہوی کو طلاق دے دی جائے۔

چنانچہ آپ باصرار ان کو اس ارادہ سے روکتے رہے، لیکن حضرت زید حالات کا

مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ سارا ہنگامہ ان کے اس نکاح کے سبب سے اٹھا ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ وہ طلاق دے دیں تاکہ حضرت زینبؓ کی جان بھی ضيق سے چھوٹے اور ان کو بھی اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملے۔ چنانچہ انہوں نے طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ کو اس طلاق سے صدمہ ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ ان کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے "اَنَا لِلَّهِ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھا۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو، جیسا کہ اوپر گزرا، حضور ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کر لینا چاہا لیکن منہ بولے بیٹھے کے معاملے میں جاہلیت کی جو رسم تھی اس کے سبب سے اور تحدید نکاح کے سبب سے بھی آپ متعدد ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ہدایت ہوئی کہ لوگوں کی مخالفت سے بے پرواہ کر آپ ﷺ یہ نکاح کر لیں تاکہ آپ کے عمل سے ایک غلط رسم کی اصلاح ہو جائے اور دین فطرت کے اندر ایک خلاف فطرت چیز جو سمجھی ہوئی ہے اس کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کے بوجب آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا۔ (۲۷/۲۹)

### زینب:

"زینب" کے اصل معنی میں یعنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ یہ لفظ بیک وقت دو مفہوموں کا عالی ہے، ایک کجی اور دوسرے سقوط۔ کوئی چیز جو کھڑی ہو جب جھک جاتی ہے تو گرنے سے قریب ہو جاتی ہے۔ یہ حالت اس رسوخ کے برعکس حالت ہے جو اس آیت میں راسخون فی العلم (۱۳۴) کی بیان ہوئی ہے۔

یہ زیغ یوں تو اہل صلالت کی عام بیماری ہے لیکن اہل کتاب اس مرض میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ مبتلا رہے ہیں۔ یہود کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ شروع ہی سے اس بیماری میں مبتلا رہے۔ اور ان کے زیغ کا یہ پہلو خاص طور پر نہایت تکمین ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی موجودگی میں اس میں مبتلا رہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کے سب سے خدا کے غضب میں مبتلا ہوئے۔ قرآن میں اس بات کا ذکر ہوا ہے۔ سورہ صاف میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

وَذَقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقُولُ  
أَوْرِيَادُكُرُوْجَبُ مُوسَى نَعَنْ أَنْتَ قَوْمٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ  
لَمْ تُؤْذُنُنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ  
مِيرِيْ قَوْمٌ كَلَّا لَوْكُوْنُ! تَمْ مجْهَنَّمَ كَيْوُنْ دَكَهْ پَهْنَچَارَهْ ہُوَ  
إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا  
جَبَ كَمْ اَچْحَى طَرْحَ يَهْ جَانَ چَكَهْ ہُوَكَهْ مِنْ تَمَهَارِي  
ذَاغُوا ازَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ طَرْفَ رَسُولٍ بَنَا كَرْبَجَيَا ہُوَنَ۔ پُسْ جَبَ وَهْ كَجَ  
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ ہُوَ گَنَّتُهُ تَوْخَانَ بَھِي انَّ كَدَلْ كَجَ كَرْدِيَيْ اورَاللَّهُ بَدَدِي  
الْفَسِيقِينَ (الصف ۵) عَهْدُوْنُ كَوْدَائِيْتُ نَهِيْسَ بَخْشَانَ۔ (۳۰/۲)

**ذیغ:** کوئی منظر ہولناک و دہشت ناک ہو تو نگاہ اس پر نہیں لکتی۔ عربی میں اس کو 'ذاغ البصر' سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱۹۹/۶)

'ذیغ' کے معنی کچ ہونے کے ہیں۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کسی جلوے کے مشاہدے میں اس کے صحیح زاویے سے کچ نہیں ہوتی بلکہ آپ نے ہر چیز کا مشاہدہ اس کے بالکل صحیح زاویے سے کیا۔ 'طفنی' کے معنی بے قابو ہونے کے ہیں۔ (۵۷/۸)

**تریییل:**

‘تزييل’ کے معنی تفریق اور جدائی ڈال دینے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات میں اس بات کی تصریح ہے کہ قیامت کے دن مشرکین اور ان کے معبودوں میں جدائی ڈال دی جائے گی اور معبود اپنے عابدوں سے اس دن اظہار برأت بھی کریں گے اور خدا کی قسم کا حکم کہا کریے بھی ان کو بتائیں گے کہ ہمیں اصلاً خبر نہیں کہ دنیا میں تم ہماری عبادت کرتے رہے۔ بقرہ آیت ۲۶ اور انعام آیت ۹۳ میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ (۲۶/۳)

**ذینب:** دیکھیں ‘زید’۔

### ترثیخ:

ترثیخ کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز اس طرح آنکھوں میں کھب جائے کہ آدمی اُس کے اثر سے ہر چیز اسی کے رنگ میں دیکھنے لگ جائے۔ یہاں تک کہ اس سے الگ ہو کر اس کے لیے کسی چیز کو دیکھنا ممکن ہی نہ رہ جائے۔ وہ ہر چیز کو تو لئے اور پر کھنے کے لیے اسی کو پیانہ اور کسوٹی قرار دے لے۔ کسی چیز کی رغبت کا اس درجہ غلبہ ظاہر ہے فاطر فطرت کے مختار کے خلاف ہے۔ اسی سے زندگی میں وہ بے اعتدالیاں ظہور میں آتی ہیں جو انسان کو فطرت اور شریعت کے جادہ مستقیم سے ہٹا دیتی ہیں۔ یہ ایک بیماری کی حالت ہے جو بے بصیرتی اور حدود اُنکی کے عدم احترام یا بالفاظ دیگر عدمِ تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے اور اس میں اصل دل نفس اور شیطان کا ہوتا ہے۔ نفس اپنی چاہتوں میں فطری حدود سے آگے نکل جاتا ہے، پھر شیطان ان چاہتوں پر ایسا دلفریب ملمع کر دیتا ہے کہ آدمی کی نظر ان سے ہٹ کر کسی اور طرف کا رخ ہی نہیں کرتی۔ قرآن نے اس وجہ سے اس ترثیخ کو دوسرے مقامات میں (۳۸/۲) شیطانوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

## سوال:

لفظ سوال کے اندر کئی مفہوم ہیں۔ مثلاً مانگنا، درخواست کرنا، مطالبة کرنا، پوچھنا، پرسش کرنا، سوال کرنا۔ سوال، بعض صورتوں میں اعتراض کی نوعیت کا بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کے مفہوم میں اعتراض کرنا بھی داخل ہے، بعض حالات میں تحقیق کی نوعیت کا ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا صلم عن کے ساتھ آتا ہے۔ بعض حالات میں سوال استہزا کی نوعیت کا بھی ہوتا ہے، اس صورت میں اس کا صلم ب کے ساتھ آتا ہے مثلاً سوال سائل بعذاب واقع (المعارج ۱) (ایک مذاق ازانے والے نے مذاق اڑایا، ہونے والے عذاب کا) قرآن مجید میں یہ لفظ مذکورہ تمام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۲۹۷-۲۹۸)

## سوال:

لفظ 'سوال' یہاں<sup>(۱۳۹)</sup> مطالبه کے مفہوم میں ہے۔ اس مفہوم کے لیے اس کا استعمال معروف ہے۔ اس کے بعد 'الی' کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ لفظ یہاں 'ضم' یا 'خلط' کے مفہوم پر مخصوص ہے۔ (۵۲۵/۶) 'سوال' اور 'سوال' کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی درخواست اور اتحا۔ (۲۲۳)

## تساءل:

تساءل کے معنی باہم گرا ایک دوسرے سے پوچھنے، سوال کرنے اور مانگنے کے ہیں۔ اسی سے ترقی کر کے ایک دوسرے سے طالب مدد ہونے کے معنی میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے۔ سورہ مونون میں ہے فاذا نفح فی الصور فلا انساب بینهم یو منیو لا یتسائلون (جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان کے نسبی تعلقات باقی رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے

طلبِ مدنی کر سکیں گے۔ (۱۰۱/۲) (۲۳۶/۲)

تسائل، کے معنی آپس میں کسی چیز سے متعلق پوچھ گئے کرنے کے ہیں۔ پوچھ گئے دریافت حال اور تحقیق کے لیے بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات محض خن گسترشی اور استہزا کے لیے بھی۔ (۱۵۶/۹)

تسائل، یہاں باہم سوال و جواب کے مفہوم میں ہے اور آگے تفصیل آرہی ہے اس تو تکارکی جو اس دن لیڈروں اور اس کے پیروؤں میں ہو گی۔ (۲۶۳/۲)

### سبا:

سبا کا ذکر سورہ نمل کی آیت ۲۲ کے تحت گزر چکا ہے۔ جو علاقہ اب یمن کہلاتا ہے وہی پہلے سبا کا علاقہ تھا۔ یہ نہایت زرخیز و شاداب خط تھا۔ اس کی اصل شاہراہ کے دونوں جانب نہایت شاداب باغوں کا سلسلہ تھا جو پورے علاقہ پر پھیلا ہوا تھا لیکن اس کے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی قدر نہیں کی، جس کی پاداش میں اللہ نے ان پر ایک سیلا بسیجا جس سے پورا ملک بتاہ ہو کر رہ گیا۔ (۳۰۷/۲)

### سبب:

سبب کے اصل معنی و سلیمانیہ و ذریحہ کے ہیں۔ یہاں ”بِمَنْ كُلَّ شَيْءٍ مُسِيَّا“ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مملکت میں ہر قسم کے وسائل و ذرائع (resources) موجود تھے۔ (۶۱۶/۳)

### اسباب:

سبب کی جمیع ہے جس کے اصل معنی اوری کے ہیں۔ پھر یہیں سے اس کے اندر تعلق و

تو سل اور اسباب و وسائل کا مفہوم پیدا ہوا<sup>(۱۳۱)</sup> اور پھر مزید وسعت پا کر کی شے کے متعلقات و اطراف کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا چنانچہ قرآن میں اسباب السماء کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ (۲۰۳)

'اسباب' سے مراد 'اسباب السموات' ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کے اطراف و متعلقات کے مفہوم میں بھی آتا ہے۔ (۵۱۶/۶۱)

### سبح:

'سبح' سے ہے جس کے معنی تیرنے کے بھی آتے ہیں۔ (۱۷۶/۹)

### تبیح:

تبیح کی اصل حقیقت، لغت کے اعتبار سے، کسی کے سامنے عجز و تسلل کے ساتھ بچھ جانا ہے<sup>(۱۳۲)</sup>۔ تبیح قول سے بھی ہوتی ہے اور عمل سے بھی ہوتی ہے۔ عمل سے خدا کی تبیح کا مفہوم خدا کے احکام کی تتمیل میں ہر وقت سرفتندہ رہتا ہے۔ یہ تبیح اس کائنات کی وہ چیزیں بھی کرتی ہیں جو غیر ذی روح اور غیر ذی ارادہ ہیں۔ انسان کے جس عمل کو قرآن نے خاص طور پر تبیح سے تحریر کیا ہے وہ نماز ہے اس لیے کہ نماز سرفتندگی اور عجز و تسلل کی نہایت مکمل تصور ہے۔ قولی تبیح سے مراد خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ یعنی خدا کو ان باتوں سے منزہ اور بالا ترقار دینا جو اس کی شانِ الوہیت کے خلاف ہیں۔ اس اعتبار سے تبیح میں منفی پہلو غالب ہے لیکن جب اس کے ساتھ حمد کی قید بڑھا دی جائے تو اس میں تزییہ کے ساتھ اثبات کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے، یعنی خدا کو منافی شانِ الوہیت صفات سے پاک قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان صفات سے متصف بھی قرار دینا جن کی بنا پر وہ سزاوار حمد و شکر ہے۔

(۱۵۹/۱)

تبیح کی اصل روح تزیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان تمام نبیوں اور صفتوں سے بری اور بالآخر قرار دینا جو اس کی اعلیٰ صفات اور شان کے منافی ہے۔ اس کے ساتھ جب 'حمد' کی قید لگ جاتی ہے، جس طرح یہاں 'یسبح بحمدہ' تو اس کے اندر تزیہ کے ساتھ اثبات کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے یعنی اس کو تمام اعلیٰ صفات سے متصف قرار دینا۔ (۵۰۸/۳)

'تبیح' کے اندر تزیہ کا پہلو غالب ہے اور 'حمد' کے اندر اثبات کا۔ (۱۲۶/۶)

### سبحانک:

قرآن مجید میں یہ کلمہ مختلف مواقع پر استعمال ہوا ہے (۱۳۳)۔

نامناسب اور خلافی شان با توں سے اللہ تعالیٰ کی تزیہ کے لیے مثلاً سبحان اللہ و تعالیٰ عما يُشْرِكُونَ (القصص: ۲۸) (اللہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک نہ ہراتے ہیں)۔

دعا کے موقع کے لیے مثلاً دعو اہم فیهَا سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ (یونس: ۱۰) (ان کی دعا اس میں یہ ہو گی کہ تو پاک ہے اے اللہ)۔

امر کے معنی کے لیے۔ مثلاً فسبحن الله حين تمsson وحين تصبحون (الروم: ۱۷) پس اللہ کی تسبیح کرو جس وقت تم شام کرتے ہو اور جس وقت صبح کرتے ہو۔

تجب کے ساتھ کسی چیز کے انکار کے لیے۔ مثلاً سبحانک هذا بهتان عظیم (النور: ۱۶) (تو پاک ہے یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے)۔

سبحنه کا لفظ تزیہ کے لیے آتا ہے لیکن اس کے اندر توحید کی نہایت واضح منطقی

دلیل بھی ہے۔ وہ یوں کہ کسی چیز کی مسلم اور بیانی صفات سے بالکل متناقض صفات کا اس کے ساتھ جوڑ ملانا بالبدا ہت خلاف عقل ہے۔ اس اصول کے مطابق خدا کا کسی کو شریک نہیں رہانا اس کی شان الوہیت کے منافی ہے کیوں کہ اس سے اس کی مسلمه صفات کی نفعی لازم آتی ہے۔ (۵۶۳/۳)

### اسباط:

اسباط کا الفاظ سبط کی جمع ہے۔ اس کا انحوی مفہوم بڑھنے اور پھیلنے کا ہے۔ اسی مفہوم کے لحاظ سے ایک باپ کی اولاد اور ان کی مختلف شاخوں کے لیے اس کا استعمال ہوا اور نسل یعقوب کی مختلف شاخوں کے لیے تو اس کا استعمال اس قدر معروف ہے کہ معلوم ہوتا ہے انہی کے لیے وضع ہوا ہے۔ (۳۳۸/۱)

**سبغ:** 'سبغ'، ڈھیلے ڈھالے لباس کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانک لے۔ یہاں یہ ڈھیلی ڈھالی زر ہوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (۳۰۰/۶)

### اسباغ:

'اسباغ' کے اصل معنی وسیع اور کشادہ کرنے کے ہیں پھر تینیں سے یہ اتمام و تکملہ کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا۔ 'وَأَسْبَغْ عَلَيْكُمْ نَعْمَةً' (۱۳۳)<sup>(۱)</sup> یعنی اس نے ہر پبلو سے اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔ یہ نعمتیں ظاہری و مادی بھی ہیں اور عقلی و روحانی بھی۔ شک و صورت، قدو قامت، ہاتھ پاؤں، غذا، لباس اور اس قبیل کی دوسری تمام چیزیں بھی اس کی بخشی ہوئی ہیں۔ اور سمع و بصر، عقل و ادراک اور بصیرت و ہدایت کی نعمتیں بھی اسی کی عطا کردہ ہیں۔ (۱۳۸/۶)

**استباق:** 'استباق' کے معنی دوڑنے، جھپٹنے اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے ہیں۔ (۱۹۹/۳) استباق کے معنی ہیں دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنا۔ (۲۰۷/۳)

### سبیل:

سبیل کے معنی یہاں الزام اور مواخذہ کے ہیں۔ لیس علینا فی الامین سبیل (۱۳۵)<sup>(۱)</sup> یعنی امیوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں۔ (۱۲۳/۲) 'سبیل' سے مراد یہاں فطرت کی راہ ہے۔ (۳۶/۶)

'ابن السبیل' اس کا مستقل ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر، مجرد مسافر ہونے کی بنا پر اس بات کا حق دار ہوتا ہے کہ صدقات سے اس کو فائدہ پہنچایا جائے۔ مسافرت اس کو ایسی حالت میں ڈال دیتی ہے کہ قانونی اور اصطلاحی اعتبار سے فقیر نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ایک اجنبی جگہ میں اپنی بعض ضروریات کے لیے ایسا محتاج ہوتا ہے کہ اگر اس کی دست گیری نہ کی جائے تو وہ اپنے ذاتی ذرائع سے غریب الوطنی میں ان کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے سرائیں، مسافرخانے، قیام و طعام اور رہنمائی کے مراکز قائم کرنا بھی ان کاموں میں شامل ہے جن پر صدقات سے خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (۵۹۳/۳)

'فی سبیل الله' یا ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوت دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی کسی کو کم لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ 'فی

سبیل اللہ کے حکم میں داخل ہے۔ (۵۹۳/۳)

### (ف) سبیل (اللہ):

قرآن کی ایک اصطلاح ہے جس کے تحت وہ سارے کام آتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی فلاج و بہبود کے لیے کیے جائیں۔ حالات کے اعتبار سے کوئی کام زیادہ اہم ہو سکتا ہے، کوئی کم، لیکن جو کام بھی رضاۓ الہی کے لیے اور شریعت کی ہدایات کے تحت کیا جائے وہ فی سبیل اللہ ہے۔ (۶۱۳۱)

### استغفار::

تستترون، کی تاویل بعض اہل تاویل نے تخفافون، سے کی۔ ان کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمہارے کان، آنکھ اور دوسراے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ میرے نزدیک لفظ کی تعبیر صحیح ہے۔ یہ لازم سے ملزم پر استدلال کی نوعیت کی ایک چیز ہے جس کی مثالیں ہر زبان میں ہو سکتی ہیں۔ (۹۳/۷)

### سُحت:

سُحت، کے معنی کسب حرام کے ہیں۔ کسب حرام کی یوں تو مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں لیکن اس لفظ کا غالب استعمال رشوت کے لیے ہے۔ اسی معنی میں یہاں بھی استعمال ہوا ہے اور قرآن میں جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے اسی معنی میں ہوا ہے۔ (۵۲۲/۲)

### تسخیر:

تسخیر کے معنی ہیں کسی کو مطیع و فرمانبردار بنا کر بلا کسی اجرت و معاوضہ کے کسی کی خدمت میں لگا دینا۔ بادلوں کے آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ

خدا کے حکم کے تحت بالکل مقبول و مجبور ہر لمحہ و ہر آن، بالکل تیار کھڑے ہیں کہ جب، اور جس جگہ کے لیے اور جس شکل میں ان کو حکم ہو وہ اس حکم کی تعمیل کریں۔ یہ سخر خدا کے ہاتھ میں ہیں اور وہی اپنی ربوبیت اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے تحت ان کو رحمت یا عذاب کی جس شکل میں چاہتا ہے استعمال کرتا ہے۔ قرآن میں انسانوں کی نسبت کے ساتھ جب ابر و ہوا کی تحریر کا ذکر آتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اب ریا ہوا یا سورج یا چاند انسان کے ہاتھ میں سخر ہیں یا وہ ان کو سخر کر سکتا ہے بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ پروردگارِ عالم نے ان چیزوں کو سخر کر کے ان کو انسان کی نفع رسانی اور اس کی خدمت میں لگادیا ہے اور یہ رات دن خدمت میں لگے رہنے کے باوجود انسان سے کسیأجرت یا صدے کے طالب نہیں بنتے۔ اسی وجہ سے جہاں کہیں یہ مضمون بیان ہوا ہے وہاں سخر لک آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے ان کو تمہاری نفع رسانی میں لگادیا ہے، یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو تمہارے تابع فرمان بنا دیا ہے۔ تابع فرمان یہ صرف خدا ہی کے ہیں۔ انسان زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ خدا نے ان چیزوں کو جن طبیعی قوانین کے ماتحت رکھا ہے ان میں سے بعض کو اپنی سائنس کے زور سے دریافت کر لے اور ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ لیکن ان تمام قوانین کا اصل سررشتہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان اس سررشتہ پر کبھی قابو نہیں پاسکتا۔

(۳۹۸/۱-۳۹۹)

### سجدۃ:

سجدہ کا لفظ عربی زبان میں جھکنے کے معنی میں آتا ہے۔ جھکنے کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں۔ کسی کے آگے تعظیم کے طور پر سرہیوڑا دینا بھی جھکنا ہے اور پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھ دینا بھی جھکنا ہے۔ پچھلے مذاہب میں تعظیم کی یہ قسم غیر اللہ کے لئے جائز تھی لیکن

عموماً اس کی حدود و تھی جو ہمارے ہاں رکوع کی ہے۔ نبی اسرائیل میں اس طرح کے تعظیسی بحدے کا عام رواج تھا اور تورات کے مختلف مقامات سے اس کی جو شکل معین ہوتی ہے وہ رکوع سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ اسلام نے تعظیم کی اس شکل کو خدا نے رب العزت کے لیے خاص کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام خدا کا آخری اور کامل دین ہے، اس نے توحید کی حقیقت کو مکمل طور پر اجاگر کر دینے کے لیے خدا کے لیے تعظیم و تذلل کی شکلیں بھی خاص کر دی ہیں تاکہ اس کے اندر شرک کے داخل ہونے کے لیے کوئی رختہ باقی نہ رہ جائے۔

(۱۵۳/۱)

بحدے کے اصل معنی سر جھکانے کے مختلف درجے ہو سکتے ہیں۔ اس سر جھکانے کے لیے زمین پر پیشانی رکھ دینے کی ہے جو ہم نماز میں اختیار کرتے ہیں۔ عمر بن کثیر نے اپنے مشہور تحریر شعر میں اس کا یہی کامل مفہوم لیا ہے:

إِذَا بَلَغَ الْعَظَامَ لَنَا صَبْيٌ      تَخْرُّلَهُ الْجَابِرُ سَاجِدِينَا<sup>(۱۵۴)</sup>

جب ہماری قوم کا کوئی بچہ دودھ چھوڑنے کی مدت کو پہنچ جاتا ہے تو بڑے بڑے جبار اس کے آگے بحدے میں گرتے ہیں۔ (۲۱۹/۱)

‘سجود’ کے معنی فرمائیں بردارانہ جھکنے کے ہیں۔ پیشانی زمین پر نیکنا اس کے لیے لازم نہیں بلکہ یہ اس کی عکیلی صورت ہے جب اس کے ساتھ ‘تخرّل’ کا لفظ آئے تو اس کے معنی بے اختیارانہ جھک پڑنے کے ہوں گے۔ عام اس سے کہیے جھک پڑنا صرف جھک پڑنے کی حد تک ہو یا پیشانی زمین پر نیک دینے کی حد تک۔ (۲۵۳/۲)

**مساجد:** ‘مساجد’ مسلمانوں کی مساجد کے لیے معروف ہے۔ (۲۵۶/۵)

**سجر:**

‘سجر’ کے معنی بھرنے کے ہیں۔ ‘سجر الرجل التَّوْر’، تئور کو ایندھن سے بھر دیا۔ ‘سجر الماء النَّهَرُ’، پانی نے نہر کو بھریز کر دیا۔ (۲۰۸)

**تسجیر:**

لفظ ‘تسجیر’، اصلًا تئور کو ایندھن سے بھر کر بھڑکا دینے کے لیے آتا ہے پھر اس مفہوم سے وسعت پا کر یہ دریاؤں اور سمندروں کی طغیانی کے لیے بھی آنے لگا۔ دریا جب بے قابو ہو کر اپنے حدود سے باہر نکل پڑیں اور زمین پر پھیل جائیں تو اس حالت کی تعبیر کے لیے یہ معروف لفظ ہے۔ یہی بات ‘واذا البحار فجرت’ (الانتصار ۳) کے الفاظ سے تعبیر فرمائی گئی ہے۔ (۲۲۱/۹)

**سجیل:**

”سجیل“ دو فارسی لفظوں، سنگ (پتھر) اور گل (مٹی) سے مغرب ہے۔ قرآن مجید نے دو طریقوں سے اس کی شرح کی ہے۔ ایک جگہ و امطرنا علیهم حجاجة من سجیل، (۱۳۷)<sup>(۱)</sup> یعنی سجیل کے قسم کا کنکر۔ دوسری جگہ ہے بحجاجة من طین (۱۳۸)<sup>(۲)</sup> یہ لفظ چونکہ عربی زبان میں شامل ہو چکا تھا اس وجہ سے قرآن نے اس کو استعمال کیا۔ (۳۷۱/۲) ‘سجیل’، سنگ گل کا مغرب ہے۔ (۱۵۹/۳)

**سجل:** ‘سجل’، اس دفتر یا طومار یا فائل کو کہتے ہیں جس میں لکھے ہوئے اور اس محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔ (۱۹۳/۵)

## سجین:

‘سجین’، اوپر والی آیت (۱۳۹) میں لغوی مفہوم میں نہیں بلکہ بطور ایک نام کے آیا ہے اس وجہ سے قرآن نے خود ہی اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ اس طرح کے نام قرآن میں متعدد آئے ہیں اور ہر جگہ ان کی وضاحت بھی فرمادی گئی ہے۔ سورہ دہر میں ان کی بعض مثالیں گزر چکی ہیں۔ آگے اس سورہ میں بھی ‘علیون’، اور ‘تسنیم’ کے الفاظ اسی نوعیت سے آئے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ میں اصل اہمیت ان کے لغوی مفہوم کی نہیں بلکہ ان کے اصطلاحی مفہوم یا ان کے تسمیہ کی ہوتی ہے۔ (۲۵۶/۹)

‘سجین’، اس دفتر کا نام ہے جس میں مجرموں کے اعمال کا سارا ریکارڈ تحریری صورت میں محفوظ کیا جا رہا ہے اور جس کی بنیاد پر قیامت کے دن فیصلہ ہو گا کہ کون دوزخ کے کس درجے میں داخل کیے جانے کا سزاوار ہے۔ ‘سجین’ کا مادہ سجن ہے جس کے معنی کید یا قید خانہ کے ہیں۔ اس مناسبت سے سختیں سزا کے ریکارڈ آفس کا نام ‘سجین’ رکھا گیا ہے۔ (۲۵۷/۹)

**سجی!**: ‘سجی’ کے معنی ’رکڑ‘ اور ‘سکن‘، یعنی نک جانے اور ساکن ہو جانے کے آتے ہیں۔ (۳۱۲/۹)

## سخت:

‘سخت’، کے اصل معنی ہڈی پر سے گوشت نوپنے کے ہیں۔ اسی سے اسحات ہے جس کے معنی کسی چیز کا استیصال کر دینے اور اس کی جزا کھاڑ دینے کے ہیں۔ (۶۲/۵)

**سحر:** ‘سحر’، یہاں (۱۵۰) ‘ساحر’ کے مفہوم میں ہے لیکن اس کے اندر مبالغہ کا

مضمون پیدا ہو گیا ہے جس طرح 'زید عدل' استعمال ہوتا ہے۔ (۶۸۷/۵)

### سخرا:

نہیں فرمایا کہ سحر نالہ بلکہ اسلوب بدل کر سخرا نامعہ فرمایا۔ 'معہ' سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد کی تسبیح میں اللہ تعالیٰ نے پھاڑوں اور پرندوں کو بھی ان کا شریک بزم بنا دیا تھا۔ جب وہ اپنا نغمہ حمد چھیرتے تو یہ بھی ان کی ہمتوانی کرتے۔ (۱۷۳/۵)

### مسد:

لفظ 'مسد'، کھجور کے اس ریشے یا پتے یا چھلکے کے لیے بولا جاتا ہے جس سے مضبوط رسیاں بھی جاتی ہیں، اسی وجہ سے یہ لفظ عام طور پر مضبوط اور موٹی ری کے لیے بھی آتا ہے، خواہ وہ کھجور کے ریشے کی ہو یا چڑے کی یا اس قسم کی کسی اور چیز کی۔ چونکی کسی ری کے لیے اس کا استعمال عام ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مضبوط اور موٹی ری کے معنی میں معروف ہے۔ (۶۳۹/۹)

### سد ر:

'سدر' بیری کو کہتے ہیں۔ ہمارے علاقوں میں بیری کی کچھ زیادہ وقعت نہیں ہے۔ اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگوں نے ذہن میں سوال پیدا ہو کہ یہ کیا ایسا چھل ہے جس کا قرآن نے ذکر فرمایا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اول توہر علاقے کی بیری یکساں نہیں ہوتی، بعض علاقوں میں اس کے پھل نہایت لذیذ، خوشبودار اور خوش رنگ ہوتے ہیں۔ ثانیاً یہ جنت کی بیری ہے، جس کا ذکر اس دنیا میں صرف تمثیل ہی کے پیرا یہ میں ہو سکتا ہے۔ اس

کی اصل حقیقت جانے کا یہاں کوئی ذریعہ نہیں ہے، صرف وہی لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوں گے جن کو اصحاب ایمین میں شمولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ (۱۶۶/۸)

### سدرة المنتهى:

”سدرة المنتهى“ وہ مقام ہے جہاں اس عالمِ ناسوت کی سرحد میں ختم ہوتی ہیں۔ ”سدرة“ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ بیری کا درخت عالمِ ناسوت اور عالمِ لا ہوت کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔ ہمارے لیے یہ سارے عالمِ نادیدہ ہے۔ نہ تم عالمِ ناسوت اور عالمِ لا ہوت کے حدود کو جانتے ہیں اور نہ ان دونوں کے درمیان کے اس نشانِ فاصل کی حقیقت سے واقف ہیں جس کو یہاں ”سدرة“ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یہ چیزیں متشابہات میں داخل ہیں اس وجہ سے قرآن کی ہدایت کے مطابق، ان پر ایمان لانا چاہئے، ان کی حقیقت کے درپے ہونا جائز نہیں ہے۔ ان کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جن کا علم رائخ ہوتا ہے ان کے علم میں ان چیزوں سے اضافہ ہوتا ہے۔ رہے وہ لوگ جوان کی حقیقت جانے کے درپے ہوتے ہیں وہ ٹھوکر کھاتے ہیں اور گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔

(۵۶/۸)

**سرب:** ”سرب“ کے معنی برلن سے پانی کے بہہ جانے کے ہیں۔ (۲۰۵/۳)

### سرابیل:

”سربال“ کی جمع ہے جس کے معنی قبص کے بھی آتے ہیں اور لباس کے مفہوم میں بھی یہ آتا ہے۔ یہاں (۱۵۱) موقع کلام دلیل ہے کہ یہ دوسرے عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ (۳۳۹/۳)

**سرح: دیکھیں! راحۃ:**

**السرد:** 'السَّرْد' میں سرڈ کے معنی بناوٹ کے اور 'تقریر' کے معنی بناوٹ میں پورے تناسب کو لمحہ نظر کھنے کے ہیں۔ (۳۰۰/۶)

**اسراف:** 'اسراف' کے معنی حدود سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ (۱۰۷/۵)

**اسراء:**

'اسراء' کے معنی شب میں سفر کرنے کے ہیں اور جب 'ب' کے ذریعہ سے یہ متعدد ہو جائے تو اس کے معنی شب میں کسی کو کہیں لے جانے کے ہیں۔ اگرچہ اس کے مفہوم میں شب میں نکلنے یا لے جانے کا مفہوم خود داخل ہے لیکن عام استعمال میں یہ لفظ کبھی کبھی اس مفہوم سے مجرد ہو جایا کرتا ہے اس وجہ سے "لیلا" کی قید سے اس بات کو موكد کرنا مقصود ہے کہ یہ واقعہ شب ہی میں پیش آیا۔ (۲۷۳/۳)

**اساطیر:**

'اساطیر، سطرو، کے مادے سے' 'اسطورة' اور 'اسطیرہ' کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں بے سر و پاداستان، بے اصل قصہ، فسانہ۔ (۳۵/۳)

'اسطورة' کی جمع ہے۔ بے اصل اور بے حقیقت بات کو کہتے ہیں جس کی کوئی حیثیت محض فسانے کی ہو۔ (۳۰۲-۳۰۱/۲)

**سطو:** 'سطاویسطو' کے معنی حملہ کر دینے اور پل پڑنے کے ہیں۔ (۲۸۲/۵)

**سفر:**

عام طور پر مترجموں نے ستر کا ترجمہ جنون کیا ہے لیکن یہاں یہ لفظ جس اسلوب

سے استعمال ہوا ہے وہ اس معنی سے اباء کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہ 'سعیر' کی جمع ہے اور آگ کے معنی میں آیا ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۷۲ میں ہے: "انَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَ سُعْرٍ،"<sup>(۱۰۵)</sup> (بے شک مجرمین گراہی میں ہیں اور جہنم میں پڑنے والے ہیں)۔ (۱۰۵/۸)

**تعسیر:** 'تعسیر' کے معنی بھڑکانے اور دھکانے کے ہیں۔ (۲۲۳/۹)

### سعی:

'سعی' یہاں<sup>(۱۰۶)</sup> دوڑنے کے مفہوم میں نہیں ہے۔ یہ لفظ کسی کام کے سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ ہونے یا اس کو مستعدی کے ساتھ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے بلکہ اس کا غالباً استعمال اس معنی میں ہے۔ یہاں یہ اسی مفہوم میں ہے۔ (۲۰۸/۸)

'سعی' سے مراد یہاں دوڑنے پھرنے کی عمر ہے۔ (۳۸۳/۶)

'سعی' جدوجہد کے معنی میں بھی آتا ہے اور نسبت جدوجہد یعنی کمائی کے معنی میں بھی۔ (۳۰۱/۹)

**مسغیۃ:** 'مسغیۃ' (بھوک اور قحط کے زمانے میں) کی قید اولیٰ کو موثر بنانے کے لیے ہے۔ یہ کام ہے تو ہمیشہ نیکی کا لیکن قحط کے زمانے میں اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ (۳۷۷/۹)

### سفح:

'سفح' کے لغوی معنی بھانے کے ہیں۔ اسی سے مباحثت ہے جس کے معنی عیاشی اور بدکاری کے ہیں اس لیے کہ اس میں بھی عورت اور مرد مخفی تندذ کو مقصد قرار دے کر اپنا ماڈہ منی برپا کرتے ہیں۔

## سفرة:

‘سفرة’ جمع ہے نسافر کی جس کے معنی قاری وکاتب کے ہیں سفر پڑھنے اور لکھنے دونوں معنی میں آتا ہے۔ اس کے اختراق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصل معنی ہیں تو لکھنے کے لیکن پڑھنے اور بیان کرنے کے مفہوم میں یہ وسیع ہو گیا ہے۔  
(۲۰۳/۹)

## مسفرة:

‘مسفرة’ کے معنی روشن اور تاباک کے ہیں۔ یہ ‘اسفر الصبح’ کے محاورے سے مانوذ ہے۔ سرت کی پہلی چمک جو اہل جنت کے چہروں پر ظاہر ہو گی یہ لفظ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ (۲۱۲/۹)

## سفه:

‘سفه’ زیادہ تر لازم آتا ہے۔ لیکن متعدد بھی آتا ہے۔ مثلاً سفہ نفسہ کے معنی ہوں گے اس نے اپنا نصیہ بگاڑ لیا۔ سفہ رایہ کے معنی ہوں گے اس نے احمقانہ رائے اختیار کی۔ اسی طرح سفہ نفسہ کے معنی ہوں گے۔ اس نے اپنے آپ کو حفاظت میں بتلا کیا۔ یہ اسلوب کلام اکھبار تجرب اور اکھبار افسوس دونوں کا جامع ہے۔ (۳۳۲/۱)

**سفع:** ‘سعف’ کسی چیز کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچنے اور گھینٹنے کے معنی میں آتا ہے۔ (۲۵۸/۹)

**سفہاء:** سفیہ کی جمع ہے جس کے معنی نادان اور بے دوقوف کے ہیں۔ (۱۳۶/۱)  
‘سفیہ’ کے معنی بے دوقوف کے ہیں۔ (۶۱۷/۸)

## سُقْطَة:

‘سُقْطَة فِي أَيْدِيهِمْ’ عربی زبان کا محاورہ ہے جس کے معنی عام طور پر نادم اور خجل ہونے کے لیے گئے ہیں لیکن ندامت و خجالت کا لازم چونکہ غلطی پر تنبہ ہونا بھی ہے اس وجہ سے اگر اس کا ترجمہ تنبہ ہونا کیا جائے تو میرے نزدیک غلط نہ ہو گا۔ اس محاورے کی اصل کیا ہے؟ اس بارے میں اہل لغت کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف قدرتی نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہر محاورے کی اصل کی تحقیق ہے بڑا مشکل کام۔ مجھے کبھی کبھی خیال ہو جاتا ہے اس لیے کہ ہاتھ کنگن کے لیے آرسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (۳۶۶/۳)

## سکوت:

سکت کے بعد ‘عن’ کا صد اس بات پر دلیل ہے کہ یہ ‘زال’ یا اس کے کسی ہم معنی لفظ کے مفہوم پر مخصوص ہے۔ (۳۶۹/۳)

## سکری!

‘سکری’، سکران کی جمع ہے۔ سکران شراب کے نشہ میں دھت کو کہتے ہیں۔ نشہ کی حالت میں نماز اور موضع نماز سے روک کر اسلام نے تحريم شراب کی راہ میں یہ ابتدائی قدم اٹھایا۔ یہود کے ہاں شراب کی ممانعت صرف اوقاتِ عبادت میں اماموں کے لیے تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس راہ میں اسلام کا پہلا قدم بھی ان کے آخری قدم سے آگے ہے۔

نشہ اور جتابت دونوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے اور دونوں کو یکساں مفسد نماز قرار دے کر قرآن نے اس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ یہ دونوں حالتیں نجاست کی ہیں، بس فرق یہ ہے کہ نشہ عقل کی نجاست ہے اور جتابت جسم کی۔ شراب کو قرآنے سے جو رجس،

کہا ہے یہ اس کی وضاحت ہو گئی۔ (۳۰۲/۲)

### **سکینہ:**

‘سکینہ’ کے معنی اطمینان، قرار اور حوصلہ کے ہیں، بالخصوص وہ اطمینان و حوصلہ جو پر خطر حالات اور جنگ کے مصائب میں آدمی کے عزم کو قائم رکھے۔ مثلاً ہو الذى انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزدادو ایماناً۔ لفظ ۲ (وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں عزم و اطمینان اتنا تاکہ وہ اپنے ایمان میں اضافہ کریں) فعل ماضی قلوبهم فائز السکینۃ علیہ واثابهم فتحاً قریباً۔ لفظ ۱۸ (تو ان کے دلوں میں جو کمزوری تھی اللہ نے اس کو جان لیا پس ان پر عزم و اطمینان اتنا اور ایک فوری فتح سے ان کو نوازا) (۱۷۱-۵۷۲)

‘سکینہ’ سے مراد یہاں صبر، حلم، رزانۃ اور حکمت و تدبر ہے۔ اجتماعی زندگی میں ایسے مراحل بہت پیش آتے ہیں جب کسی جماعت کے حلم و تدبر کا نہایت سخت امتحان ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اگر جماعت حریف کے رویہ سے مشتعل ہو کر کوئی عاجلانہ قدم اٹھا دے تو اس سے اصل مقصد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے۔ (۳۶۳/۲)

### **مسکنہ:**

‘مسکنہ’ کے معنی عز و بُشی، پست ہمتی اور بدحالی کے ہیں۔

(۱۶۲/۲) مسکنہ سے مراد بے حوصلگی اور پست ہمتی ہے۔ (۲۲۵/۱)

### **(غیر) مسکونۃ:**

‘غیر مسکونۃ’ سے مراد قرینہ دلیل ہے کہ یہاں وہ مکانات ہیں جو غیر رہائشی

ہیں یعنی جن میں آدمی کے بیوی بچے نہ رہتے ہوں۔ (۳۹۵/۵)

**مساکین** 'دیکھیں' فقراء'

**انسلاخ:**

انسلاخ کے معنی کپڑے اتنا کرنے کے ہیں جو جانے کے ہیں۔ 'انسلاخ من ثیابه'

تجرد۔ (۳۹۶/۳)

**سلطان:**

سلطان، کالفظ قرآن میں دلیل و جدت کے معنی میں بھی آیا ہے اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی۔ اس دوسرے معنی کے لیے بھی متعدد نظریہں موجود ہیں مثلاً ماساکان لی علیکم من سلطان ۱۲۲ ابراہیم (مجھے تم پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا) و من قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیه سلطاناً الاصراء ۳۲ (جو مظلومانہ قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے دارث کے لیے قاتل پر اختیار بخشنا) \*۔ (۲۵۹/۲)

**سلف:**

'سلف' کے اصل معنی گزرنے کے ہیں۔ یہی سے گزرے ہوئے لوگوں کے مفہوم

\* سلطان، قرآن میں منہ، اختیارات، پروانہ اور تواریخ کے مفہوم میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ (۳۶۷/۷)

'سلطان' کے معنی قابو بندور اور اختیار کے ہیں۔ (۳۳۹/۳) 'سلطان' کے معنی اختیار و اقتدار کے

ہیں۔ (۳۶۰/۳) 'سلطان' سے مراد یہاں غلبہ، بدربہ اور ریاست ہے۔ (۶۴۵/۵)

سلطاناً (مہینا) واضح اور قطعی جدت۔ (۳۱۲/۲)

میں استعمال ہوتا ہے۔ 'سلف' اچھے بھی ہو سکتے ہیں، برے بھی۔ (۷/۲۳۹)

### سلم:

'سلم' کے معنی اطاعت کے ہیں اور مرا دا اس سے اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی اسلام کے لیے ہیں۔ لیکن یہ فرق محض ظاہر کا فرق ہے، اس لیے کہ اسلام کی اصل حقیقت اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے۔ یہ لفظ حرب کا ضد بھی آتا ہے اس صورت میں اس کے معنی صلح و امن کے ہوتے ہیں، اس مفہوم میں بھی اسلام کی روح موجود ہے، اس لیے کصلح و امن کی اصل راہ اللہ و رسول کی اطاعت ہی ہے (ار ۷/۳۹۸-۳۹۷)

**السلم:** 'السلم' کے معنی سلامتی، بسکھ اور چین کے ہیں۔ کسی کو سلامتی کی دعا دینی ہو تو ہم یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن میں لیلۃ القدر کے متعلق فرمایا ہے و سلم ہی حتی مطلع الفجر، (القدر ۵) (اس میں سلامتی ہی سلامتی ہے، وہ طلوع فجر تک ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے ہر آفت اور ہر خطرے سے امان اور پر ہے۔

(۳۱۳/۸)

### اسلام:

اسلام کے معنی اپنے آپ کو پورے طور پر خدا کی مرضی اور اس کے احکام کے حالہ کر دینا ہے۔ (ار ۳/۳۲۳)

### سلم:

سلم، کے معنی انتیاد و اطاعت اور حوالگی و پروردگی کے ہیں۔ "القاء السلم" سے مراد کسی کے آگے پر ڈال دینا، گھٹنے ٹیک دینا، پراند از ہونا اور اس سے صلح کی درخواست

کرنا۔ (۳۵۸/۲) 'تسلیم' سے اسم ہے جس کے معنی حواگی اور پرداگی کے ہیں۔ 'فالقوا السلم' یعنی ڈگ ڈال دیں گے، پر انداز ہو جائیں گے، صلح کی درخواست کریں گے۔ (۳۰۳/۳)

**سلیم:** دیکھیں "قلب سلیم"

**سلم:** 'سلم' کے معنی صلح اور سمجھوتے کے ہیں۔ (۷۲۵/۲)

**استسلام:** 'استسلام' کے معنی حوالے کر دینے اور مطیع بن جانے کے ہیں۔

(۳۶۳/۲)

**سلوی:**

'من' کی طرح لفظ 'سلوی' بھی عربی میں الہ کتاب کے واسطے سے آیا ہے<sup>(۱۵۳)</sup> اور الہ عرب نے اس کو اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ ان پرندوں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے صحرائے سینا میں بنی اسرائیل کے لیے بھیجے۔ یہ پیروں سے ملتے جلتے تھے، اور پیروں ہی کی طرح ان کا شکار نہایت آسان تھا۔ خروج میں ان کی تفصیل اس طرح آئی ہے:

"پھر وہ ہلیم سے روانہ ہوئے اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت ملک مصر سے نکلنے کے بعد دوسرے مہینے کی پدر ہویں تاریخ کو میں کے بیابان میں، جو ہلیم اور سینا کے درمیان ہے، پہنچی اور اس بیابان میں بنی اسرائیل کی ساری جماعت موئی اور ہارون پر بڑبڑا نے لگی، اور بنی اسرائیل کہنے لگے کاش کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے ملک مصر میں جب ہی

ماردیے جاتے جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی  
کھاتے تھے کیوں کہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اسی لیے لے آئے ہو کہ  
سارے مجھ کو بھوکا مارو..... اور خداوند نے موئی سے کہا، میں نے بنی  
اسرائیل کا بڑا بڑا ناس لیا ہے۔ سوتواں سے کہہ دے کہ شام کو تم گوشت  
کھاؤ گے اور صبح کو تم روٹی سے سیر ہو گے اور تم جان لو گے کہ میں خداوند  
تمہارا خدا ہوں۔ اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بیشتریں آئیں کہ ان کی خیمہ گاہ  
کوڈھا نک لیا (خروج باب ۱۶، ۱۳-۲۱) (۲۱۸/۱)

**معنی:** 'سمد' اور 'سمود' کے معنی مدد ہوش ہونے کے ہیں۔ (۸۳/۸)

### معنی:

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سمع کا الفاظ واحد کیوں استعمال ہو اجنب  
کہ قلوب والبصار کے الفاظ جمع استعمال ہوئے ہیں۔ کلام کی ہم آنکھی کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ بھی  
جمع یعنی آسامع استعمال ہوتا؟ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس چیز کا تعلق اہل  
زبان کے طریق استعمال سے ہے۔ قرآن میں یہ لفظ کم و بیش ۲۰-۲۲ مقامات میں استعمال  
ہوا ہے<sup>(۱۵۵)</sup> اور اکثر جگہ قلوب، افندہ اور ابصار کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ  
قرآن مجید زبان کے لحاظ سے بھی ایک معیاری چیز ہے اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ فصحائے  
عرب اس سیاق میں اس لفظ کو اسی طرح استعمال کرتے رہے ہیں۔ (۱۱۰/۱)

### معنی:

وقالوا سمعنا و اطعنا، سمع کا لفظ یہاں مجرد سننے کے معنی میں نہیں بلکہ ماننے

اور قبول کرنے کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ اردو میں بھی سننے کا لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں سمعنا کا لفظ دل کی قبولیت کا اظہار کرتا ہے اور اطعنا کا لفظ عملی اطاعت کا۔ اور ایمان و اسلام کی اصل حقیقت یہی ہے۔ اس میں یہود کے 'سمعنا و عصينا، پر ایک لطیف تعریض بھی ہے۔ (۱۴۹۶)

### اسمع:

'اسمع غیر مسمع' کے لفظی معنی ہیں، سفودہ بات جو پہلے سنائی نہیں گئی۔ اس فقرے کا اچھا محل یہ ہے کہ مجلس میں مشکلم یا خطیب کو کوئی حکیمانہ بات سن کر ایک سامع دوسرے سامع کو متوجہ کرے کہ یہ داشمندانہ اور حکیمانہ بات سنیے، یہ بات ہمیں بارہارے کانوں نے سنی ہے، اس سے پہلے یہ بات کبھی ہم نے نہیں سنی۔ ظاہر ہے کہ یہ بات نہ صرف مشکلم اور خطیب کی قدر دانی کی دلیل ہے بلکہ دوسروں کو اس کی قدر دانی کے لیے تشویق و ترغیب بھی ہے لیکن کوئی شخص ہوٹنگ (Hoeting) کے انداز میں بانداز تسمخ بری بات کہے تو اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ 'ذرا اس کی ناشنیدنی سنؤی کیسی بے پر کی اڑا رہا ہے، ایسی بات کا ہے کوئی کسی نے سنی ہوگی!' ظاہر ہے کہ محض انداز اور لب والہجہ کی تبدیلی نے اس نہایت اعلیٰ فقرے کو طعن و طنز کا ایک زہر آلو نشتر بنادیا لیکن اس پر بھی کوئی گرفت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ گرفت ہوتا کہنے والا صفائی پیش کر سکتا ہے کہ میں نے تو طنز کے طور پر نہیں بلکہ تمہیں کے طور پر کہا ہے۔ چونکہ اس فقرے میں طنز کا پہلو 'غیر مسمع' کے الفاظ سے پیدا ہوتا تھا اس لیے قرآن نے اس کی یہ نوک توڑ دی اور ہدایت کی کہ صرف 'اسمع' کہا جائے۔

(۳۱۰۲)

استماع: 'استماع' کے معنی توجہ اور اہتمام کے ساتھ سننے کے ہیں (۳۱/۵) 'استماع'

کے معنی توجہ سے کان لگائے رکھنے کے ہیں۔ (۵۶۹/۷)

**سَمَوَمٌ:** سِمُوم "لُوكِي لپٹ اور ہواۓ گرم کو کہتے ہیں۔ (۳۵۷/۳)

**سماء:**

سماء کا لفظ سما یسمو سے ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں<sup>(۱۵۶)</sup> یہ شامیانہ، جو ہمارے اوپر تنا ہوا نظر آتا ہے، قرآن اس کے عجائب اور اس کی نیزگیوں کی طرف ہمیں متوجہ کرتا ہے اور ان سے جن واضح نتائج کی طرف رہبری ہوتی ہے ان کو قول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کائنات کے مشاہدات سے متعلق قرآن کا مستقل اصول یہ ہے کہ جو چیزیں ہماری عام نگاہوں سے غخی ہیں یا جو صرف گمان اور قیاس پر ممکن ہیں یا جو صرف خود بینوں اور دور بینوں کی مدد سے ہی دیکھی جاسکتی ہیں، قرآن ان سے تعریض نہیں کرتا۔ (۱۳۳-۱۳۵)

سماء کا لفظ عام طور پر تو اس سقیدیلکوں کے لیے بولا جاتا ہے جس ہم آسان کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ابر کے معنی میں بھی آیا ہے<sup>(۱۵۷)</sup> اور اس فضائے بسیط و عریض کے لیے بھی جو ہمارے سروں پر ہے۔ بارش اگرچہ آسان ہی سے ہوتی ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ لفظ سماء کا اضافہ بے ظاہر کچھ غیر ضروری سامنے معلوم ہوتا ہے لیکن اس اضافے سے ایک تو بارش کی تصویر نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے اور اس تصویر کی کسی تمثیل میں بڑی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ دوسرے اس سے قرآن مجید کے آسمانی ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ ہو رہا ہے کیوں کہ مراد اس بارش سے قرآن ہی ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا۔

(۱) ۱۲۹

### سماء:

‘سماء’ جس طرح آسمان کے لیے آتا ہے اسی طرح فضا کے لیے بھی آنا اس کا استعمال معروف ہے۔ (۳۲۳/۳)

‘سماء’ جس طرح آسمان اور بادلوں کے لیے آتا ہے اسی طرح فضا اور اس کی بلندی پر چڑھنے کے لیے آتا ہے مثلاً کلمۃ طيبة کشجرۃ طيبة اصلہا ثابت و فرع عہا فی السماء (ابراهیم ۲۲) (کلمۃ طيبة کی مثال ایک باراً اور درخت کی ہے جس کی جڑ زمین میں گہری اتری ہوئی ہو اور اس کی شاخیں فضائیں پھیلی ہوئی ہوں) (۱۶۱/۳)  
‘سماء’ جس لیتی سلوٹ کے معنی میں ہے۔ (۲۲۲/۸)

**سمی:** ‘سمی’ کے معنی نظیر و مثال کے ہیں۔ (۶۳۷/۳) ‘سمی’ کے معنی نظیر اور تمثیل کے ہیں۔ (۶۷۵/۳)

### سنده:

‘سنده’ اور ‘استبرق’، ریشمی کپڑوں کے نام ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کے درمیان باریک اور دبیز کا فرق کیا ہے۔ لیکن یہ ذکر جنت کے ‘سنده’ اور ‘استبرق’ کا ہے۔ اس وجہ سے یہ بحث غیر ضروری ہے۔ ان کی اصل حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ (۲۹۲/۷)

### سخن:

سخن، اللہ تعالیٰ کے وہ خاطبے اور قاعدے ہیں جن کے تحت وہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ ایک قوم اگر اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات کی تعمیل اور اس کے بھیجے ہوئے

رسولوں کی پیروی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برومند اور کامیاب کرتا ہے۔ برکت اس کے اگر کوئی قوم خدا کے احکام و قوانین کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکنذیب کرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بتاہ کر دیتا ہے۔ (۱۷۹/۲)

### سنین:

سنین 'سنة' کی جمع ہے۔ اس کے عام معنی تو سال کے ہیں لیکن یہ خط اور مصیبت کے سال کے لیے بھی معروف ہے اور اسی مفہوم میں یہاں یہ استعمال ہوا ہے۔ (۳۵۳/۳)  
**ساهرہ:** 'ساهرہ' ہمارے میں اور کھلے میدان کو کہتے ہیں۔ یہاں <sup>(۱۵۸)</sup> اس سے میدان حشر مراد ہے۔ (۱۷۹/۹)

**سهل:** 'سہل' پہاڑی علاقہ کے مقابل میں میدانی علاقہ کو کہتے ہیں۔ (۳۰۲/۳)

### سوء:

سوء کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے جسمانی اور مادی نقصان اور گزندگی مراود ہوتا ہے۔ مثلاً فان قلبو ا بنعمة من الله و فضل لم يمس بهم سوء۔ آل عمران ۲۷ (اور وہ خدا کی نعمت اور اس کا فضل لے کر لوئے اور ان کو کوئی گزندگا نہ پہنچا) اس سے یہاں بھی مراود ہوتی ہے۔ مثلاً: وادخل يدك في جييك تخرج بيضاء من غير سوء (انتم ۱۲) (او تم اپنا ہاتھ گریاں میں داخل کرو، وہ اس کے اندر سے سفید برآمد ہو گا بغیر کسی مرض کے) اسی طرح یہ بدی اور گناہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، عام اس سے کہ بدی چھوٹی ہو یا بڑی مثلاً انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالت ثم يتوبون من قريب۔ النساء ۲۷ (الله کے ذمہ ان کی توبہ کی قبولیت

ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں) (۳۰/۱) سوء، کی قید اس شہبہ کے ازالہ کے لیے ہے کہ یہ ہاتھ کی سفیدی کی مرض کے سبب سے نہیں ہو گی بلکہ اللہ کی ایک نشانی کے طور پر ہو گی۔ (۳۵/۲)

### سیّات:

سیّات کا لفظ چونکہ یہاں کبائر کے مقابل میں آیا ہے اس وجہ سے اس سے مراد صغار لیعنی چھوٹے گناہ ہیں۔ جس طرح نیکیاں، جن کا حکم دیا گیا ہے، بڑی بھی ہیں اور چھوٹی بھی، اسی طرح بدیاں، جن سے روکا گیا ہے، چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی۔ (۲۸۷/۲) 'سینہ' سے مراد، یہاں قرینہ دلیل ہے کہ عذاب اور قسمت ہے۔ (۶۱/۵)

**سوئی:** مرض اور عیوب سے بری کو کہتے ہیں۔ (۶۳۸/۳)

### سیاحۃ:

ساح، یسیخ، کے معروف معنی تو زمین پر چلنے پھرنے کے ہیں چنانچہ اسی سورہ کی دوسری ہی آیت میں 'فسیحوا فی الارض اربعۃ الشہر' آیا ہے۔ لیکن یہاں (۱۵۹)<sup>(۱۰)</sup> جس سیاق و سابق میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لغوی سیاحت کے مفہوم میں نہیں بلکہ اصطلاحی سیاحت کے مفہوم میں آیا ہے۔ لفظ 'سیاحت' قدیم زمانے سے الی دین کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم صاحب لسان (۱۱۰)<sup>(۱۱)</sup> نے یوں ادا کیا ہے "النھاب فی الارض للعبادة الترہب" عبادت و ریاضت کے لیے کسی ست نکل کھڑے ہونا۔ اسلام سے پہلے اکثر مذاہب میں عبادت کے پہلو سے اس بات کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کہ آدمی گھر در، یہوی بچوں اور دنیا کے ہنگاموں سے الگ ہو کر جنگلوں، پہاڑوں اور سنسان

جگہوں میں نکل جائے، اپنا سارا وقت دھیان گیاں، ذکر و عبادت، چلے کشی اور ریاضت میں گزارے۔ قوت لا یموت پر قناعت کرے۔ بھوک پیاس ستائے تو جنگل کے پھل پھلاڑی اور نندیوں چشمیوں کے پانی پر گزارہ کرے۔ عیسائیوں کے راہیوں، گوم بدھ کے بھکشوؤں اور ہندو جو گیوں ارونسیا سیوں کا محبوب طریقہ عبادت یہی رہا ہے۔ یہ لوگ اگر غلط کی طرف متوجہ ہوتے تھے تو اس طرح کر صح کسی بستی میں اور شام کسی بستی میں۔ جہاں پہنچے نیکی اور پہیزگاری کے چند کلے لوگوں کا نوں میں ڈالے اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ اسی درویثانہ اور رہبانہ زندگی کے لیے قدیم اصطلاح سیاحت کی ہے۔

اس سیاحت کا جتنا حصہ رہبانیت کے حکم میں داخل ہے وہ تو اسلام میں منوع ہے اس لیے کہ اسلام دین فطرت ہے اور رہبانیت فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن اس کا جو حصہ زہد و توکل، ذکر و فقر، خلوت و بخل، ریاضت و مجاہدہ، جتوئے حقیقت، طلب علم اور دعوت الی اللہ و جہاد فی سبیل اللہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اسلام میں بھی مطلوب و مطبوع ہے اور اس کو اسلام نے روزہ، اعتکاف، عمرہ، حج اور جہاد میں سمود دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ہاں سیاحت کے باب میں نفی اور اثبات دونوں طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ ایک طرف یہ ارشاد ملتا ہے کہ "لا سیاحۃ فی الاسلام"<sup>(۱۲۱)</sup> (اسلام میں سیاحت نہیں ہے) و دسری طرف یہ چیز بھی ملتی ہے کہ "سیاحۃ هذه الامة الصيام و لزوم المساجد"<sup>(۱۲۲)</sup> اس امت کے لیے سیاحت روزے اور مسجدوں کے ساتھ وابستگی ہے۔ ابو داؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاحت اختیار کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا سیاحۃ امتی الجہاد فی سبیل الله<sup>(۱۲۳)</sup> (میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ سیاحت کا جو حصہ رہبانیت کی تعریف میں آتا

ہے وہ تو اسلام نے اپنے نصاب سے خارج کر دیا ہے۔ لیکن اصل مقصد سیاحت اسلام میں بھی باقی ہے اور روزہ، اعتکاف، ہجرت، جہاد، دعوت و تبلیغ اور طلب علم و حصول تربیت کے لیے سفر، یہ سب چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ یہ سیاحت جس طرح مردوں کے لیے ہے اسی طرح، جیسا کہ سورہ تحریم کے لفظ 'سائحتات' <sup>(۱۶۳)</sup> سے واضح ہے، عورتوں کے لیے بھی ہے۔ البتہ عورتیں ان چیزوں سے مستثنی رہیں گی جن سے شریعت نے ان کو مستثنی رکھا ہے مثلاً قاتل وغیرہ۔

عام طور پر ہمارے مترجموں نے اس کا ترجمہ 'روزہ رکھنے والے، یا راہ خدا میں پھرنے والے یا بے تعلق رہنے والے' کیا ہے۔ لیکن ان ترجموں سے سیاحت کا صرف ایک ایک پہلو سامنے آتا ہے۔ درآنحالیکہ اس کے متعدد پہلو ہیں۔ میں نے 'ریاض کرنے والے ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ میں اس پر پوری طرح مطمئن تو نہیں ہوں لیکن میرے زد دیک یہ ترجمہ نسبہ لفظی کی روح سے قریب تر اور اس کے کل نہیں تو اکثر اطراف کا جامع ہے۔ والعلم عند اللہ۔ (۲۳۷/۳)

### سائبہ:

سائبہ، اس اوثنی کو کہتے ہیں جس کے متعلق اس کا مالک اپنی کسی یہماری میں یہ منت مانتا ہے کہ اگر اس کو شفا ہوگئی تو وہ اس کو آزاد چھوڑ دے گا، نہ اس پر سواری کرے گا نہ اس کا دودھ دو ہے گا۔ (۲۰۲/۲)

### مشحون:

'مشحون' کا ترجمہ مترجمین نے 'روزہ رکھنے والا' کیا ہے لیکن ہمارے زد دیک

لفظ کی یہ تعبیر ناقص ہے۔ یہ 'سیاحت' سے ہے جو ایک دینی اصطلاح ہے اور جس کا مفہوم وسیع ہے۔ اس کی روح زہد اور ترکِ دنیا ہے اس وجہ سے اس سے وہ عبادات اور ریاضتیں مراد ہیں جو اسلام نے ترکِ دنیا اور زہد کے لیے پسند فرمائی ہیں، مثلاً روزہ، اعتکاف اور حج وغیرہ۔ یہ درحقیقت رہبانیت کے زمرة کی عبادت ہے۔ جس طرح رہبانیت اسلام میں ایک خاص حد تک جائز ہے اسی طرح سیاحت بھی ایک خاص حد تک مطلوب ہے۔ روزہ اس ریاضت کے اہم ارکان میں سے ضرور ہے لیکن اس کا ترجمہ روزہ کے لفظ سے صحیح نہیں ہے۔ میں نے اس کا ترجمہ ریاض کرنے والیاں کیا ہے جو نسبتہ جامع ہے اور ان تمام عبادتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو اس کے تحت آتی ہیں۔ ان میں روزہ بھی شامل ہے۔ (۳۶۸/۸-۳۶۹)

**سادق:** 'سادق' سے مراد تو ظاہر ہے کہ لیڈر اور سردار ہیں۔ (۲۷۶/۶)

**سورہ:** نسورة، یہاں<sup>(۱۹۵)</sup> اصطلاحی مفہوم میں نہیں بلکہ اس کے کسی حصہ یا مکڑے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (۶۲۰/۳)

**تسوّر:** 'تسوّر' کے معنی دیوار پر چڑھنے کے ہیں۔ (۵۲۳/۲)

**سواع:** 'سواع' کی پرستش قبیلہ بندیل کرتا تھا۔ (۶۰۳/۸)

### سوق:

'سوق' کسی چیز کی طرف ہاک کر لے جانے کے معنی میں آتا ہے۔ یا اچھے اور بُرے دونوں محل میں استعمال ہو سکتا ہے۔ (۶۱۳/۶)

## تسویل:

‘تسویل’ کے معنی تزیین اور تحسین کے ہیں۔ ‘سوّل لہ الشیطان’ شیطان نے اس کو گراہ کیا اور اس کی نگاہوں میں کھبایا کہ فلاں کام کر گزرے سوّلت لہ نفسہ کذا، اس کے نفس نے فلاں کام کو اس کے لیے آسان بنا دیا اور اس کی نگاہوں میں کھبادیا۔

(۲۲۷/۲)

**سوّلت لہ:** شیطان نے اس کی نگاہ میں فلاں کات کھبادی اور آسان کر دی۔ (۱۹۹/۲)

## سوم:

‘سوم’ کے معنی کسی پر کوئی بوجھ بیارڈالنے کے ہیں<sup>(۱۶۱)</sup>، کہیں گے سامہ ظلم و سامہ خسفا اس کو ظلم کایا ذلت کا مزہ چکھایا۔ یذبھونَ ابنائکم و یستھيون نسائکم<sup>(۱۶۲)</sup> (وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے) یا اس عذاب ظلم و ذلت کی تفصیل ہے جس میں فرعونیوں کے ہاتھوں بنی اسرائیل بتلا ہوئے۔ اگرچہ مصر میں بنی اسرائیل پر طرح طرح کے ظلم توڑے جاتے تھے اور بے شمار قسم کی ذاتوں سے انہیں سابقہ تھا جن کی تفصیل ان کی تاریخ میں موجود ہے لیکن یہاں ذکر صرف دو ہی باقوں کا بطور نمونہ فرمایا ہے، ان نمونوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل وہاں کس شکنجو میں تھے۔ (۲۱۰/۱)

## مسومة:

‘مسومة’ سے ہے جس کے معنی علامت کے ہیں۔ مسومة کے معنی ہوں گے، نشان زدہ چونکہ اصلی اور نصیس گھوڑوں پر بالعموم نشان لگایا جاتا ہے اس وجہ سے یہ لفظ

اصل اور عمدگی کی تعبیر کے لیے معروف ہو گیا۔ (۳۱۲)

### مسوٰ مین:

**مسوٰ مین**—سوہمہ، سیمہ سے ہے جس کے معنی علامت اور نشان کے ہیں الخیل المسوہ، ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جن پر نشان لگے ہوئے ہوں (۱۶۸)۔ فرشتوں کے لیے مسوٰ مین کی صفت سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خاص اہتمام کے ساتھ اس مہم کے لیے بھیجے گا اور وہ خاص اس جنگ کے لیے اپنے ایتازی نشان اور رنچ لگائے ہوئے ہوں گے۔ (۱۷۲)

**سیما**: 'سیما' کے معنی علامت اور نشان کے ہیں۔ (۲۲۶/۳)

### سوی:

'سوی' کے معنی وسط کے ہیں۔ مکانا سوی، یعنی ایسی جگہ ہو جو ہمارے او ر تمہارے دونوں کے لیے یکساں ہو جہاں ہمارے آدمی بھی آسانی سے جمع ہو سکیں اور تمہارے آدمی بھی۔ (۲۱۵)

**سیناء**: دیکھیں "طور سیناء"

### تسویہ:

'تسویہ' کے معنی ہیں کسی شے کو ثبیک خاک کرنا، اس کو ہموار کرنا، اس کے نوک پلک سنوارنا، یہاں قرینہ دلیل ہے کہ یہ اسی آخری مفہوم میں ہے۔ (۳۱۳/۹)

'تسویہ' کے معنی کسی شے کو برابر کرنے، ہموار کرنے اور اعتدال و توازن کے ساتھ قائم کر دینے کے ہیں۔

## استواء :

استواء کے معنی سید ہے کھڑے ہونے کے ہیں اور الٰٰ کے ساتھ اس کا صداس بات پر دلیل ہے کہ یہ لفظ توجہ کرنے یا اس کے ہم معنی کسی مفہوم پر مشتمل ہے۔ (۱۳۷/۱)

## سوی :

‘سوی’ کے معنی ‘وسط’ کے ہیں۔ مکانا سوی، یعنی ایسی جگہ ہو جو ہمارے او ر تمہارے دونوں کے لیے یکساں ہو جہاں ہمارے آدمی بھی آسانی سے جمع ہو سکیں اور تمہارے آدمی بھی۔ (۶۱/۵)

## سواء :

‘سواء’ کے معنی وسط کے ہیں۔ ‘سواء الراس’ سر کے نیچے کے حصے کو کہیں گے۔ ‘سواء الطريق’ کے معنی ہوں گے وسط شاہراہ۔ جو چیز دو جماعتوں کے نیچے ہو گی اور دونوں میں یکساں مشترک، مسلم اور جانی پہچانی ہوئی ہوگی۔ توحید کے متعلق قرآن مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان مشترک و مسلم ہے۔ قرآن نے اسی مشترک کلہ کو بنیاد قرار دے کر ان سے بحث کا آغاز کیا ہے کہ جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک حقیقت ہے تو موازنہ کرو کہ اس قدر مشترک کے معیار پر قرآن اور اسلام پورے اترتے ہیں یا یہودیت اور نصرانیت؟ (۱۱۲ / ۲)

## سید :

‘سید’ کے معنی سردار کے ہیں۔ نبی اپنی فطرت، اپنی دعوت اور اپنے مشن کے لحاظ سے سردار ہوتا ہے۔ وہ دائی بن کر لوگوں کو پکارتا، منذر بن کر لوگوں کو جگاتا اور ہادی و مرشد

بن کر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کام کے لیے وہ قدرت کی طرف سے تمام اواز و اسلوچ سے مسلح ہوتا ہے۔ اس کا سینہ خلق کے لیے شفقت اور رافت سے لبریز ہوتا ہے، اس کے کلام میں بے پناہ سطوت و جلالت ہوتی ہے، اس کی آواز اور اس کے انداز میں ہیبت ہوتی ہے، اس کی تابناک پیشانی اس کی عظمت و صداقت کی گواہی دیتی ہے۔ اگرچہ وہ کمبل کی پوشک پہنتا ہو اور جنگلی شہد اور مذبوح پر گزارا کرتا ہو لیکن اس کے رب و دبدپہ سے بادشاہوں پر لرزہ طاری ہوتا ہے وہ حق کے لئے ان کو بھی اسی طرح سرزنش کرتا ہے جس طرح دوسروں کو کرتا ہے۔ (۸۱/۲)

### تسییر:

تسییر، کے معنی چلانے کے ہیں۔ یہاں یہ سفر کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ چونکہ تمام وسائل و ذرائع خدا ہی کے پیدا کردہ ہیں اور وہ تدبیر و حکمت بھی خدا کی عطا کردہ ہے جس سے کام لے کر انسان خشکی و تری کے سفر کے وسائل ایجاد کرتا اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اس وجہ سے فرمایا کہ وہی تمہیں خشکی و تری میں سفر کرتا ہے تاکہ انسان کی نگاہ اسباب و وسائل ہی میں انک کرنہ رہ جائے بلکہ اسباب وسائل پیدا کرنے والے تک پہنچ۔ (۳۰/۳)

### متشابہات:

متشابہات سے مراد وہ آئیں ہیں جن میں ہمارے مشاہدات و معلومات کے دسترس سے باہر کی باتیں تمثیلی و تشبیہی رنگ میں قرآن نے بتائی ہیں۔ یہ باتیں جس بنیادی حقیقت سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں وہ مجایے خود واضح اور ثابت ہیں ہوتی ہے، عقل اس کے اتنے حصے کو سمجھ سکتی ہے جتنا سمجھنا اس کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ البتہ چونکہ اس کا تعلق ایک نادیدہ

علم سے ہوتا ہے اس وجہ سے قرآن ان کو تمثیل و تشبیہ کے انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ علم کے طالب بقدر استعداد ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی اصل صورت و حقیقت کو علم الہی کے حوالہ کریں۔ (۲۵/۲)

تشابہ کا ایک عام مفہوم بھی ہے وہ یہ کہ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہم آہنگ و ہم رنگ چیز۔ اپنے اس مفہوم کے اعتبار سے پورا قرآن مشابہ ہے۔ چنانچہ اسی پہلو سے قرآن کو مشابہ کہا گیا ہے۔ کتاباً متشابهًا مثانی (الزمر۔ ۲۳) (۲۹/۲)

**شَتِّي:** 'شَتِّي'، جمع ہے 'شَتِّيٌّ' کی جس کے معنی متفرق اور الگ کے ہیں۔ (۳۰۲/۹)  
**اشتات:** 'اشتات' کے معنی متفرق، اکیلے اکیلے، تنہا تنہا کے ہیں۔ (۳۹۳/۹)

### شجرة (خبيثة):

جمماز جمنکاڑ کے قسم کا درخت جس میں نہ پھول نہ پھل، نہ سایہ نہ غذا۔ ہاتھ لگائیے تو اس کے کائنے ہاتھوں کو زخمی کریں، جکھیے تو اس کی تلخی سے زبان ایٹھ جائے، پاس بیٹھیے تو اس کی بو سے قوت شامہ ماؤف ہو کے رہ جائے۔ (۳۲۵/۳)

**شجرة (طيبة):** 'شجرة طيبة' وہ درخت جو مشر، سایہ دار، نفع بخش اور با برکت ہو۔ (۳۲۳/۳)

### شجرة (ملعونة):

'شجرة ملعونة' سے اشارہ شجرہ زقوم کی طرف ہے جس کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ وہ دوزخ میں ہو گا۔ شجرہ کے لیے ملعونہ کی صفت 'مبارکہ' کی ضد ہے۔ ایک تو شجرہ ارکہ ہوتا جو اپنے سایہ، اپنی طراوت اور اپنے پھل ہر چیز سے خلق کو فیض پہنچاتا

ہے۔ اس کے بالکل برعکس شجرہ ملعونہ ہوتا ہے جس میں نہ سایہ نہ پھل، صرف کانٹوں کا ذہیر، کڑواہت اور زہر سے بھرا ہوا، خلق کے لیے ایک لعنت اور مصیبت ہوتا ہے۔ ز قوم کی صفت یہی ہے۔ (۵۱۷/۳)

### الشجرة:

‘شجرہ’ پر الف لام داخل ہے جس سے یہ بات تو واضح ہے کہ جہاں تک آدم اور حاصلیہ السلام کا تعلق ہے، ان کو یہ درخت تعین اور تخصیص کے ساتھ بتا دیا گیا تھا۔ رہایہ سوال کہ یہ درخت کس چیز کا تھا؟ تو اس سوال کا جواب نہ تو قرآن مجید ہی نے دیا ہے اور نہ کسی صحیح حدیث ہی میں اس کا جواب موجود ہے اس وجہ سے اس کو معلوم کرنے کی کوشش ایک لا حاصل کوشش ہے۔ ہمارے نزدیک اس بارے میں صحیح مسلک امام ابن جریر گا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”هم تعین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ درخت کس چیز کا تھا، کیوں کہ اس کے تعین کے لیے کوئی دلیل نہ تو ہمیں قرآن ہی میں ملتی ہے نہ حدیث ہی میں، پھر آخر کوئی شخص کوئی بات کہے تو کس سند پر“ (۱۶۹)۔

ہمارے نزدیک اس درخت کو معلوم کرنے کی چند اس ضرورت بھی نہیں ہے۔ اصل چیز جو یہاں قرآن مجید بتانا چاہتا ہے وہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح فرشتوں اور جنات کی وفاداری اور اطاعت کا امتحان آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر لیا اسی طرح آدم کی اطاعت و وفاداری کا امتحان ان کے لیے جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کو حرام نہیں کر لیا۔ (۱۶۶/۱)

### شَح:

الشَّح، کے معنی بُخل کے بھی ہیں اور حرص کے بھی۔ بُخل تو یہ ہے کہ آدمی ادائے

حقوق میں بھگ دلی بر تے۔ یہ چیز ہر حال میں مذموم ہے۔ لیکن حرص اچھی چیز کی بھی ہو سکتی ہے، بری چیز کی بھی، حد کے اندر بھی ہو سکتی ہے اور حد سے باہر بھی، اس وجہ سے اس کا اچھا اور بُرا ہوتا ایک امر اضافی ہے۔ اپنے اچھے پہلو کے اعتبار سے یہ انسانی فطرت کے اندر اپنا ایک مقام رکھتی ہے لیکن اکثر طبائع پر اس کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ یہ ایک بیماری بن کر رہ جاتی ہے۔ **احضرت الانفس الشح** <sup>(۱۷۰)</sup> میں اس کے اسی پہلو کی تعبیر ہے۔

(۳۹۸/۲)

**مشحون:** 'مشحون' کے معنی ہیں لدی اور بھری ہوئی کشتی۔ (۳۹۳/۶)

### شد اسراء:

'شد اسراء' کے معنی ہڈیوں اور اعصاب کو ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جوڑنے کے ہیں۔ (۱۲۰/۹)

### أشد:

'اشد' جوانی کے لیے بھی آتا ہے اور پنجتین و سال کے لیے بھی آتا ہے مثلاً حتیٰ اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنة <sup>(۱۷۱)</sup> (یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوا)۔ (۲۰۲/۲)

### شديد (العقاب):

'شديد العقاب' کے لفظ میں دو مفہوم موجود ہیں۔ ایک تو یہ کہ خدا کی طرف سے انسان کو جو سزا بھی ملتی ہے وہ انسان کے اپنے ہی اعمال کا رد عمل ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ جس طرح خدا کے قوانین طبیعی کے نتائج بے لارگ اور لازمی ہیں اسی طرح خدا کے اخلاقی قوانین

کے نتائج بھی بے لाग اور لازمی ہیں جب ان کے ظہور کا مرحلہ آئے گا تو وہ اس طرح بے لाग پیش اور ایسی قطعیت اور قوت کے ساتھ ظاہر ہوں گے کہ نہ کوئی ان سے فنج سکے گا اور نہ کوئی ان سے بچا سکے گا۔ (۳۵/۲)

### شراب:

'شراب' سے مراد مشروبات ہیں۔ وہ اس میں تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے اور اپنے خدام سے ہر قسم کے میوے اور مختلف قسم کے مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔ (۵۳۳/۶)

**تشرید:** تشرید، کے معنی پر اگدہ کر دینے، ترقی کر دینے کے ہیں۔ (۳۹۹/۳)

### شرد:

'شرد' اسی صفت ہے۔ مذکور مؤنث واحد اور جمع سب کے لیے اس کا استعمال یکساں ہوتا ہے۔ یہاں یہ جمع کے مفہوم میں ہے اس لیے کہ اس کی تشبیہ 'جمالۃ صفر' (۱۷۲) سے دی گئی ہے 'جملۃ اونٹوں کی جماعت' کو کہتے ہیں۔ یہ تشبیہ شعلوں اور چنگاریوں کے رنگ اور ان کی بڑائی دونوں کو نمایاں کر رہی ہے۔ صفرة (زردی) کی قید اس لیے لگائی ہے کہ دھوئیں کی آڑ سے شعلوں کا منظر ملکبے زرد رنگ کے اونٹوں کے رنگ سے بالکل مشابہ ہوتا ہے۔ (۱۳۳/۹)

### شرع:

'شرع'، 'شارع'، 'شارعۃ' کی جمع ہے۔ جب یہ لفظ نیزوں کے لیے بولا جاتا ہے تو اس سے مراد سیدھے اٹھائے ہوئے نیزے ہوتے ہیں۔ یہاں یہ لفاظ مچھلیوں کے لیے آیا

ہے تو اس سے منہہ اٹھائے ہوئے مچھلیاں مراد ہیں۔ پلی ہوئی مچھلیوں کے تالاب کے کنارے ان کے ابھرنے کے اوقات میں، کھڑے ہو جائیے تو یہ لکش منظر نظر آئے گا کہ مچھلیاں اپنے سرطخ پر اس طرح ابھارے ہوئے نظر آئیں گی گویا وہ اپنے نیزے سیدھے کیے ہوئے ہیں۔ (۳۷۸/۳)

**شریعت:** 'شریعت' کے معنی صاف راستہ اور واضح طریقے کے ہیں۔ (۳۱۷/۷)

### شرعہ (و منہاج):

'شرعہ و منہاج' سے مراد شریعت کا وہ ظاہری ڈھانچہ اور قابل ہے جو دین کے حقائق کو بروئے کارلانے کے لیے ہر مذہب میں اختیار کیا گیا ہے۔ (۵۳۲/۲)

### مشرقین:

'مشرقین' کا مفہوم عام طور پر مفسرین نے مشرق اور مغرب لیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ عربی میں بعض مرتبہ ثقیل کسی شے کے دونوں کناروں کی وسعت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ اسی طرح جمع بھی کسی شے کے اطراف و اکناف کی وسعت کے اظہار کے لیے آتی ہے۔ قرآن میں 'مغربین و مشرقین' اور 'مشارق' و 'مغرب' وغیرہ الفاظ اسی پہلو سے استعمال ہوئے ہیں۔ (۲۳۰/۷) (۱۴۳/۲)

'مشرقین' اور 'مغربین' کے ثقیل انانے کی توجیہ عام طور پر ہمارے مفسرین نے یہ کہ ہے کہ اس سے سردی اور گرمی کے مشرق و مغرب مراد ہیں لیکن یہ محض تکلف ہے۔ قرآن میں یہ الفاظ واحد، ثقیل، جمع تینوں صورتوں میں استعمال ہوئے ہیں اور ان تینوں ہی صورتوں میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ثقیل کی صورت میں مقصود ان کے

دونوں اطراف کا احاطہ ہوتا ہے اور جمع کی شکل میں ان کے اطراف و اکناف کی بے نہایت  
و سعت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ (۱۳۲/۸)

### مشارق:

مشراق، اور 'مغرب' کے الفاظ سے اس حکومت کے وسیع الاطراف ہونے کی  
طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ عربی میں بعض مرتبہ کسی لفظ کی جمیں اس کے اطراف کی وسعت کے  
لحاظ سے بھی آتی ہے۔ (۳۵۷/۳)

### اشتراء:

اشتراء کے معنی خریدنے کے ہیں۔ آدی جس چیز کوئی قیمت ادا کر کے خریدتا ہے  
اس کو اس شے کے مقابل میں، جس کو وہ قیمت قرار دیتا ہے، ترجیح دیتا ہے۔ یہیں سے اس  
لفظ کے اندر ترجیح دینے کا مفہوم پیدا ہو گیا اور اس معنی میں یہ لفظ قرآن میں جگہ جگہ استعمال  
ہوا ہے۔ (۱۲۱/۱)

اشتراء کے معنی بیچنے اور مبادله کرنے کے ہیں۔ یعنی یہی مضمون اسی سورہ میں  
دوسری جگہ اس طرح وارد ہے ولہنس ما شروا به انفسهم لو کانوا یعلمون البقرہ  
۱۰۲ (کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جان کو بیچا) عام طور پر اہل  
لغت اس لفظ کو ضد اد میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے ضد اد میں سے ہونے کی امام راغب  
نے بڑی مقول توجیہ کی ہے وہ کہتے ہیں: فاما اذا كان بيع سلعة بسلعة صحي  
يتصور كل واحد منها مشترىا و بائعا و من هذا الوجه صار لفظ البيع  
والشراء يستعمل كل واحد منها فى موضع الآخر<sup>(۱۴۳)</sup> (لیکن جب شے کا

مبادلہ شے سے ہو تو فریقین میں سے ہر ایک کو مشتری اور ہر ایک کو بالع صحنا صحیح ہو گا، اس پہلو سے بیچ اور شراء کے الفاظ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں) اس تحقیق کی روشنی میں مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ ہو گا (کیا ہی بری ہے وہ چیز جس سے انہوں نے اپنی جانوں کا مبادلہ کیا) یعنی اپنی نجات و فلاح کی فکر سے بے نیاز ہو کر دوسروں کی خد میں بتلا ہوئے اور پرائے شگون پر خود اپنی ناک کٹا بیٹھے۔ (۱۷۱)

یہاں اشتراء کے معنی خریدنے یا بیچنے کے نہیں بلکہ مجرد ترجیح دینے کے ہیں۔ آدمی جب ایک شے کو قیمت دے کر خریدتا ہے تو اس کو قیمت کے بالقابل ترجیح دیتا ہے۔ لسان العرب<sup>(۱۷۵)</sup> نے آیت اول نک الدین اشتروا الضلالة سے متعلق ابوالحنف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہاں بیچ و شراء مراد نہیں ہے بلکہ محض اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح ایک مشتری اپنا مال دے کر اپنی مطلوب و مرغوب چیز لیتا ہے اسی طرح ان کفار نے خلافت کو اپنی ایک مرغوب و محبوب چیز کی طرح کپڑا لیا ہے۔ اہل عرب ہر اس موقع پر جب ایک چیز چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کی جائے، کہیں گے اشتراء اس نے اس چیز کو خریدا یعنی اس کو ترجیح دی۔ قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں ایک سے زیادہ مقامات میں استعمال ہوا ہے۔

(۱۷۶)

جب مبادلہ چیز کا چیز سے ہو، جس کا عموماً تدبیر زمانہ میں رواج تھا تو ہر شے بیچ بھی ہو سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اس وجہ سے کس شے کا اشتراء در حقیقت اس مفہوم میں خریدنا نہیں ہوتا تھا جس مفہوم میں ہم خریدنا بولتے ہیں بلکہ اس کا مفہوم مبادلہ ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اشتراء کا لفظ بولنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور پھر اس مفہوم سے ترقی کر کے ترجیح دینے کے معنی میں بھی۔ (۱۷۷-۱۷۸)

**شری:** 'شری یشری'، خریدنے اور بیچنے دونوں معنی میں آتا ہے۔ یہاں<sup>(۱۷۶)</sup> یہ اپنے دوسرے معنی میں آیا ہے۔ (۲۰۰/۳)

شری، یشری، یہاں<sup>(۱۷۷)</sup> بیچنے کے معنی میں ہے۔ سورہ یوسف میں ہے۔ وشوہد  
بشنمن بخس دراہم معدودۃ و کانوا فیہ مِنَ الزَّاهِدِینَ — (۲۰) (اور انہوں نے  
یوسف کو نہایت حیرتی قیمت پر تجھ دیا، گنتی کے چند درہموں پر، اور وہ اس کی قدر سے نا آشنا  
تھے) دنیا کی زندگی کو آخرت سے بیچتے ہیں یعنی دنیا کی زندگی پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔  
(۳۳۵/۲)

**شطر:** شطر کے معنی جہت، جانب اور طرف کے ہیں (۳۲۹/۱)  
**شط:** 'شط' کے معنی دور ہونے اور 'خطط' کے معنی 'تباعد عن الحق' یعنی حق سے  
انحراف اور دوری کے ہیں۔  
(۵۲۹/۳)

**شطط:** 'شطط'، حق و عدل سے نہایت دور ہٹی ہوئی بات کو کہتے ہیں۔ (۶۱۷/۸)

### شعائر:

شعائر شعیرہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی کسی ایسی چیز کے ہیں جو کسی حقیقت کا  
احساس دلانے والی، اور اس کا مظہر اور نشان (symbol) ہو۔ اصطلاح دین میں اس سے  
مراد شریعت کے وہ مظاہر ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی معنوی حقیقت کا  
شعور پیدا کرنے کے لیے بطور ایک نشان اور علامت کے مقرر کیے گئے ہوں۔ ان مظاہر میں  
مقصود بالذات تو وہ حقائق ہو اکرتے ہیں جو ان کے اندر مضمون ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مقرر کیے

ہوئے اللہ اور رسول اللہ کے ہوتے ہیں اس وجہ سے ان حقائق کے تعلق سے یہ مظاہر بھی تقدیس کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً قربانی حقیقتِ اسلام کا ایک مظہر ہے۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بالکلیہ اپنے رب کے حوالہ کر دے۔ اپنی کوئی محبوب سے محبوب چیز بھی اس سے دربغ نہ رکھے۔ اس حقیقت کا عملی مظاہرہ جس طرح حضرت ابراہیم نے بیٹھے کی قربانی کر کے فرمایا، وہ تاریخ انسانی کا ایک بے نظری واقعہ ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی یادگار میں جانوروں کی قربانی کو ایک شیرہ کے طور پر مقرر فرمادیا تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے اندر اسلام کی اصل حقیقت برا برتازہ ہوتی رہے۔ (۳۸۳)

### شعری:

‘شعری’ ایک ستارے کا نام ہے جو موسم بہار میں طلوع ہوتا ہے، مشرکین عرب اس کو بہت مبارک سمجھتے تھے اور بہار کی تمام شادابیاں اور تمام تجارتی سرگرمیاں اسی سے منسوب کرتے تھے۔ ایک جاہلی شاعر اپنے مددوح کی تعریف میں کہتا ہے:

شامس فی القر حتى اذا ما ذكت الشعري فبرد وظل<sup>(۱۷۸)</sup>

(وہ سردیوں کی مہنڈ میں لوگوں کو گری پہنچانے والا ہے اور جب شعری طلوع ہوتا ہے (یعنی موسم بہار میں) تو وہ لوگوں کے لیے مہنڈ ک اور سایہ بن جاتا ہے) (۸۰/۸)

### شفاعت:

شفاعت شفع سے ہے۔ شفع الشئ کے معنی ہیں، اس کے ساتھ اسی طرح کی چیز کو ملا کر اس کو جوڑا کر دیا۔ شفع لفلان یا شفع فيه کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی کی بات یاد رخواست کے ساتھ کوئی شخص اپنی تائید یا سفارش ملا کر اس کو موئید کر دے۔ (۲۰۹/۱)

## شفع:

شفع کے معنی ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں واضح کرچکے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنے کے ہیں۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے کسی کی بات کی تائید و حمایت یا اس کے حق میں سفارش کرنے کے معنی میں یہ استعمال ہوا۔ یہاں <sup>(۱۴۹)</sup> شفاعت حسنہ اور شفاعت سینہ دو قسم کی شفاعتوں کا ذکر ہے۔ شفاعت حسنہ تو ظاہر ہے کہ یہ ہو گی کہ کسی مقصید حق کو اس سے تائید و تقویت حاصل ہو۔ اس کے بعد شفاعت سینہ یہ ہے کہ اس سے تقویت و تائید کے بجائے اس مقصید کو نقصان پہنچے۔ (۳۲۹/۲)

**شفع:** 'شفع' کے معنی جنت کے ہیں۔ (۳۲۸/۹)

## شفق:

'شفق'، اس سرخی کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے معاً بعد افق پر نمودار ہوتی ہے۔ یہی سرخی رات کی تمہید ہوتی ہے۔ جب تک یہ باقی رہتی ہے اس وقت تک سرِ شام ہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ غائب ہوتی اور رات دنیا پر اپنا قبضہ جماليتی ہے۔ (۲۷۶/۹ - ۲۷۷/۷)

**شفا:** 'شفا' کسی چیز کے کنارے اور اسکی دھار کو کہتے ہیں۔

## شقاق:

شقاق کے معنی خالفت اور عتاد لے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے یا قوم لا یجر منکم شقاقي ان يصييكم مثل ما اصحاب قوم نوح (ھود ۸۹) (اے میری قوم کے لوگو، میری خالفت اور دشمنی تمہارے لیے اس بات کا باعث نہ بن جائے کہ تمہارے اوپر بھی اس طرح کا عذاب آؤ ہے جس طرح کا عذاب قوم نوح پر آیا) شقاقي کے ساتھ جب بعید

کی صفت لگ جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کسی شخص یا چیز کی مخالفت اور دشمنی میں کوئی شخص اس قدر آگے بڑھ جائے اور اتنی دور تک جائے کہ اس کو اپنے نفع اور نقصان کا بھی کچھ ہوش نہ رہ جائے، اور پھر اس کے لیے اتنی دور سے ملٹنے اور تلافی مافات کرنے کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔ ان اہل کتاب کے متعلق فرمایا کہ تورات کے بعد اب قرآن میں بھی انہوں نے یہ جو اختلاف کیا ہے یہ محسن ان کی ضد کارکردگی ہے اور یہاں اس راہ میں اتنی دور تک نکل گئے ہیں کہ ان کے واپس لوٹنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ہے۔ (۳۱۸/۱)

**شقاق**، کے معنی ضد اور مخالفت کے ہیں (۱۶۳/۲)

### مشاقہ:

مشاقہ، اور الہدی کے الفاظ پر سورہ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ رسول ﷺ کے ساتھ 'مشاقہ' کے معنی ہیں رسول کے مقابل میں اپنی ایک پارٹی کھڑی کرنے کی کوشش کرنا۔ (۳۸۲/۲)

**شققہ**: اس مسافت کو کہتے ہیں جو ایک مسافر طے کرتا ہے۔ (۵۷۷/۳)

### شکر:

'شکر'، کالفاظ صلوٰۃ یا توبہ کے الفاظ کی طرح ان الفاظ میں سے ہے جن کے معنی میں نسبت کی تبدیلی سے فرق ہو جایا کرتا ہے۔ جب بندے کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے تو اس کے معنی شکر گزاری کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کے معنی قبول کرنے کے ہو جاتے ہیں۔ (۱۱۷/۳)

**شاکلہ**: 'شاکلہ' کے معنی طریقہ کے ہیں۔ (۵۳۳/۲)

## مشکوہ:

‘مشکوہ’ سے مراد انسان کا دل ہے جس کو چراغ رکھنے کے طاق یا چراغ دان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چراغ کے لیے قاعدہ ہے کہ وہ گھر میں اوپری جگہ رکھا جاتا ہے تاکہ روشنی پورے گھر کے اندر پہلے۔ (۳۰۹/۵)

**شاهد:** ‘شاهد’ کے معنی ہیں گواہی دینے والا یعنی لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کی گواہی دینے والا۔ (۳۳۹/۷)

شہداء سے مراد اللہ کی راہ میں شہادت کا درج حاصل کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں کو شہید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس امت پر شہادت علی الناس کی جو زمداداری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے اس کا حق یہ جان دے کر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ مسحق شہرے کر ان کو شہید کے لقب سے ملقب کیا جائے۔ یہ گویا لفظ کا استعمال اس کے حقیقی مصادق کے لیے ہے۔ (۱۸۱/۲)

‘شہداء’ میں وسعت و عمومیت ہے۔ یعنی وہ لوگ بھی طلب ہوں گے جو کسی معاملے میں گواہی دینے کی پوزیشن میں ہوں گے خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا فرشتوں میں سے۔ (۶۱۲/۱)

## شہید:

قوم کے اس لیڈر، ترجمان اور نمائندہ کو کہتے ہیں، جو اہم موقع پر اس کی ترجمانی اور نمائندگی کرتا ہے اور اس کا حمایتی بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ (۱۸۰) یہ حمایتی انسانوں میں سے بھی ہو سکتے تھے اور اہل عرب کے اعتقاد کے مطابق جنوں میں سے بھی ہو سکتے تھے۔

عرب جاہلیت میں شاعروں اور خطیبوں کی بڑی عزت و عظمت تھی کیوں کہ یہی لوگ تمام اہم موقع پر قومی وقار کے محافظ بن کر کھڑے ہوتے تھے۔ مشرکین عرب یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوا کرتا ہے جو اس کو شعر الہام کرتا ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کے متعلق بھی یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ بھی اسی قسم کے الہام کا کرشمہ ہے۔ (۱۳۸/۱)

**شہیق:** دیکھیں ”زفیر“۔

**شہوات:**

شہوات کا لفظ یہاں مشتبیہات یعنی مرغوبات کے معنی میں ہے۔ مال و اولاد اور زندگی میں سے ہیں جو انسان کو بالطبع مرغوب بھی ہیں اور ان کو مرغوب ہونا چاہیے بھی اس لیے کہ وہ چیزیں اس کے ذاتی و نوعی باتفاق کے لوازم میں سے ہیں لیکن یہاں مجردان کی رغبت زیر بحث نہیں ہے بلکہ ان کی تزئین کا ذکر ہے۔ (۲۰۲/۲)

**شودری:** ’شودری‘ مصدر ہے ’فتیا‘ کے وزن پر اور اس کے معنی آپس میں مشورہ کرنے کے ہیں۔ (۱۷۹/۱۷۸)

**شوواز:**

’شوواز من نار‘ سے مراد شہاب ثاقب ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں تصریح ہے کہ یہاں شیاطین الجن پر چینکے جاتے ہیں جو ملائے اعلیٰ کے حدود میں اندازی اور غیب کی باتوں کی نوہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۱۳۰/۸)

**شوک:**

’شوک‘ اور ’شوکة‘ عربی میں کانے کو کہتے ہیں یہیں سے لفظ ’شوکة‘، ہتھیار

اور پھر قوت اور دبدبہ کے معنی میں استعمال ہوا۔ چونکہ تجارتی قالہ غیر مسلح تھا اس وجہ سے اس کے لیے 'غیر ذات الشوکة' کا لفظ استعمال ہوا۔ (۳۳۸/۳)

### شیطان:

شیطان کا لفظ شاطی یشیط سے غulan کے وزن پر مبالغہ کا صینہ<sup>(۱۸۱)</sup> ہے۔ اس کے معنی جلد باز، شدید خوشتعل مزاج اور شریروسر کش کے آتے ہیں۔ ان خصوصیات کے حامل جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ یہاں یہ لفظ یہود کے ان لیڈروں کے لیے استعمال ہوا ہے، جو فادی الارض کے اس سارے کھیل کی رہنمائی کر رہے تھے۔ (۱۲۰/۱)

**شوی!**: 'شوی یشوی' کے معنی بھونے کے ہیں۔ (۵۸۱/۳)

**شوی!**: 'شوی' سرا اور اطراف بدن کی کھال کے لیے آتا ہے۔ (۵۶۹/۸)

### قصر مشید:

'قصر مشید'، پختہ اور بلند ایوان محل کو کہتے ہیں۔ اور عربیت کے قاعدے کے مطابق، جس طرح ہر کے ساتھ 'معطلہ' کی صفت ہے اسی طرح اس کے ساتھ بھی متزوک و بہجور یا اس کے ہم معنی کوئی صفت مانی پڑے گی جو، وضاحت قرینہ کی بنا پر، حذف کر دی گئی ہے۔ (۲۶۳/۵)

### صابیثین:

صابین کے متعلق اہل تاویل کے متعدد اقوال منقول ہیں۔ مجاهد اور حسن کے نزدیک یہ لوگ کسی خاص دین کے پیر و نبیں تھے بلکہ یہودیت اور مجوہیت کے میں میں

تھے۔ اور جزیرہ موصل میں آباد تھے، ان کا عقیدہ تو حید تھا لیکن نہ تو یہ کسی نبی اور کسی کتاب کے پیرو تھے اور نہ ان کے ہاں شرعی اعمال کا کوئی مخصوص نظام تھا۔ قادہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملائکہ کی پرستش کرتے ہوئے کی طرف نماز پڑھتے اور زیور کی تلاوت کرتے تھے۔ ابوالعالیہ اور سفیان کے نزدیک یہ لوگ اہل کتاب میں سے ایک فرقہ تھے<sup>(۱۸۲)</sup>۔

مولانا فراہی<sup>(۱۸۳)</sup> فرماتے ہیں کہ یہ اقوال بظاہر متفاونظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں ان میں تفاوٹیں ہیں۔ اس میں شہید نہیں ہے کہ اول اول یہ لوگ دینِ حق پر تھے لیکن بعد میں یہ لوگ دینِ حق سے مخرف ہو کر ملائکہ اور ستاروں کی پرستش میں بنتا ہو گئے۔ یہ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے جس طرح حضرت امام علیؑ کی اولاد پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھی لیکن بعد میں شرک و بت پرستی میں بنتا ہو گئی۔ قرآن مجید کی زیریبحث آیت سے مولانا کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ قرآن نے اس گروہ کا جس انداز سے ذکر فرمایا ہے اس سے یہ امر تو بالکل واضح ہے کہ یہ لوگ ابتداء دینِ حق پر تھے، بعد میں بدعتوں اور گمراہیوں میں بنتا ہوئے۔ مولانا کا قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں کے اندر نماز کی عبادت معلوم ہوتا ہے بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ اسی اشتراک کے سبب سے مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب<sup>ؐ</sup> کو صاعین کہتے تھے۔

ان کی وجہ تسمیہ سے متعلق مولانا کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ صباء کے معنی طلوع ہونے کے آتے ہیں اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اپنی ستارہ شناشی اور معرفت نجوم میں مہارت کے سبب سے اس نام سے موسوم ہوئے ہوں۔

چوں کہ اس مذہب کے پیروؤں کا وجود اب کہیں باقی نہیں رہا ہے اور نہ ان کی کوئی مستند تاریخ ہی موجود ہے اس وجہ سے ان کے متعلق اعتماد سے کوئی بات کہنا مشکل ہے لیکن

قرآن مجید کے زمانہ نزول میں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان لوگوں کا وجود بالکل معروف تھا۔ (۱۴۰/۲۳۰)

### صبر:

صبر کے اصل معنی روکنے کے ہیں یعنی نفس کو گھبراہٹ، مایوسی اور دل برداشتگی سے بچا کر اپنے موقف پر جائے رکھنا۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت نے کچھ زیادہ پاکیزہ صورت اختیار کر لی ہے۔ یعنی قرآن میں عموماً اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندہ پوری طہانیت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد پر ڈالا ہے اور اس کے دعووں پر یقین رکھے اور اس راہ میں اس کو جن مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑے ان کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دے۔

صبر کا مفہوم لوگ عام طور پر عجز و مسکنت سمجھتے ہیں لیکن لغتہ عرب اور استعمالاتِ قرآن میں اس کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ استاذ امام اپنی تفسیر سورہ و الحصر (۱۸۳) میں کلام عرب کی روشنی میں اس عام خیال کی تردید مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

”لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عربوں کے نزد یہ کب صبر عجز و تذلل کے قسم کی کوئی چیز نہیں ہے جو بے بسو اور درماندوں کا شیوه ہے بلکہ یہ عزم اور قوت کی بنیاد ہے۔ کلام عرب میں اس کا استعمال بہت ہے اور اس کے تمام استعمالات سے اسی مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ حاتم طائی کہتا ہے:

وَغَرَّةُ مَوْتٍ لَا يَسِّرُهَا هَوَادَةٌ يَكُونُ صَدُورُ الْمُشْرِفِي جَسَورُهَا

اور موت و ہلاکت کے کتنے ہولناک دریا ہیں جن پر تکواروں کے پل ہیں۔

صَبَرْنَا لَهُ فِي نَهَكَاهَا وَ مَصَابَهَا بَاسِيافَا حَتَّى يَبُو خَ سَعِيرَهَا (۱۸۵)

ہم نے ان کے تمام آفات و شدائے کے مقابل اپنی تکاروں کے ساتھ ثابت قدمی دکھلائی۔ یہاں تک کہ وہ ٹھنڈے پڑ گئے۔

اصنیع کا شعر ہے:

بَا ابْنَ الْجَحَاجِحَةِ الْمَدَارِهِ وَالصَّابِرِينَ عَلَى الْمَكَارِهِ<sup>(۱۸۱)</sup>

اسے شریف سرداروں اور شدائے پر صبر کرنے والوں کی اولاد زہیر بن ابی سلمی نے کہا ہے:

قُوْدُ الْجِيَادِ وَاصْهَارُ الْمُلُوكِ وَصَبْرٌ فِي مَوَاطِنِ لُوْكَانِوْ بَهَا مَسْمُوا<sup>(۱۸۷)</sup>  
اصل گھوڑوں کی سواری، بادشاہوں کی دامادی اور ایسے سورچوں میں ثابت قدمی جہاں دوسرے ہمت ہار پڑتیں۔

صبر کے اصل معنی قرآن مجید نے خود بھی واضح کر دیے ہیں، چنانچہ فرمایا ہے:  
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَاسِ وَالضَّرَاءِ اور ثابت قدمی دکھانے والے بختی میں،  
وَحِينَ الْبَاسِ (السفرہ ۱۷۷) تکلیف میں اور لڑائی کے وقت  
اس آیت میں صبر کے تین موقعے ذکر کیے ہیں۔ غربت، یماری اور جنگ۔ غیر  
بچنے تو تمام مصائب و شدائے کے سرچشے بیکی تین ہیں۔

فَمَا اصْبَرَ، کا اسلوب ما احسن کی طرح انہمار تعجب کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو اس دید، لیری کے ساتھ ہدایت کی بجائے ضلالت اور مغفرت کی جگہ عذاب کو ترجیح دے رہے ہیں تو دوزخ کے معاملہ میں ان کی ذہنی اور جرأت حیرت انگیز ہے۔

(۱۸۸/۱)

صبر کی حقیقت نرم و گرم ہر طرح کے حالات میں حق پر جزم و استقامت ہے۔ غربت، بیماری، مصیبت، مخالفت، جنگ، غرض جس قسم کے بھی حالات سے آدمی کو دوچار ہونا پڑے عزم و ہمت کے ساتھ ان کو برداشت کرے، ان کا مقابلہ کرے، ان سے عہدہ بر آہونے کی کوشش کرے اور اپنے امکان کی حد تک موقفِ حق پر جمارے۔ دل کو مایوسی اور گھبراہٹ، زبان کو شکوہ تقدیر سے اور اپنی گردن کو کسی باطل کے آگے جھکنے سے بچائے۔ دین کا بڑا حصہ اسی صبر پر قائم ہے۔ اگر آدمی کے اندر یہ وصف نے ہو تو کوئی طمع، کوئی ترغیب، کوئی آزمائش بھی اس کو حق سے ہٹا کر باطل کے آگے سرگوں کر دے سکتی ہے۔ جو شخص سچائی کے راستے پر چلنا چاہے اور اس پر چل کر استوار رہنے کا آرزومند ہوا سے سب سے پہلے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرنی چاہئے۔ مزاحموں سے مقابلے کے لئے (اور اس راہ میں ہر قدم پر مزاحموں سے مقابلہ ہے) اصلی ہتھیار بندے کے پاس بھی ہے۔ فلفہ دین کے نقطہ نظر سے دین نصف شکر ہے اور نصف صبر۔ لیکن عملی تجربہ گواہ ہے کہ آدمی میں صبر نہ ہو تو شکر کا حق بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ یہاں چونکہ خطاب ان لوگوں سے ہے جنہیں سچائی کی سب سے بڑی بلندی پر چڑھنے کی دعوت جاری ہے اس وجہ سے ان کے سامنے، جن لوگوں کا نمونہ پیش کیا گیا ہے ان کے کردار میں سب سے پہلے ان کے صبر ہی کے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ (۲۳۲/۱)

**صبار: دیکھیں 'ختیر'۔**

**صبر (جمیل):** 'صبر جمیل' سے مراد صبر ہے جو هر قسم کے جزع فزع، گلے

شکوے اور نوحہ و ماتم سے پاک ہو۔ (۱۹۹/۳)

### مصابرت:

مصابرت کے معنی میں اپنے حریف کے مقابل میں ثابت قدمی کا مظاہرہ اور اس پر اس وصف میں بازی لے جانے کی کوشش کرنا۔ (۲۳۳/۲)

### اصطبار:

‘اصطبار’ میں ‘صبر’ کے بالمقابل زیادہ زور ہے۔ عربیت کے اس قاعدے کو یاد رکھیے کہ حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلیل ہوتی ہے۔ اور ‘صبر’ یا ‘اصطبار’ کے بعد اگر لہ ہو تو یہ انتظار کے مفہوم پر بھی مختصمن ہوتا ہے۔ (۶۷۶/۳)

**صاحب (هم):** سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۳۰۰/۳)

### صاحب (المیمنة):

‘صاحب المیمنة’ سے مراد، خود قرآن کی تصریح کے مطابق، وہ لوگ ہیں جن کے اعمال نامے ان کے داہنے ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ (۱۵۹/۸)

### صحیفة:

‘صحیفة’ تکھی ہونے والق کو کہتے ہیں۔ جمع کی صورت میں یہ بعض اوقات کتاب کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں<sup>(۱۸۸)</sup> اس سے اشارہ لوح محفوظ کی طرف ہے۔ ‘مکرّمة’ یعنی وہ ایک عزیز، گراں ماہی اور تیقینی خزانہ ہے جس کی حفاظت اللہ کے فرشتے نہایت اہتمام سے کر رہے ہیں۔ (۲۰۲/۹) ‘صحیفة’ والق کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (۳۸۰/۹)

**صحف:**

'صحف' سے مراد لوگوں کے اعمال نامے ہیں اور ان کے کھولے جانے سے مقصود یہ ہے کہ ہر ایک کاسارا کچا چٹھا اس کے سامنے آجائے گا۔ (۲۲۲/۹)

**صحاف:** 'صحاف' کے معنی طشتريوں کے ہیں۔ (۲۵۲/۷)

**صاخة:**

'صاخة' کے معنی ہبھی کر دینے والی کڑک یا چیخ کے ہیں۔ جس طرح سورہ نازعہت میں لفظ 'طامة'<sup>(۱۸۹)</sup> آیا ہے اسی طرح اس سورہ میں لفظ 'صاخة'<sup>(۱۹۰)</sup> آیا ہے۔ یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ صورِ قیامت کی پہلی کڑک ہی ایسی ہولناک ہو گی کہ کانوں کو بہرا کر دے گی۔ (۲۱۱/۹)

**صخرة:**

'صخرة' سے پھر مراد لینا ضروری نہیں ہے۔ اس سے پہاڑی اور گھاٹی بھی مراد لے سکتے ہیں۔ یہ بات عربیت کے بالکل مطابق ہو گی۔ میں نے ترجمہ میں اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے۔ ابن جریر نے بھی ایک گروہ کا یہی قول نقل کیا ہے<sup>(۱۹۱)</sup>۔ (۱۳۱/۶)

**صد:**

'صد' کا لفظ لازم اور متعذر یعنی رکنے اور روکنے دونوں معنوں میں آیا ہے۔ ایسے الفاظ کے ترجمے میں مشکل پیش آتی ہے۔ میرے نزدیک ایسے الفاظ کے باب میں محتاط طریقہ یہ ہے کہ اگر قرینہ واضح ہوتا تو قرینہ کے تقاضے کے متعلق ترجمہ کرنا چاہئے ورنہ

متعدد مفہوم کے اعتبار سے ترجمہ اولیٰ ہے اس لیے کہ متعدد کے اندر لازم کا مفہوم خود ضرور ہوتا ہے۔ (۲۶۵/۳)

### صد :

‘صد من الشيء’ کے معنی ہوتے ہیں کسی شے سے بیزار ہو کر جیخ اٹھنا۔ کسی بات سے خوش ہو کر شور و غل کرنے کے لیے اس لفظ کا استعمال معروف نہیں ہے۔ (۲۳۲/۷)

### تصد :

‘تصدی’ دراصل ‘تصدد’ ہے جو ‘صد’ کے مادہ سے ہے جس کے معنی متوازی اور مقابل کے ہیں۔ اس میں جو تغیری ہوا ہے وہ عربیت کے قاعدے کے مطابق ہوا ہے جس کی مثالیں پچھے گزر چکی ہیں۔ (۱۹۹/۹)

### صدع :

‘صدع’ کے معنی پھٹنے کے ہیں۔ یعنی جب بارش ہوتی ہے تو زمین کے سامات کھل جاتے ہیں اور وہ پانی جذب کر کے پھول جاتی اور دیکھتے دیکھتے لمبھا اٹھتی ہے۔ اگرچہ یہاں (۱۹۹) لمبھا اٹھنے کا ذکر لفظوں میں نہیں ہے لیکن قرینہ اس پر دلیل ہے۔ اسلوب قمیہ ہے اس وجہ سے بات اشاروں میں کہہ دی گئی ہے۔ (۳۰۳/۹)

### صفد :

صفد، لازم اور متعدد دونوں آتا ہے۔ یعنی کسی چیز سے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے کے معنی میں بھی اور کسی کو اس سے پھیرنے اور موڑنے کے معنی میں بھی۔ جن لوگوں نے اس کو متعدد کے مفہوم میں لیا ہے ان کی بات قوی معلوم ہوتی ہے۔ (۲۰۷/۳)

صدق، بصدق، صدق کے معنی کسی چیز سے اعراض و اخراج اختیار کرنے اور اس سے رک جانے کے ہیں۔ (۵۲/۳)

### صدق:

'صدق' کی اصل حقیقت کسی شی کا بالکل مطابق واقعہ ہوتا ہے۔ اس کی روح پختگی اور ٹھوس پن ہے۔ نیزے کی گر ہیں دیکھنے میں جیسی مضبوط ظاہر ہو رہی ہیں آزمائش سے بھی ویسی مضمبوط ثابت ہوں تو ایسے نیزے کو عربی میں صادق اللکوب کہیں گے۔ زبان، دل سے ہم آہنگ ہو، عمل اور قول میں مطابقت ہو، ظاہر اور باطن ہم رنگ ہوں، عقیدہ اور فعل دونوں ہم عنان ہوں، یہ باتیں صدق کے مظاہر میں سے ہیں اور انسانی زندگی کا سارا ظاہر و باطن انہیں سے روشن ہے۔ یہ نہ ہوں تو انسان کی ساری معنویت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی چیز ہے جو انسان کو وہ پرواز عطا کرتی ہے جس سے وہ روحانی بلندیوں پر چڑھتا ہے اور اس سے اس کے صبر کو بھی سہارا ملتا ہے۔ (۳۳/۲)

### صدقات:

صدقات، زکوٰۃ کی نسبت عام ہے۔ اس میں وہ تمام عطا یا شامل ہیں جو بہ نیت اجر و ثواب دیے جائیں۔ عام اس سے کہ وہ زکوٰۃ کامال ہو یا انفاق و تبرع کی نوعیت کا کوئی اور مال۔ چونکہ اسی انفاق سے آدمی کے ایمان کی صداقت اور پختگی واضح ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو صدقہ کہتے ہیں جس کی اصل صدقہ ہے جس کی روح قول و فعل کی کامل مطابقت اور رسوخ و استحکام ہے۔ (۵۹/۳)

## صدقہ (الما معکم) :

اس چیز کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے پاس ہے یعنی قرآن مجید اس پیشین گوئی کو سمجھی ثابت کر رہا ہے جو تورات میں آخری نبی کی بعثت اور اس بعثت کی خصوصیات سے متعلق واروثتی (۱۹۳) مقصود یہ ہے کہ اگر سمجھ سے کام لو تو قرآن مجید اور یہ پیغمبر تمہارے لیے چلنے کی چیز نہیں ہیں بلکہ سر اور آنکھوں پر بخانے کی چیز ہیں کیوں کہ ان کے ظہور سے سب سے زیادہ تمہارا ہی سر بلند ہوا ہے۔ تمہارے صحیفوں میں ان کی پیشین گویاں موجود ہیں اور یہ پیشین گویاں اب تک اپنے حقیقی مصدقاق کے ظہور کے منتظر ہیں۔ اب اس کتاب اور اس پیغمبر کے ظہور نے ان کا مصدقاق دنیا کے سامنے پیش کر کے تمہاری کتاب کو سند تصدیق عطا کر دی تو تمہیں توب سے پہلے اس پر ایمان لانے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے۔

اس تصدیق کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جہاں تک تورات یا انجیل کے آسمانی صحیفے ہونے کا تعلق ہے قرآن مجید آشکارا طور پر ان کے آسمانی ہونے کی تصدیق کرتا ہے، ان کے لانے والوں کی نبوت و رسالت کی بھی نہایت غیر مبہم الفاظ میں تصدیق کرتا ہے، ان کی تعلیمات کی بھی اصولی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن اگر تردید کرتا ہے تو صرف ان چیزوں کی تردید کرتا ہے جو غلط طریقوں سے ان صحیفوں میں شامل کر دی گئی ہیں یا تحریف کر کے جن کی اصلی شکل بجاڑ دی گئی ہے۔ اس طرح غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ جہاں تک اصل تورات کا تعلق ہے، قرآن مجید اس کی سچائی کا گواہ بن کر نازل ہوا ہے، وہ اس کو جھٹلاتا نہیں بلکہ ان چیزوں سے اس کی بری قرار دیتا ہے جو اس کو جھٹلانے والی ہیں۔ (جلد ۱، ۱۷۹)

اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک خاص اہمیت رکھتے والا پہلو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے ظہور اور آپ کی صفات اور کارناموں سے ان پیشین گوئیوں کا مصدقہ سامنے آیا تھا جو  
تورات اور انجیل میں موجود تھیں اور جن کے مصدقہ کے ظہور کے لیے اہل کتاب منتظر بھی  
تھے اور ان کو منتظر ہونا چاہئے بھی تھا۔ اس لیے کہ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق سے سب سے  
پہلے انہی کا سر اونچا ہوتا۔ لفظ تصدیق کے اس مفہوم کے لیے ایک جماںی شاعر کا یہ شعر پیش  
نظر رکھتے:

فَدْتُ نَفْسِي وَمَا مَلْكَتْ يَمِينِي فَوَارِسْ صَدَقَوْا فِيهِمْ ظَنُونِي<sup>(۱۹۶)</sup>

(میری جان اور میرا مال ان شہسواروں پر قربان جنہوں نے اپنے بارے  
میں میرے سارے گمان پچے ثابت کر دیے)

اس پہلو سے اگر یہود و نصاری غور کرتے تو وہ دیکھتے کہ حضور کی بعثت سے خود ان  
کی اور ان کی کتابوں کی تصدیق ہو رہی ہے لیکن یہ ان کی شامت تھی کہ جس نے ان کی  
تصدیق کی اس کو انہوں نے جھٹلایا اور جس کی جدت اور جس کی شہادت کا باہر گراں وہ آتی  
مدت تک اٹھائے پھرے جب وہ آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کر دی۔ (۱۳۵/۲-۱۳۳/۲)

### تصدق:

‘تصدق’ کے معنی صدقہ کرنے کے ہیں۔ اس کا تعلق خاص طور پر حقوق العباد سے  
ہے۔ آدمی جب اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضروریات میں ایثار کر کے اپنا مال دوسروں کی  
ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرتا ہے تو اس سے اس کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت  
کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ چیز درجہ درجہ اس کے ایمان کو پختہ اور استوار کرتی جاتی ہے۔

(۲۲۵/۶)

**تصدیق:** 'صدقی' یعنی 'یؤیدُنی' وہ میری مددگریں۔ (۶۷۳۵)

**تصدیہ:** 'تصدیہ' کے معنی تالی پیشے کے ہیں۔ (۳۷۲۳)

### صریخ:

'صریخ' فریاد اور فریادری کے معنی میں بھی آتا ہے اور فریاد کرنے اور فریادری کرنے والے کے معنی میں بھی۔ (۳۲۷۱۶)

### صرة:

'صرة' یعنی تجب اور حیرانی کی حالت میں لپکیں۔ عربی میں محاورہے: صر الفرس اذنبہ، گھوڑے نے اپنی کوتیاں کھڑی کیں۔ اسی سے فی صرۃ، کامحاورہ نکلا ہے جو تجب اور حیرانی کی حالت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ (۷۰۹)

**صرصر:** دیکھیں "ریح صرصر"۔

### الصراط (المستقیم):

الصراط المستقیم پر الفلام عہد کا ہے۔ اس سے مراد وہ سیدھا راستہ ہے جو بندوں کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے کھولا ہے جو دین اور دنیا و نونوں کی فلاح و کامیابی کا مامن ہے، جس پر چلنے کی دعوت نبیوں اور رسولوں نے دی ہے، جس پر ہمیشہ خدا کے نیک بندے چلے ہیں، جو قریب تر اور سہل ہے، جس کے ادھر ادھر سے گراہوں اور گمراہ کرنے والوں نے بہت سی کج پیچ کی راہیں نکال لی ہیں، لیکن وہ بجائے خود قائم ہے اور خدا تک پہنچنے والے ہمیشہ اسی پر چل کر خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی سیدھے راستے کو حضور نے ایک مرتبہ اس طرح سمجھایا کہ زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس کے دامنے با میں آڑے ترچھے خطوط کھینچ

دیئے، پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رستہ ہے اور یہ آڑے ترچھے خطو پگڈنڈیاں ہیں اور ان میں سے ہر پگڈنڈی کی طرف کوئی نہ کوئی شیطان بلارہا ہے<sup>(۱۹۵)</sup>۔ (جلد، اصفحہ ۵۹)

## تصریف:

تصریف آیات، کام مطلب قرآن کے تدریسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی بات مختلف اسلوبوں اور مختلف دلیلوں سے بیان ہوتی ہے اور ایک ہی حقیقت کو اس کے مختلف پہلوؤں سے واضح کیا جاتا ہے۔ یہ لفاظ آیات قرآن کے لیے تصریف ریاح سے لیا گیا ہے۔ تصریف ریاح کی حقیقت کیا ہے؟ ایک ہی ہوا ہے لیکن اس کے تصرفات کی گوناگونی کی کوئی حد نہیں۔ وہ رحمت بھی ہے اور قدرت بھی کبھی آہستہ آہستہ چلتی ہے اور جوں میں پھولوں کو نکھلاتی اور کھیتوں میں فصلوں کو پکاتی ہے کبھی سوم بن کر نمودار ہوتی ہے اور چمنستانوں اور باغوں کو دشت و صحرابنا کر چھوڑ دیتی ہے، کبھی بادلوں کو اپنے کندھے پر لا دکر لاتی ہے جو تمام زمین کو جل تھل کر دیتے ہیں کبھی ان کو ہنکا کر لے جاتی ہے اور ان کو ہنکا کر لے جانے ہی میں زمین والوں کے لیے خیر و برکت ہوتی ہے، صبح سے شام تک، شام سے صبح تک اور پھر سال کے مختلف مہینوں میں نہ جانے وہ کتنے بھیں بدلتی ہے اور اس کا ہر بھیں اس کائنات کی زندگی اور نشونما کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ وہ کبھی گرم ہوتی ہے، کبھی نیم صبح کی جان نوازی اور عطری بیزی بن کر، اللہ تعالیٰ نے اس تصریف ریح کا مختلف مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔ سورہ ذاریات اور مرسلات میں اسے عجائب تصرفات کی قسم بھی کہا ہے۔

بعینہ یہی حال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا ہے بعض اوقات ایک ہی آیت اتنے گونا گوں پہلو رکھتی ہے کہ ان سب کا احاطہ ناممکن ہوتا ہے اور ایک ہی مضمون اتنی مختلف شکلوں میں نمودار ہوا ہے کہ اس کا شمار کرنا دشوار ہو جاتا ہے اس بات کو قرآن مجید تصریف

آیت کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ (مبارکہ قرآن، ۱۳۰)

### تصریف ریاح:

تصریف ریاح سے مراد ہواں کی گردش ہے۔ ان کی اس گردش کے مختلف پہلو خود قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ کبھی یہ اپنے کندھوں پر پانی سے بوجمل بادلوں کو لا دکرلاتی ہیں اور زمین کو جل تھل کر دیتی ہیں، کبھی یہ انہی بادلوں کو اس طرح اڑا کر لے جاتی ہیں کہ کہیں ان کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ ایک قوم کے لیے یہ عذاب بن کر نمودار ہوتی ہیں، دوسری قوم کے لیے رحمت بن کر۔ انہی کی گردش سے فرعون اور اس کی قوم غرقی دریا ہوئی اور انہی کے تصرف نے موی علیہ السلام اور ان کی قوم کو اسی دریا سے پار کرایا۔ پھر کبھی یہ مرطوب بن کر فصلوں کو نشوونماد دیتی، ان کو اگاتی اور پروان چڑھاتی ہیں، کبھی گرم اور خشک ہو کر ان کو پکاتی اور تیار کرتی ہیں، کبھی یہ خزاں بن کر پتوں کو مر جھاتی اور چمن کو اجاڑتی ہیں، کبھی بھار بن کر ایک ایک شاخ کو پھولوں اور کلیوں سے لاد دیتی ہے۔ ان کے بھی مختلف ہیں اور ہر بھی میں نئی آن اور نئی شان ہے اور جو شان بھی ہے وہ ان کے مصروف (خدا) کی حکمت و قدرت اور اس کی رحمت و ربو بیت کا ایک عظیم نشان ہے۔ (۳۹۸/۱)

**تصعد:** ‘تصعد’ بٹکاف اور بہ مشقت کسی بلندی پر چڑھنے کے لیے معروف ہے۔

(۳/۱۶۱)

**صعد:** دیکھیں ”عذاباً صعداً۔“

**صعید:** صعید سطح ارض کو کہتے ہیں۔ (۲۰۲/۳)

**اصعاد:**

‘اصعاد’ کے اصل معنی کسی چڑھائی کی سمت جانے کے ہیں۔ اسی سے احمد فی

العدو کا محاورہ لکلا جس کے معنی کسی سمت میں منھٹھائے بھاگ کھڑے ہونے کے ہیں۔

(۱۹۳/۲)

**تصعیر:** 'تصعیر خد' کے معنی ہیں بربناۓ غرور و تکبر لوگوں سے بے رخی و بے پروائی اختیار کرنا۔ (۱۳۲/۶)

### صفو:

'صفو' عربی میں کسی شے سے انحراف کے معنی میں نہیں بلکہ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے میں آتا ہے۔ استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر سورہ تحریم میں اس نفظ کی لغوی تحقیق پیان فرمائی ہے۔ اس کا ضروری حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں (۱۹۱)۔ مولانا فرماتے ہیں:

"دنیا کی تمام زبانوں میں عموماً اور عربی زبان میں خصوصاً خاص خاص الفاظ ایک کلی معنی کے تحت ہوتے ہوئے بھی خاص خاص معانی کے لیے خصوص ہوتے ہیں۔ جو لوگ زبان کی ان خصوصیات سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اس کے فہم سے بالکل محروم رہتے ہیں۔

یہ کلیہ پیان کرنے کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مثلاً 'میل'، جس کے معنی جھکنے اور ہٹنے کے ہیں، ایک کلی مفہوم ہے جس کے تحت عربی میں بہت سے الفاظ ہیں، مثلاً زلغ، جور، ارعاء، حیادہ، انحراف وغیرہ لیکن یہ سب میل عن الشیٰ یعنی کسی چیز سے بہت جانے یا برگشتہ ہو جانے کے لیے آتے ہیں۔ پھر اسی کلی مفہوم کے تحت

فی، توبۃ، التفاتاً اور صفو وغیرہ الفاظ بھی ہیں جو سب کے سب میں الی اشیٰ یعنی کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں.....

”لفظ کی اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ 'صفت قلوبکما' کے معنی 'انابت قلوبکما و مالت الی الله و رسوله' (یعنی تم دونوں کے دل اللہ اور رسول کی طرف جھک چکے ہیں) کے ہوں گے کیوں کہ لفظ 'صفو' کسی شے کی طرف جھکنے کے لیے آتا ہے، اس سے مرنے اور بٹنے کے لیے نہیں آتا۔“

”اس لفظ کی یہ حقیقت اس کے تمام مشتقات میں بھی موجود ہے۔ مثلاً 'صاغیۃ الرجل'، کسی شخص کے اتباع کو کہتے ہیں۔ 'صفوہ معک' کے معنی ہیں اس کامیلان تمہاری طرف ہے۔ 'اصغیت الی فلان' کے معنی ہیں اس کی طرف تم نے کان لگایا۔ حدیث شریف میں ہے ہے: 'ینفح فی الصور فلا یسمعه احد الا اصغی الى'، <sup>(۱۹۷)</sup> (صور پہونچا جائے گا تو ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا) اسی طرح محاورہ ہے 'الصبو اعلم بمصافی خدہ'، <sup>(۱۹۸)</sup> (بچاپن آغوشِ محبت کو خوب پہچانتا ہے)۔ 'هرة' (بلی) والی حدیث میں ہے: 'کان یصغی لها الاناء' (اس کے لیے برتن جھکا دیتے کہ وہ آسانی سے پانی پی لے)۔ برتن کے جوف کو 'صفو' کہتے ہیں کیوں کہ چیز اس میں جمع ہو جاتی ہے۔“

اپنے جریر نے 'اصفاء سمع' (کسی کی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں  
کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے:

(۱۹۹) تری السفیہ به عن کل مکرمۃ زیغ و فیہ للتسفیہ اصفاء

(بے وقوف عزت و شرف کی باتوں سے منہ موڑتا ہے اور  
سفاهت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے)

شاعر اونٹی کی تعریف میں کہتا ہے:

(۲۰۰) تصفی اذَا شَدَّهَا بِالْكُورِ جَانِحَةً حَتَّى اذَا مَا اسْتَوَى فِي غَرَزَهَا تَثَبَّ

(جب وہ اس پر کجاوہ کرتا ہے وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے اور  
جب وہ رکاب میں پاؤں رکھ دیتا ہے وہ جھپٹ پڑتی ہے)  
اعشی اپنی کتاب کی آنکھ کا ذکر کرتا ہے:

(۲۰۱) تری عینها صفواء فی جنب مزقها تراقب کفی والقطیع المعدها

(اس کی آنکھ گوشہ چشم کی طرف جھکی ہوتی ہے اور وہ میرے ہاتھ اور  
خخت کوڑے کو دیکھتی ہوتی ہے)

نمر بن تولب نے 'اصفاء اناء' کا محاورہ ایک خاص معنی میں استعمال کیا  
ہے لیکن لفظ کے اصل مفہوم کی روح اس کے اندر بھی موجود ہے:

(۲۰۲) وَ ان ابْن اخْتِ الْقَوْمِ مَصْفِي اَنَاؤه اذا لم يَزَاحِمْ خَالَه بَابِ جَلْدٍ

(اور قوم کے بھائی کی حق تلفی کی جاتی ہے اگر وہ اپنے ماموؤں کی  
مزاحمت ایک بھادر باپ سے نہ کرے)

مولانا رحمة اللہ علیہ، یہ محاورات و اشعار لسان العرب سے نقل کرنے کے بعد، نہایت گھرے تاثر کے ساتھ فرماتے ہیں:

”جن لوگوں کو حق کی تلاش ہے ان کے لیے یہ شواہد بس ہیں۔ وہ ان سے مطمئن ہو جائیں گے اور گھرے والوں نے روایات و آثار میں جوز ہر طایا ہے اس سے متاثر ہوں گے۔ انہوں نے جب کتاب الہی میں کسی لفظی تحریف کی راہ مسدود دیکھی تو معنوی تحریف ہی کی کچھ را یہیں کھول لیں اور صفو، کے معنی ‘زیغ’ کے کردیے حالانکہ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بعض روایات میں زاغت کی جو قرأت آئی ہے وہ بالکل عی ناقابلِ التفات ہے“<sup>(۲۰۳)</sup> (۲۶۶-۳۲۳/۸)

### صفح:

صفح کے معنی چشم پوشی کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہیں، کسی حماہی کا شعر ہے:  
صفحنا عن بنی ذهل وقلنا القوم اخوان<sup>(۲۰۴)</sup>

ہم نے بنی ذہل کی شرارتوں سے چشم پوشی کی اور خیال کیا کہ یہ لوگ اپنے ہی بھائی ہیں۔<sup>(۲۹۹/۱)</sup>

### صفراء:

گائے کے رنگوں میں سہرا اور زرد رنگ سب سے زیادہ دل پسند رنگ ہے۔ عرب شعراء اسی پسندیدگی کے سبب سے محبوبہ کے لیے بھی یہ صفت لاتے ہیں<sup>(۲۰۵)</sup>۔ ”فاقع“ کا لفظ اسی رنگ کی گہرائی اور شوختی کے لیے آتا ہے<sup>(۲۰۶)</sup> (۲۲۷/۱)

**الصافنات (الجیاد):** ”الصافنات“ یعنی گھوڑے ہیں۔ (۵۳۲/۲)

**صفوان:** 'صفوان' کے معنی چکنے پھر یا چکنی چنان کے ہیں۔ (۶۱۵/۱)

### صفا (و مرودہ):

صفا اور مرودہ بیت اللہ کے پاس کی وہ دونوں پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حج و عمرہ کے موقع پر سعی کی جاتی ہے۔ مولانا فراہمی نے اپنی کتاب "الرأی الصالح فی من هوا لذیح" میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اصل قربان گاہ، جہاں حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کی قربانی کی، سبھی مرودہ ہے جس کا ذکر تورات میں آیا ہے لیکن یہود نے بیت اللہ سے حضرت ابراہیم کا تعلق کاٹ دینے کے لیے اس لفظ کو تحریف کر کے کچھ سے کچھ کر دیا۔ (۳۸۳/۱)

**اصفاء:** 'اصفاء' کے معنی خاص اور خالص کر دینے کے ہیں۔ (۵۰۷/۲)

### اصطفاء:

اصطفاء کے معنی چھانٹنے اور انتخاب کرنے کے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں اس کا مفہوم اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی بندے کو کسی کار خاص کے لیے منتخب کر لیتا ہے۔

(۸۲-۸۳/۲)

### صلک:

'فصلت و خجهہا' یعنی انہوں نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ یہ عورتوں کے اظہار تجہب کا طریقہ ہے۔ جب وہ کسی بات پر حیرت کا اظہار کرتی ہیں تو پیشانی پر ہاتھ مار کر بات کہتی ہیں۔ ان دلقطوں میں قرآن نے ان کی حیرت اور خوشی کی پوری تصویر کھینچ دی ہے۔

(۲۰۹/۷)

**صَمَد:**

لفظ 'صَمَد'، اصل میں اس بڑی چٹان کے لیے آتا ہے جس کی دشمن کے حملہ کے وقت پناہ پکڑتے ہیں۔ یہیں سے قوم کے سرداروں کو جو قوم کا پشت پناہ اور سب کا مرجع ہو 'صَمَد' کہنے لگے۔ زبور اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں اللہ تعالیٰ کو بکثرت چٹان اور مدد کی چٹان کہا گیا ہے۔

جس طرح 'غَنْيٌ' کے بعد قرآن میں 'حَمِيدٌ' کی صفت اللہ تعالیٰ کے لیے بطور بدرقه آئی ہے اسی طرح یہاں 'اَحَدٌ' کے بعد 'صَمَدٌ' کی صفت بطور بدرقه ہے۔ (۶۵۰/۹)

**صَالِحٌ:**

'صالح' یہاں 'ٹھیک' اپنے لغوی معنی میں ہے۔ عربی میں اگر کہیں 'صلحت حال فلان'، تو اس کے معنی ہوں گے، اس کا حال بالکل 'ٹھیک' ہو گیا، اس کی پریشانی دور ہو گئی، جو کائنات سے چھوڑ رہا تھا اس سے وہ نجات پا گیا۔ (۱۹۷/۳)

**صَاحِحُونَ:**

صالحین کا لفظ قرآن مجید میں عام نیکوکاروں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور اس پورے زمرے کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جوانیا، صدقیقین اور شہداء اور صالحین سب پر مشتمل ہے۔ اس آیت (۳۰۸) میں یہ لفظ اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۳۳۲/۱)

**صَالِحُونَ:**

'صلح' ن، یہاں (۳۰۹) جسمانی اور اخلاقی دونوں قسم کی صلاحیتیں رکھنے والوں کے

لیے استعمال ہوا ہے۔ عربی میں یہ لفظ اس جامع معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۳۰۰/۵)

## اصلاح:

یہاں<sup>(۳۰)</sup> بار آؤ اور نتیجہ خیز کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی معنی میں یہ لفظ سورہ محمد ﷺ آیات ۲-۵ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ (۷۸/۳)

**صلد:** صلد کے معنی سخت اور چکنی چیز کے ہیں۔ 'ارض صلد' یا 'مکان صلد' اس زمین کو کہیں گے جہاں کوئی چیز اُگتی نہ ہو۔ 'راس صلد' ایسے سر کو کہیں گے جس پر بال نہ اگتے ہوں۔ (۶۱۶/۱)

**صلصال:** 'صلصال' خالص مٹی کو کہتے ہیں۔ (۱۳۲/۸)

## صلوة:

صلوة کا لفظ اصل لغت میں کسی شے کی طرف متوجہ ہونے کے لیے آیا ہے۔ پھر یہیں سے یہ لفظ رکوع کے معنی میں اور پھر تقطیم و تضرع اور دعا کے معنوں میں استعمال ہوا۔ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ لفظ عبادت کے معنی میں بہت قدیم ہے۔ کلد انی میں دعا اور تضرع کے معنی میں اور عبرانی میں رکوع اور نماز کے معنی میں یہ استعمال ہوا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ ایک اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت قرآن نے بھی کر دی ہے اور سنت نے بھی اس کی پوری وضاحت کی ہے۔ علاوہ ازیں امت کے قولی و عملی تواتر نے اس کی شکل وہیت اور اس کے اوقات بالکل محفوظ رکھے ہیں۔ اگر اس کے کسی جزء میں کوئی اختلاف ہے تو وہ محض فروعی قسم کا ہے جس سے اصل حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (۹۳/۱)

صلوٰۃ، کے معنی نماز کے ہیں لیکن جس طرح کبھی ظرف بولتے ہیں اور مظروف اس کے مفہوم میں آپ سے آپ ہی شامل ہوتا ہے اسی طرح کبھی مظروف، اگر قرآن موجود ہوں، ظرف پر بھی مشتمل ہو جاتا ہے۔ یہاں<sup>(۳۰۲)</sup> دو قرینے موجود ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ 'صلوٰۃ' کا لفظ یعنی مسجد پر بھی مشتمل ہے۔ ایک تو یہ کہ فرمایا نشے اور جنابت کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ پہلو۔ ظاہر ہے کہ اگر 'صلوٰۃ' سے مراد مجرد نماز ہوتی تو اس کے لیے 'نماز نہ پڑھو' کہہ دینا کافی تھا۔ 'لاتقرربوا' کے الفاظ سے اس مطلب کو ادا کرنے کا کوئی خاص فائدہ سمجھنے میں نہیں آیا۔ دوسرا یہ کہ اس کے ساتھ 'الا عابری سبیل' کا استثناء بھی ہے۔ یعنی اگر نماز کی جگہ سے مجرد گزر جانامہ نظر ہو تو اس میں مضافات نہیں۔ یہ گزر جانا، نماز کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا بلکہ اس کی واضح مناسبت ہو سکتی ہے تو موضع نماز ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ بعض لوگوں نے اسی عدم مناسبت سے بچنے کے لیے 'عابری سبیل' سے مراد حالات سفر کو لیا ہے لیکن یہ محض تکلف ہے۔ اول تو سفر کے تعبیر بالکل اجنبی ہے، دوسرا یہ کہ حالت سفر کے لیے جزو خصت ہے وہ اسی آیت میں 'اوعلیٰ سفر' کے الفاظ سے مستقلًا بیان ہوئی ہے۔ پھر یہاں اس کے ذکر کی کیا ضرورت تھی۔ (۳۰۲۲)

### الصلوٰۃ (الوسطی):

الصلوٰۃ الوسطی کے لغوی معنی توجیح والی نماز کے ہیں اور اسلوب کلام صاف شہادت دے رہا ہے کہ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ رہایہ سوال کہ اس خاص سے کیا مراد ہے تو اس کے جواب میں الہ تاویل نے اختلاف کیا ہے۔ زیادہ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے<sup>(۳۰۳)</sup>۔ ہمارا اپنار جان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ یہ نماز ہماری شب و روز کی تقسیم میں ایک ایسی نماز کی حیثیت رکھتی ہے جو رات اور دن دونوں کی

سرحد پر واقع ہو۔ سرحد پر تو کہہ سکتے ہیں کہ مجرم کی نماز بھی واقع ہے لیکن جس سرحد پر عصر کی نماز واقع ہے وہ عام حالات میں دیکھیے تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ دنیا طبوں کے لیے بڑی آپا وھاپی کا وقت ہوتا ہے، مسافرات آنے سے پہلے منزل پر پہنچنا چاہتا ہے، دکاندار دکان بڑھانے سے پہلے کچھ کمائی کر لینے کی دھن میں ہو جاتا ہے، نوکراپی مقررہ ڈیوٹی کے سرانجام دینے کے چکر میں پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ میدانوں میں کھلاڑی بھی اپنے آخری داؤں اور اپنی آخری بازی کے منصوبوں میں ایسے غرق ہوتے ہیں کہ کسی کو کسی دوسری چیز کا کوئی ہوش نہیں رہ جاتا۔ (جلد اول/ ۵۵۳)

**صلوات:** 'صلوت'، 'صلوة' کی جمع ہے۔ یہ لفظ یہود کے کنیوں کے لیے آتا ہے۔  
عبرانی میں اس کی اصل 'صلوتا' ہے۔ (۲۵۶/۵)

**صل (علیهم):** اس میں عام دعا و استغفار کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ بھی شامل ہے۔ (۶۳۹/۳)

### صومع:

'صومع'، 'صومعة' کی جمع ہے۔ اصل ایسا لفظ ان بلند پہاڑوں اور مکانوں کے لیے آیا ہے جہاں عیسائی راہب عبادت کے لیے خلوت اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے۔ اس وجہ سے اگر اس کا ترجمہ 'خانقاہیں'، 'کیا جائے تو موزوں رہے گا۔ (۲۵۶/۵)

**مصانع:** 'مصانع'، 'قلعون' اور گڑھیوں کے لیے بھی آتا ہے اور محلوں اور ایوانوں کے لیے بھی۔ (۵۳۶/۵)

**اصطناع:** 'اصطناع' کا اصل مفہوم کسی کو کسی خاص مقصد کے لیے تربیت اور

ٹریننگ دینے کے ہیں۔ (۵۲۵)

### اصابہ:

'اصاب' یہاں <sup>(۳۳۳)</sup> ہدف ٹھہرانے کے مفہوم میں ہے، جس طرح 'اصاب' لسم کا محاورہ ہے۔ یعنی اپنے جہاز بھیجنے کے لیے جس مقام کو وہ اپنا ہدف بناتے وہ بے روک ٹوک، فصل و موسم کا انتظار کیے بغیر، وہاں کے لیے روانہ ہو جاتے۔ اس لیے کہ ہواں کے کنڑوں میں تھی۔ وہ اپنے سفر کے لیے، اس کو جب چاہتے، سازگار بنا لیتے۔ (۵۳۵/۶)

**صوت:** 'صوت' سے مراد یہاں شور و غونغا، ہنگامہ اور پروپنڈا ہے۔ (۵۲۰/۳)

### صور:

صور کے معنی میلان اور جھکاؤ کے ہیں۔ صُرث الشئی یا أصرث الشئی کے معنی ہوں گے میں نے اس کو اپنی طرف مائل کر لیا، جھکا لیا، اپنے سے اس کو ہلا لیا۔ اسی سے فضرہن <sup>(۲۱۵)</sup> ہے۔ یعنی ان پرندوں کو اپنے ہلا لو۔ (ارکان ۶۰۶)

### تصویر:

تصویر کے معنی ہیں اس کو مکمل کرنا۔ اس اعتبار سے اگر چہ خالق اور باری دونوں لفظوں کے لغوی مفہوم میں ایک باریک سافرق ہے لیکن عام استعمال میں دونوں ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں۔ (۲۱۳/۱)

**صواعق:** 'صواعق'، 'صاعقه' کی جمع ہے۔ اس کے معنی گرج اور کڑک کے بھی ہیں اور اس بھلی کے لیے بھی یہ بولا جاتا ہے جو کڑک کے ساتھ گرتی ہے۔ (۱۲۹/۱)

صوم:

صوم اور صیام مصدر ہیں۔ صوم کے لغوی معنی کسی نئے سے رک جانے اور اس کو  
رک کرنے کے ہیں۔ صام الفرس صوما کے معنی ہیں گھوڑے نے چارہ نہیں کھایا۔ تابذ کا

شعر ہے:

(۳۱۱) خیل صیام و خیل غیر صائمة تحت العجاج و اخیری تعلک للجمما

بہت سے بھوکے اور بہت سے آسودہ گھوڑے میدانِ جنگ کے غبار میں  
کھڑے تھے اور دوسرا بہت سے اپنی لگائیں چبار ہے تھے۔

مولانا فراہی لفظ صوم کی تحقیق کے سلسلے میں اپنی کتاب اصول اشراع (۳۱۲) میں

فرماتے ہیں:

اہل عرب اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو بھوک اور پیاس کا عادی بنانے کے لیے  
با قاعدہ ان کی تربیت کرتے تھے تاکہ مشکل اوقات میں وہ زیادہ سے زیادہ خختی  
برداشت کر سکیں۔ اسی طرح وہ اپنے گھوڑوں کو تند ہوا کے مقابلے کی بھی  
تربیت دیتے تھے۔ یہ چیز سفر اور جنگ کے حالات میں جب کہ ہوا کے  
تپیڑوں سے سابقہ چیز آجائے، بڑی کام آنے والی ہے۔ جریئے اپنے  
ایک شعر میں ان دونوں باتوں کا حوالہ دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

(۳۱۸) ظلمنا بمستن الحرور کافنا لدی فرم مستقبل الربع صائم

(هم لو کے تپیڑوں کی جگہ جنے رہے گویا ہم ایک ایسے گھوڑے کے ساتھ

کھڑے ہوں جو با تند کا مقابلہ کر رہا ہو اور روزہ رکھے ہوئے ہو)

اس شعر میں اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حال کی تشبیہ ایک ایسے

شخص سے دی ہے جو اپنے محوڑے کے ساتھ کھڑا ہوا اور اس کو بھوک اور باہتند کے مقابلے کی تربیت دے رہا ہو۔ یہ امر مخواضور ہے کہ اہل عرب تشیبہ کے لیے انہی چیزوں کو استعمال کرتے ہیں جو ان کے عام تجربے میں آئی ہوں۔ ان کو نادر چیزوں کی تلاش زیادہ نہیں ہوتی۔ ..... الغرض محوڑوں کے صوم کے بارے میں اشعار بہت ہیں۔ ”اسی سے صائم ہے جس کے معنی ہیں وہ شخص جو کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جائے۔ (۳۲۳/۳۳۵)

### صیب:

”صیب“ کا لفظ خخت بارش کے لیے بھی آتا ہے اور زور کے ساتھ برنسے والے بادل کے لیے بھی۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں پہلے معنی کو ترجیح دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس لفظ سے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے اور قرآن میں بارش سے جگہ جگہ تشیبہ دی گئی ہے۔ (۱۴۹/۱)

### صیحة:

”صیحة“ کے معنی ڈانت کے ہیں۔ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو قومِ ثمود پر آیا چونکہ لحاظ لفظ کا نہیں بلکہ مفہوم کا ہوا اس وجہ سے فعل اس کے لیے مذکور استعمال ہوا۔ (۱۵۳/۳)

”صیحة“ کے معنی ڈانت کے ہیں اور قرآن میں یہ عذاب الہی کی تعبیر کے لیے جگہ جگہ استعمال ہوا ہے، خواہ وہ عذاب کسی شغل میں ظاہر ہوا ہو۔ اس کوخت آواز کے عذاب کے

ساتھ مخصوص کر دیا ہمارے زندگی صحیح نہیں ہے۔ (۳۱۹/۵)

**صیصۃ** مرغ کے پنچ کو کہتے ہیں۔ اسی سے جمع 'صیاصی' ہے جو بند کے سینگوں کے لیے بھی آتا ہے اور پھر ترقی کر کے دفاعی حصارات، قلعوں اور گڑھیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۲۱۲/۶)

### ضبج:

'ضبج' وہ خاص آواز نکالنے کے لیے آتا ہے جو گھوزے ہانپتے ہوئے اپنے تنقنوں سے نکلتے ہیں۔ (۵۰۰/۹)

**ضَحَكٌ**: 'ضحك'، خوشی اور اہتماج و سرور کے مفہوم میں ہے۔ (۵۹۵/۵)

### ضرب (مثل):

ضرب مثل کے معنی ہیں کسی حقیقت کو تمثیل کے بیرایہ میں سمجھانا<sup>(۳۳۰)</sup>۔ اعلیٰ حقائق اور روحاںی الٹائیں کو جب تک تمثیل کا جامد نہ پہنایا جائے اس وقت تک وہ عام عقل کی گرفت میں نہیں آتے اس وجہ سے روحاںی حقائق کی تعلیم میں اس صفت کلام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ انبیاء اور حکماء کے کلام میں اس کی بڑی کثرت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ تورات اور انجلیل پر ایک نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام تمثیلات سے بھرا ہوا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی بے شمار تمثیلات ہیں۔ قرآن میں بھی اس صفت کلام کی نہایت اعلیٰ مثالیں موجود ہیں۔ (۱۳۱/۱)

'ضرب مثل' سے مراد حکمت و معرفت کی بات کہنا ہے۔ عربی میں اس مفہوم کے لیے اس محاورہ کا استعمال معروف ہے۔ کسی جماںی کا شعر مشہور ہے:

## یا بدر والامثال یضربها لذی اللب الحکیم (۱۹)

اے بدر، حکمت کی باتیں حکیم عاقل ہی کے لیے بیان کرتا ہے۔

'ضرب مثل' اصل میں تو کسی موعظت و حکمت کی بات کو تمثیل کی صورت میں پیش کرنے کے لیے استعمال ہوتا لیکن یہ اپنے وسیع مفہوم میں مجرد موعظت و حکمت کی بات بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ (۱۱۱/۲)

'ضرب مثل' اصل میں تو کسی موعظت و حکمت کی بات کو تمثیل کی صورت میں پیش کرنے کے لیے استعمال ہوتا لیکن یہ اپنے وسیع مفہوم میں مجرد موعظت و حکمت کی بات بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ اس محاورے پر ہم دوسرے مقام میں بحث کر چکے ہیں۔ (۱۱۱/۲)

'ضرب مثل' سے مراد یہاں فقرے اور پہتیاں چست کرنا ہے۔ (۵۱۰/۳)

'ضرب مثل' کوئی مثال بیان کرنے یا حکمت کی بات کہنے کے لیے بھی آتا ہے اور موقع ہوتو کسی پر طنز یا سمجھتی کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (۲۲۲/۶)

'ضرب عنہ الشيء' کے معنی ہوں گے؛ اس سے اس چیز کو ہٹا دیا۔ (۲۰۹/۷)

'ضرب على الاذان' کے لفظی معنی کا نوں پر شمپہ لگانے یا تھکنے کے ہیں۔ یہیں سے یہ محاورہ کسی کو سننے سے روک دینے یا پیار و شفقت سے سلاادینے کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کو جب سلاتے ہیں تو اس کے کانوں پر تھکتے ہیں۔ غار میں پناہ لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان پر کئی سالوں کے لیے نہایت آرام و سکون کی نیند طاری کر دی۔ نیند کے لیے یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں اور پیار کے ساتھ سلانے کے لیے یہ نہایت بلخ استعارہ ہے۔ (۵۶۸/۳)

‘ضرب طریق’ کے معنی عربی محاورہ کے لفاظ کے لفاظ سے تو، جیسا کہ صاحب کشف (۳۴) نے تصریح کی ہے، راستہ بنانے کے ہیں لیکن یہاں اس لفظ کے استعمال میں ایک لطیف کنایہ حضرت موسیٰ کے عصا کی طرف بھی ہے اس لیے کہ اس راستے کے بنانے میں حضرت موسیٰ کے عصا کو بھی دخل تھا اور عصا کی مناسبت لفظ ‘ضرب’ کے ساتھ واضح ہے۔ (۷۰۵)

**ضرر:** ‘ضرر’ اس تکلیف کو کہتے ہیں جو بھوک اور قحط وغیرہ کے سبب سے پہنچتی ہے۔  
(۲۲۹/۲)

### اضطرار:

‘اضطرار’ ‘ضرر ضر’ سے باب اتعال ہے۔ عربی زبان کے قاعدے کے مطابق ”ض“ کی مناسبت سے اتعال کی ”ت“ ”ط“ سے بدل گئی ہے۔ ضرر الی کذا کے معنی ہیں الجاء و الیه اس کو فلان چیز کی طرف مجبور کر کے دھکیل دیا۔ اضطرار الیہ کے معنی ہیں احوال جو والجائعہ اس کو فلان چیز کی طرف مجبور کر دیا۔ بعض جگہ ‘اضطرار’ کے ساتھ مخصوصہ کی قید بھی لگی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک سے مجبور ہو جائے تو وہ حرام کردہ چیزیں بھی جان بچانے کے لیے استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ اضطرار واقعی ہو۔ نہ تو اس کے اندر حرام کی کسی چاہت کو دخل ہو اور نہ آدمی اس حد سے آگے بڑھنے والا ہو جس حد تک بڑھنا جان بچانے کے لیے ناگزیر ہو۔ ان احتیاطوں کے ساتھ کسی واقعی مجبوری میں اگر کوئی شخص کسی حرام چیز سے فائدہ اٹھائے تو فرمایا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے۔

قرآن کے الفاظ سے یہ ظاہر ہے کہ یہ اس حالت اضطرار کے لیے ایک رخصت

ہے جو غذا میرنے آنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر اسی پر قیاس کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص حالتِ اکراہ میں بنتا ہو جائے وہ بھی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اپنی جان بچا سکتا ہے لیکن بعض فقہاء نے اس حد سے بڑھ کر اس کو عزیمت کا درجہ دیا ہے۔ چنانچہ حفیہ کے نزدیک تو وہ شخص خود کشی کا مجرم ٹھہرے گا جو اس طرح کے حالات میں حرام سے فائدہ اٹھانے کی جگہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال دے گا۔ ہمارے نزدیک اس اجمال کے ساتھ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک تفصیل بھی ہے جس کے سامنے آئے بغیر اس سے بعض غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ (۳۱۵/۱)

‘اضطرار’ کے بعد الی کا اصلہ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ فقط مجبور کر کے کشاں کشاں لے جانے کے مفہوم پر مختص ہے۔ (۱۳۲/۲)

### تضرع:

‘تضرع’، ‘ضراعت’ سے ہے۔ اس کے معنی عاجزی، خوشابد، لجاجت تملق کے اظہار کے ہیں۔ یہ اظہار حرکات اور اداوں سے بھی ہوتا ہے اور الفاظ و عبارات سے بھی۔ اس کی سب سے زیادہ موثر شکل وہ ہوتی ہے جب یہ الفاظ و حرکات دونوں میں کامل ہم آہنگی کی ساتھ نمایاں ہو جس کی بہترین شکل اسلام میں نماز ہے۔ باوضو ہو کر مودب کھڑا ہونا، ہاتھ باندھ لینا، سرنہیوڑا دینا، گھنٹے ٹیک دینا، ناک اور پیشانی خاک پر رکھ دینا، یہ تضرع کی حرکات اور اداویں ہیں اور ان مختلف حرکات اور اداوں کے ساتھ جو دعا کیں اور تسبیحات پڑھی جاتی ہیں یہ سب اسی تضرع کی معنوی تعبیریں ہیں۔ (۲۸۰/۳)

تضرع کے معنی گزگزانے اور آہ وزاری کے ساتھ التجاو فریاد کرنے کے ہوں گے۔ (۷۱/۳)

**ضعف:** ضعف کے معنی دو گنے کے بھی ہیں اور قرینہ موجود ہو تو اس سے زیادہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ (۲۵۶/۳)

'ضعف' عربی میں کسی شے کے مثلا کے لیے بھی آتا ہے اور اس کے مثال کے لیے بھی، خواہ وہ امثال کتنے ہی غیر محدود ہوں۔ (۳۲۸/۶)

### **ضعف:**

ضعف، کاظم جسمانی اور مادی کمزوری کے لیے نہیں آتا بلکہ عزم و ارادہ اور معرفت و بصیرت کے ضعف کے لیے بھی آتا ہے۔ (۵۰۷/۳)

### **مضاعفة:**

'مضاعفة' کے معنی کسی شے پر اضافہ کرنے کے ہیں۔ عام اس سے کہ یہ اضافہ دو گنا ہو یا اس سے زیادہ اور استعمالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر تدوینی اضافہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے جس طرح 'لَا تَأْكِلُوا الرِّبَا اَضْعَافًا' مضاعفة، میں ہے۔ (۳۸۸/۵)

'مضاعفة' کا ترجمہ عام ہے طور پر لوگوں نے ذکر کرنا کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس کے معنی بڑھانے کے ہیں یہ بڑھانا دگنا، دس گنا اس سے کہیں زیادہ ہو سکتا ہے، اس کا تعلق دینے والے کے خلوص اور ان حالات سے ہے جن میں وہ مال دیا گیا ہے اور سب سے زیادہ اس رب کریم کے فضل سے ہے جس نے اپنے بندوں کے لیے ابدی منفعت کی راہ کھولی ہے۔ (۲۰۷/۸)

### **مستضعف:** 'مستضعف' کے معنی ہیں بے نیس، مجبور، دباہوا، زیر دست۔

(۳۶۵/۲) مستضعف سے مراد مظلوم، مجبور اور بے بس کے ہیں۔ (۳۲۵/۲)

'مستضعف' کے معنی ہیں زیر دست، دبائے ہوئے، بے اثر، مظلوم۔ (۳۰۳/۳)

### ضفت:

'ضفت'، خس و خاشک کے گٹھے کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع 'اضفات' ہے جو بے حقیقت باتوں اور خبروں کے مجموعہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ پھر اسی سے 'اضفات احلام'، کی ترکیب پیدا ہو گئی جس سے مراد وہ خواب پریشان ہوتے ہیں جو یوں ہی تجھر معدی یا کسی اور باعث سے نظر آ جاتے ہیں ان کے اندر کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ (۲۲۲/۳)

'اضفات'، 'ضفت'، کی جمع ہے 'ضفت'، گھاس کی اس مٹھی کو کہتے ہیں جو رطب دیا بس اور خشک و تردیدوں کا مجموعہ ہو۔ یہیں سے 'اضفات احلام'، کا محاورہ پیدا ہوا جس کے معنی خواب پریشان کے ہیں۔ یعنی وہ خواب جو معنی و مفہوم سے بالکل خالی اور اپنے الجھاؤ کے سبب سے اس قابل نہ ہوں کہ ان کی تاویل و تعبیر کی طرف کوئی توجہ کی جائے اور ان کو کوئی اہمیت دی جائے۔ (۱۲۲/۵)

### ضفادع: ضفادع، ضفدع کی جمع ہے۔ 'ضفدع'، مینڈک کو کہتے

ہیں۔ (۳۵۵/۳)

### ضل:

'ضل'، عام طور پر انسان کی اس گمراہی کے لیے آتا ہے جس کا تعلق بھول چوک یا غُرواجتہاد کی غلطی سے ہو اور 'غسوی'، کا تعلق اس گمراہی سے ہوتا ہے جس میں نفس کی اکسماہت اور آدمی کے قصد و تمند کو بھی دخل ہو۔ (۵۲/۸)

## ضالٌ:

‘ضال’، یہاں <sup>(۳۳)</sup> گراہ کے معنی میں نہیں بلکہ جویائے راہ کے معنی میں ہے۔

(۳۱۶/۹) ‘ضال’ سرگشته، جویائے راہ، کھویا ہوا۔ (۵۰۹/۵)

## ضلال:

‘ضالین’ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین میں غلوکیا جنہوں نے اپنے پیغمبر کا رتبہ اتنا بڑھایا کہ اس کو خدا بنا کر رکھ دیا، جو صرف انہی عبادتوں اور طاعتوں پر قائم نہیں ہوئے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے مقرر کی تھیں بلکہ اپنے جی سے رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا، جنہوں نے اپنے اگلوں کی ایجاد کی ہوئی بدعتوں اور گمراہیوں کی آنکھ بند کر کے پیر وی کی اور اس طرح صراطِ مستقیم سے ہٹ کر گمراہی کی گلڈ ٹھیوں پر نکل گئے۔ پچھلی امتوں میں سے اس کی نہایت واضح مثال نصاری ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے انہی وجوہ کی بنا پر جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، ان کو گمراہ اور گمراہ کرنے والے قرار دیا ہے۔ مثلاً:

بَنَاهُلُ الْكِتَبِ لَا تَغْلُو افِي دِينِكُمْ كَهْ دَوَاءِ الْأَلْكَاتِبِ تَمِ اپنے دِيَنِ مِنْ نَاقِنَ غَلُونَه  
غَيْرُ الْحَقِّ وَلَا تَبْعُدُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ كَرَوْ اور ان لوگوں کی خواہشوں (بدعتوں) کی پیر وی  
قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلٍ وَاضْلُلُوا كَثِيرًا نَذَرَ وَجْهَ پَلَيْ سے گراہ چلے آرہے ہیں اور جنہوں نے  
وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ بہتوں کو خدا کے رستے سے بھٹکایا اور جو خود بھی اس  
کے رستے سے بھٹکے۔ (۶۱/۱)

**اضلال:** ‘اضلنی’ کے بعد ‘عن’ کا قرینہ ہے کہ یہ ‘صرف’ کے معنی پر مختص ہے۔  
(۳۶۱/۵)

## ضامر:

'ضامر' اس اونٹ یا اوٹنی یا گھوڑے کو کہتے ہیں جو طویل سفر سے لا غر ہو گیا ہو۔ یہ لفظ مذکروموں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ (۲۲۷/۵)

**صاحبکہ:** 'صاحبکہ' بھی سرت اور خوشی کی تعبیر ہے یعنی ان کے چہرے ہنستے ہوئے ہوں گے۔

**ضنك:** دیکھیں "معیشہ ضنك"۔

## ضفین:

'ضفین' کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے 'بعیل' کیا ہے (۳۳۳) لیکن میں نے حریص کیا ہے۔ بجل و حرص دونوں لازم و ملزم ہیں اس وجہ سے ان میں فرق مخفی ظاہری ہے لیکن میں نے حرص کے معنی کو اس وجہ سے ترجیح دی ہے کہ لفظ 'ضفن'، بجل کے معنی میں جب آتا ہے تو اس کا صد 'ب' آتا ہے اور یہاں 'علیٰ' آیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ 'حرص' کے معنی پر حصمن ہے۔ (۲۲۱/۹)

**مضاهاة:** 'مضاهاة' کے معنی مشابہت و مشاکلت کے ہیں۔ (۵۶۲/۳)

## ضیزی!

'ضیزی' کے معنی ہیں عدل و انصاف سے ہٹا ہوا معاملہ۔ 'ضازہ' کے معنی ہوں گے 'ظلمہ' اس نے اس کے اوپر ظلم کیا، اس کے ساتھ نا انصافی کی۔ (۲۲۸)

## ضیاء:

'ضیاء' کے معنی روشنی کے ہیں۔ کتاب الہی کے لیے 'ضیاء' اور 'نور' وغیرہ

کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں اس لیے کہ تمام ہنی و اخلاقی و رفتاری و عملی تاریکوں سے نکال کر ہدایت و صرفت کی شاہراہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ (۱۵۷/۵)

**ضیاء:** 'ضیاء'، (چمک اور تابانی) (۲۵/۳)

(۴) **ضییر:** 'ضییر'، کے معنی حرج اور ضرر کے ہیں۔ (۵۱۵/۵)

**ضیف:**

'ضیف' واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں اس کی صفت مذکور میں آئی ہے۔ لفظ 'مسکرمین' سے اشارہ اس آڈ بھگت، خیر مقدم، تواضع اور ضیافت کی طرف ہے جس کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مہماںوں کے لیے فرمایا۔ (۲۰۶/۷)

**طباقي:** 'طباقي'، یعنی تبہت۔ (۲۰۰/۸)

**طريق:** دیکھیں "ضرب طريق"۔

**طرائق:** 'طرائق' کے معنی راستے اور مسلک و مذهب کے ہیں۔ (۶۲۲/۸)

'طرائق'، 'طريقة' کی جمع ہے۔ 'طرائق'، 'اسرة' یعنی دھاریوں کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں صفت بول کر موصوف کو مراد لیا ہے جو عربی زبان میں معروف ہے۔ یعنی دھاریوں والے سات آسمان۔ یہاں اس لفظ سے آسمان کی رنگارنگی و بولگمنی کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے۔ اور اس بارش کی طرف بھی جس کا ذکر آگے نہایت اہتمام سے آ رہا ہے۔

(۳۰۵/۵)

## طغوی:

‘طغوی’ پر خاص طور پر سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے کھلم کھلا بخواست کے ہیں۔ خاص طور پر سرکشی جس کی مرکب کوئی قوم اس وقت ہوتی ہے جب کہ حق اس پر اچھی طرح واضح ہو چکا ہو۔ (۳۹۲/۹)

## طاغوت:

طاغوت بروزن ملکوت و جرودت، طغی، کے مادہ سے ہے جس کے معنی حد سے آگے بڑھ جانے کے ہیں۔ جو چیز اپنی حد مناسب سے آگے بڑھ جائے اس کے لیے عربی میں کہیں کے ”طغی“۔ طغی الماء پانی حد سے آگے بڑھ گیا۔ قوم شہود جس آفت سے ہلاک ہوئی اس کے لیے طاغیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی حد سے بڑھ جانے والی آفت کے ہیں۔ سینیں سے یہ لفظ حدود عبدیت و بندگی سے نکل جانے کے لیے استعمال ہوا اور جو حدود بندگی سے نکل جائے اس کو طاغوت کہنے لگے۔ پھر و سعیت اختیار کر کے یہ لفظ ان چیزوں پر بھی حاوی ہو گیا جو حدود بندگی سے نکل جانے کے باعث یا ذریحہ ہیں۔ اہل لغت اسی وجہ سے اس کی تشریع عام طور پر یوں کرتے ہیں کہ الطاغوت عبارۃ عن کُلِّ مَعْتَدٍ وَ كُلِّ مَعْبُودٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ (طاغوت سے مراد ہر وہ وجود ہے جو بندگی سے نکل جائے اور ہر وہ معبود ہے جس کی اللہ کے سواب پر ستش کی جائے)۔

قرآن نے اس لفظ کو مختلف مقامات میں استعمال کیا ہے اور ہر جگہ اس کے مقابل کا ذکر کر کے اس کے مختلف معنوں پر روشنی ڈال دی ہے۔ مثلاً زیر بحث آیت میں ہے فمن يكفر بالطاغوت و يؤمن بالله (۴۳) یہاں اللہ کے قابل سے واضح ہے کہ طاغوت

سے مراد مساوا اللہ ہے۔ سورہ نعلیٰ میں ہے: آن اعبدوا الله واجتبوا الطاغوت <sup>(۲۲۵)</sup>  
 یہاں بھی اللہ کے سواد و سرے معبود ان باطل مراد ہیں۔ سورہ نہایت ہے الذین آمنوا  
 یُقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت <sup>(۲۲۶)</sup>۔ اس  
 کے بعد معافر ما یاقتلون اولیاء الشیطان <sup>(۲۲۷)</sup> جس سے متین ہو گیا کہ طاغوت سے  
 مراد شیطان ہے اور شیطان کا لفظ شیاطین انس اور شیاطین جن دونوں کو شامل ہے۔ اسی  
 طرح ایک دوسرے مقام میں اس لفظ کو کتاب الہی اور طریقہ رسول کے مخالف طریقہ کے  
 لیے استعمال فرمایا ہے۔ الم تر الى الذین یزغمون انهم آمنوا بما انزل اليك و  
 ما انزل من قبلك یُریئُون ان یتحاکموا الى الطاغوت و قد امرؤا ان  
 یکفروا به و یرید الشیطان ان یُضلهم ضلالاً بعيداً و اذا قيل لهم تعالوا  
 الى ما انزل الله و الى الرسول رأیت المنافقین یصدون عنک چدوداً -  
 ۲۰۔ ۲۱۔ اس آیت <sup>(۲۲۸)</sup> میں یتحاکموا الى الطاغوت کے بالمقابل تعالوا الى ما  
 انزل الله و الى الرسول کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ طاغوت سے یہاں مراد وہ چیز ہیں  
 جو کتاب الہی اور سنت رسول کے خلاف ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو خدا کی بندگی و اطاعت سے نکل جائے یا نکل جانے  
 کا باعث اور ذریعہ ہو، وہ سب اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہے۔ (۵۹۱/۱)

**طلح:** 'طلح' کیلے کو کہتے ہیں۔ (۱۶۷/۸)

**طمس:**

'طمس الشی' کے معنی ہیں کسی شے کے آثار کو مٹا دینا۔ چہروں کو مٹا دینے کے

معنی یہ ہیں کہ یہ جو آنکھ، کان، ناک اور منہ کے نشانات ہیں یہ سب مٹا کر برابر کر دیے جائیں اور اس لیے کہ اللہ نے یہ قوتیں نہایت اعلیٰ مقصد سے بخشی تھیں لیکن جب ان سے وہ کام نہیں لیا گیا جس کے لیے یہ عطا ہوئی تھیں بلکہ اس کے بالکل بر عکس یہ سب چیزیں ٹھوکر کھانے کے گڑھے بن کر رہ گئی ہیں تو آخر یہ گڑھے کیوں باقی رکھے جائیں، یہ بھر کیوں نہ دیے جائیں؟ یہ مخواز ہے کہ سورہ بقرہ میں ان لوگوں کو صمّ، بکم، عمنی کہا گیا ہے<sup>(۲۲۹)</sup>۔ مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ رکھتے ہوئے یہ کونگے، بھرے اور اندھے بن چکے ہیں تو یہ اسی کے سزاوار ہیں کہ یہ نشانات بھی مٹا دیے جائیں۔ (۳۱۱/۲)

### الطامة (الكبرى):

’الطامة الكبرى‘ کے معنی بڑی ہلکی اور بڑے ہنگامہ کے ہیں۔ مراد اس سے قیامت ہے۔ (۱۸۳/۹)

### اطمینان:

اطمینان کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر بالکل صحیح صحیح اس طرح نک جانا کہ اس کے ادھر یا ادھر جھکنے یا لڑھکنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ برتن اگر اپنی جگہ پر صحیح جرم کر بیٹھ گیا ہے تو کہیں بے اطمینان۔ اگر چراغ کی لو بالکل سیدھی ہے، اس میں ہوا کے سب سے کسی طرف کو جھکا دنیں ہے تو اس کے لیے بھی یہی لفظ لا نہیں گے۔ سینی سے یہ لفظ نفس یا دل کی حالت کی تعبیر کے لیے استعمال ہونے لگا۔ جو نفس اپنے عقائد اور اعمال میں بالکل پا بر جا رہے، حالات کے تغیر و تکون سے اس کے اطمینان اور اس کی دلجمی میں کوئی فرق واقع نہ ہو، اس کو نفس مطمئنہ<sup>(۲۳۰)</sup> کہتے ہیں۔ یہ اطمینان ایمان کے اعلیٰ مدارج میں سے

ہے۔ قرآن مجید میں اس کو شرح صدر کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم طلب کر کے ارشاد ہوا ہے الٰم نشرح لک صدر ک (۳۳) (کیا ہم ن تمہارے سینے کو کھول نہیں دیا؟) سلوک باطن کے مدارج و مقامات درجہ درجہ طے ہوتے ہیں اس وجہ سے سلوک باطن کے ایک دور میں حضرات انبیا بھی اس مقام کے طالب ہوتے ہیں حالانکہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے وہ اس سے روزاول سے بہرہ ہوتے ہیں۔ یہ طلب ایمان کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ اس کی تجھیل ہے۔ (۶۰۵)

### طور:

'طور' سے مراد وہی جملہ طور ہے جس کا ذکر مختلف پہلوؤں سے قرآن مجید میں بار بار ہوا ہے۔ اسی طور کی ایک مقدس وادی 'طوى' میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپس ہوتے ہوئے، پہلی بار خدا کی تجلی کا مشاہدہ ہوا۔ یہیں وہ شرف رسالت سے مشرف ہوئے اور حکم ہوا کہ وہ فرعون اور اس کی قوم کے پاس منذر بن کر جائیں اور اس کو آگاہ کر دیں کہ اگر وہ سرکشی سے بازنہ آیا تو اپنی قوم سمیت اللہ کے عذاب کی زد میں آجائے گا۔ پھر فرعون کی ہلاکت کے بعد اسی طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے بلایا۔ (۱۶۸)

### طور (سیناء):

'طور سیناء' (امونون۔ ۲۰:۲۳) میں آیا ہے یعنی ایک جگہ یہ مؤنث کی صورت میں ہے اور دوسری جگہ جمیع سالم کی شکل میں۔ جیسے عربی میں 'جماعاً' اور 'اجماعون' مستعمل ہیں۔ تورات میں کہیں 'سیننا' آیا ہے اور کہیں 'سینیم' اور معلوم ہے

کے عبرانی میں 'یم' جمع کی علامت ہے۔ (۳۳۷/۹)

### طواف:

'طواف' سے مراد خانہ کعبہ کے اردوگرد پھیرنے گانا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے اس کا وہ طریقہ واضح فرمادیا ہے جو اس کا اصل ابراہیمی طریقہ ہے۔ طواف درحقیقت نماز کی ایک قسم ہے لیکن یہ نماز صرف خانہ کعبہ ہی کے پاس ادا ہو سکتی ہے اس کے سوا کہیں اور ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کی اس خصوصیت کی وجہ سے اس کا ذکر سب سے پہلے فرمایا۔ وقار و ادب کے حدود کے اندر رہتے ہوئے محبت اللہی کے جذبات جس حد تک اس نماز میں امکان ہے اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ شیخ و پروانہ کی حکایت طواف میں ایک حقیقت بن جاتی ہے۔ بشرطیکہ آدمی کے اندر حیات ایمانی کی رمق ہو۔ (۳۳۲/۱)

### طاقۃ:

بعض لوگوں نے اس مشکل سے بچنے کے لیے بُطیقوونہ کے معنی یہ لیے ہیں کہ "جو لوگ مشکل سے طاقت رکھتے ہیں" یہ معنی لے لینے سے اوپر کے اعتراضات تو رفع ہو جاتے ہیں اور ثُکِبَ علیکم الصیام الآلیٰ کے نکلوے کا ایک محل نکل آتا ہے لیکن اس صورت میں مذکورہ بالا اعتراضات سے بھی بڑا اعتراض اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ بُطیقوون کے یہ معنی لغت میں ہیں بھی یا یخن اپنے جی سے گھر لیے گئے ہیں۔ ہمارے نزد دیک عربی لغت اس لفظ کے اس معنی سے بالکل خالی ہے۔ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ باب افعال کا ایک خاصہ سلب مأخذ بھی ہے اس وجہ سے "اطاقۃ" کے معنی طاقت رکھنے کے بھی آئکے ہیں۔ ہمیں اس بات سے تو انکار نہیں ہے کہ باب افعال کے خواص میں سے سلب مأخذ بھی ہے لیکن خاصیات ابواب کا معاملہ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں، قیاسی نہیں بلکہ سائی ہے اس

وجہ سے اصل نہ لفظ کا استعمال ہے۔ اگر اہل زبان نے اس لفظ کو مکمل کیا ہوا اور اس کی مثالیں موجود ہوں تب تو بلاشبہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن اگر اس معنی میں اس لفظ کے استعمال کی کوئی نظریہ کلام عرب اور قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے تو محض اس مفردہ پر کہ باب افعال کے خواص میں ایک خاصہ سب مأخذ نامی بھی ہے، لفظ کو اشیات کے بجائے فتحی کے منی میں لے لیا عربی زبان پر بھی بہت بڑا ظلم ہے اور یہ چیز دین میں بھی ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اگر کوئی صاحب اس اصول کو بے دھڑک استعمال کرنے لگ جائیں تو وہ دین کے ایک بہت بڑے حصہ کو بڑی آسانی سے امر و حکم کے بجائے فتحی و نہیں سے بدل سکتے ہیں۔

بعض کم سوادیہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ ”فلاں شخص فلاں چیز کی طاقت رکھتا ہے۔“ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس چیز کی مشکل سے طاقت رکھتا ہے۔ یہ بات بالکل مطہرانہ ہے اس وجہ سے اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیتے ہیں کہ طاقت رکھنے کے مفہوم میں مشکل کا یہ مضمون موجود ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ طاقت آدمی کو تکالیف شرعیہ اور احکام دینیہ کے اٹھانے کا ذمہ دار بناتی ہے یا اس کو شریعت کی ذمہ داریوں سے بری قرار دیتی ہے۔ جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ طاقت آدمی کو مکلف بناتی ہے نہ کہ اس کو بری قرار دیتی ہے۔ جب آپ یہ نہیں کہ میں فلاں چیز کی طاقت رکھتا ہوں تو اس کے واضح معنی سمجھی ہیں کہ آپ اس کے لیے مکلف ہونے کے درجے میں ہیں نہ کہ اس سے استثناء کے درجے میں، قطع نظر اس سے کہ آپ اس کی طاقت آسانی سے رکھتے ہیں یا مشکل سے۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر کہنا یہ تھا کہ ”جو لوگ روزہ رکھنے کی مشکل سے

طاقت رکھتے ہیں، تو اس کے لیے عربی زبان میں بیسوں اسلوب اور الفاظ نہایت معلوم و مشہود موجود ہیں جو اہل زبان استعمال کرتے ہیں آخراں کوچھوڑ کر قرآن نے ایک ایسا لفظ کیوں استعمال کیا جس کا استعمال اس معنی کے لیے کسی کو معلوم نہیں۔ اگر ایک شخص کہتا ہے کہ ”انا اطیق حمل السلاح“ تو ہر شخص اس کا مطلب یہی سمجھے گا کہ وہ تھیار اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ مطلب تو کوئی بھی نہیں سمجھے گا کہ وہ تھیار اٹھانے کی مشکل سے طاقت رکھتا ہے، اس وجہ سے مستحق ہے کہ اسے جہاد کی ذمہ داریوں سے بری رکھا جائے۔ اسی طرح فرض کیجئے کہ کہا جائے کہ ”لنا طاقة بجالوت و جنوده“ تو اس کا واضح مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہمیں طالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کی طاقت ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا کہ ”ہمیں طاقت نہیں ہے، یا ہم مشکل سے طاقت رکھتے ہیں“ تب تو قرآن میں تین اسرائیل کا جو قول نقل ہوا ہے کہ ”لا طاقة لنا الیوم بجالوت و جنوده“<sup>(۳۳)</sup> اس میں لائے نقی کی مطلق ضرورت نہیں تھی بلکہ اثبات کی صورت میں ان کا مطلب صحیح طور پر ادا ہو جاتا۔ بہر حال جن لوگوں نے ”یطیقوں“ کے معنی لیے ہیں انہوں نے بالکل غلط منی لیے ہیں۔ (۱/۶۹)

### (ما) طاب (لکم) :

”ما طاب لكم“ کے معنی بعض اہل تاویل نے ”ما حل لكم“ (یعنی جو عورتیں تمہارے لیے جائز ہوں) لیے ہیں۔ یہ مفہوم لفظ کے ستھارات کے مطابق، اگرچہ از زوئے لغت و از روئے استعمال اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ”جورا ضی ہوں“۔ آگے والی آیت قران طبعن لکم کے الفاظ سے اس مفہوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ نیز یہ مفہوم بھی اس کا ہو سکتا ہے کہ جن سے تمہاری زندگی میں خونگواری پیدا ہو۔ یہاں یہ تمام معانی بنجتے

ہیں لیکن ہم نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موقع محل سے یہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (۲۵۲/۲)

### طیبات:

‘طیبات’ سے مراد، ظاہر ہے کہ وہ چیزیں ہیں جو اپنے مزاج، اپنی سرشت اور انسان کے اوپر اپنے اثرات کے اعتبار سے پاکیزہ، معتدل، صحت بخش اور نافع ہیں۔ (۱۹۷/۳)

### متقطع:

متقطع اور مُطلَق، دونوں ایک ہی لفظ ہیں۔ مُطلَق اس کو کہتے ہیں جو صرف فرائض و واجبات ہی ادا کر لینے پر قاعۃ نہ کرے بلکہ اپنی خوشی اور حوصلہ مندی سے نفلی نیکیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ (۶۱۳/۳)

**طول:** ‘طول’ کے معنی قدرت، غنی اور فضل کے ہیں۔ (۲۷۹/۲) ‘طول’ کے معنی قدرت اور غنا کے ہیں۔ (۶۲۰/۳) ‘طول’ کے معنی فضل، غنی، قدرت اور بخشش کے ہیں۔ (۱۸/۷)

**طوى:** ‘طوى’ اس میدان کا نام ہے جو جزیرہ نماۓ سینا میں کوہ سینا کے دامن میں واقع ہے۔ (۳۱/۵)

### طيبة:

طيبة، سے سازگار ہو امر اد ہے۔ اس کا مقابل لفظ رتّ عاصف استعمال ہوا ہے جو طوفانی ہوا کے لیے آتا ہے۔ (۳۰/۳)

## طائر:

‘طائر’ کے اصل معنی تو پرندے کے ہیں لیکن اہل عرب پرندوں سے چونکہ فال بھی لیتے تھے اور اپنے زعم کے مطابق ان سے قست بھی معلوم کرتے تھے اس وجہ سے یہ لفظ قسمت، اور نصیب کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (۳۸۸/۳)

**طیب:** دیکھیں ”الكلم الطيب“

**طيبة:** دیکھیں ”شجرة طيبة“ اور ”كلمة طيبة“

## تطیر:

تطیر ‘طیر’ سے ہے۔ ‘طیر’ چڑیوں اور پرندوں کو کہتے ہیں۔ چونکہ تو ہم پرستوں میں چڑیوں کے اڑنے سے فال لینے کا عام رواج ہے اس وجہ سے ’تطیر‘ کا لفظ فال لینے کے معنی میں استعمال ہوا۔ پھر اس کا غالب استعمال فال شخص کے معنی میں ہو گیا۔ اسی مادے سے ’طائر‘ کا لفظ بھی ہے جو اس چیز کے لیے استعمال ہوا جس سے کوئی نیک یا بد فال لی جائے اور پھر اسی مفہوم سے ترقی کر کے حظ، قسمت اور نصیبہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (۳۵۳/۳)

**طین (ذرا ب)**: ’طین لازب‘، چپکنے والی مٹی کو کہتے ہیں۔ (۳۶۰/۶)

## ظفر:

‘ظفر’ یوں تو ناخون کو کہتے ہیں۔ لسان میں ہے ’الظفر يكون للإنسان، ظفر إنسان كـنـاخـونـ كـوـكـبـتـےـ ہـیـںـ (۳۳۳)‘ پھر لوگوں کی رائے ہے کہ ’الظفر لـمـاـ لـيـصـدـ والـمـخـلـبـ لـمـاـ يـصـدـ‘ جو جانو شکار نہیں کرتے ان کے ناخون کو ظفر کہتے ہیں، جو شکار

کرتے ہیں ان کے پنجہ کو مخلب، کہتے ہیں۔

تورات کے مطالعہ سے حرام و حلال کی تفصیل سامنے آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے ہاں چوپا یوں میں سے صرف وہ چوپائے حلال تھے جنم کے پاؤں چرے ہوئے ہیں اور وہ جگالی بھی کرتے ہیں۔ جن کے اندر ان میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو وہ ان کے ہاں حرام ہے۔ چنانچہ اونٹ، ساخان اور خرگوش اور وہ تمام جانور جن کے پاؤں چرے ہوئے نہیں ہیں، یہود کے ہاں حرام ہیں۔ اس روشنی میں ذی ظفر، کامفہوم معین کیا جائے تو اس سے مراد وہ جانور ہوں گے جن کے پاؤں چرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ سُم کی شکل میں وہ بند اور ان کے سامنے کے حصہ پر ناخون ہیں۔ یہود پر اس طرح کے تمام جانور، جیسا کہ ٹکل، کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے علی الاطلاق حرام تھے اس وجہ سے ان پر بعض وہ جانور بھی حرام ہو گئے جو ملت ابراہیم میں جائز تھے مثلاً اونٹ خرگوش وغیرہ۔ (۱۹۲/۳)

**ظلّة:** دیکھیں ”دخان مبین“

**ظلم:**

ظلم کا اصلی مفہوم حق تلفی ہے۔ خدا کے حقوق اور خود اپنے نفس کی جو حق تلفی آدمی شرک کا ارتکاب کر کے کرتا ہے وہ کسی بھی اور دوسرے طریقہ سے نہیں کرتا۔ اس کی وضاحت قرآن مجید نے متعدد مقامات میں کی ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔ (۲۷۲/۱)

”ظلم“ اور ”هضم“ دونوں لفظ جب ایک ساتھ استعمال ہوں تو ”ظلم“ کے اندر حق تلفی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور ”هضم“ کے اندر غصب اور تعدی کا۔ یعنی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کا حق جو آپ پر عاید ہوتا ہے آپ اس کو دبا دیں۔ یہ ”ظلم“ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے

کہ آپ تعدی کر کے دوسرے کے پاس جو کچھ ہے اس کو چینئے اور غصب کرنے کی کوشش کریں۔ یہ 'ہضم' ہے۔ (۹۲/۵)

### ظلمات:

'ظلمات' مصائب اور آفات کی تعبیر ہے۔ سمندر کی تاریکیوں کا ذکر قرآن نے سورہ نور میں یوں فرمایا ہے: اُوْ كَظْلَمَتْ فِي بَحْرٍ لَجِيْ يَغْشِيْ مَوْجَهَ مَوْجٍ مِنْ فَوْقَهُ مَوْجٍ  
مِنْ فَوْقَهُ سَحَابٍ طَظْلَمَتْ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ طَإِذَا اخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكُنْ يَرَهَا طَ  
(النور ۲۰) (یا کسی گھرے سمندر کی تاریکیاں جس میں موج کے اوپر موج اٹھ رہی ہو،  
اور اس کے اوپر باطل چھائے ہوئے ہوں، تاریکیوں کے اوپر تاریکی۔ جب اپنا ہاتھ نکالے  
تو وہ بھی اس کو بھائی نہ دے) اسی طرح کے طوفانوں اور مصائب سے آدمی کو خشکی میں بھی  
سابقہ پیش آتا ہے۔ (۱۷/۳)

عربی زبان میں جمع بھی کبھی کسی شے کے اطراف کی وسعت کے اعتبار سے بھی آتی  
ہے۔ (۱۸۳/۵)

'ظلمت' سے مراد عقائد و اعمال کی تاریکیاں اور 'نور' سے مراد ایمان و عمل صالح  
کی روشنی ہے۔ گراہی کے ہزاروں راستے ہیں لیکن ہدایت کی راہ ایک ہی ہے اس وجہ سے  
ظلمات جمع ہے اور نور واحد۔ (۳۰۸/۳)

'ظلمت' سے مراد شہوات نفس اور حب دنیا کی تاریکیاں ہیں جن کا واحد علاج اللہ  
کی راہ میں انفاق ہے اور 'نور' سے وہ نور مراد ہے جو انفاق سے پیدا ہوتا ہے اور جس کا ذکر  
آگے آیت ۱۲ میں آ رہا ہے۔ (۲۰۵/۸)

'ظلمات' سے مراد عقلی اور اخلاقی تاریکیاں ہیں۔

**‘ظلمات ثلاث’، ‘تین تاریکیوں سے اشارہ مشیہ، رحم اور پیٹ کی تدبیت**

تاریکیاں ہیں۔ (۵۲۵/۱)

### ظن:

آدمی کسی چیز کے متعلق اس کو دیکھے بغیر جو رائے قائم کرتا ہے اس کو ظن کہتے ہیں۔<sup>(۲۳۳)</sup> اس طرح کی رائے پر بالعموم چونکہ یقین نہیں ہوا کرتا اس وجہ سے ظن کا لفظ کچھ شک کے ہم معنی سا بن گیا ہے۔ چنانچہ عربی زبان اور قرآن مجید میں یہ لفظ اس معنی میں بہت استعمال ہوا ہے۔ طرف کا مشہور شعر ہے:

واعلم علمالیس بالظن انه اذ ذل مولی المرء فهو ذليل<sup>(۲۳۴)</sup>

(میں ایک بات جانتا ہوں جو مغض غمان نہیں ہے کہ جب آدمی کا چیازاد بھائی ذلیل ہو جائے تو وہ خود بھی ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے)

اسی طرح قرآن مجید میں ہے ان نظن الا ظناً و ما نحن بمستيقنین (المجادیۃ ۳۲) (ہم مغض ایک گمان کر رہے ہیں اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں) لیکن ایک بن دیکھی چیز کے متعلق جو رائے قائم کی جاتی ہے ضروری نہیں کہ وہ

\* ‘ظن’ الہی عرب اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ جس بات کے حق میں کوئی دلیل نہ ہو وہ علم نہیں بلکہ ظن ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ ایک شاعر نے تعلف اور علم کے اس فرق کی طرف پوں اشارہ کیا ہے:

واعلم علمالیس بالظن انه

(اور میں ایک علم پرمنی بات جانتا ہوں جو ظن نہیں کر.....) (۶۷/۸)

‘ظن’، ‘علم’، ‘یقین’ اور ‘حق’ تینوں کے ضد کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے۔ (۵۰/۳)

مُحکَم ہی ہو۔ با اوقات یہ رائے یقین پر منی ہوتی ہے لیکن ظن کا لفظ اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ ظن کا یہ استعمال اس کے عام معنی کے لحاظ سے ہوتا ہے، اس میں شک کا مفہوم مضر نہیں ہوا۔ اوس بن جبر کا ایک شعر ہے:

اللامعى الذى يظن بـك الظن    كان قد رأى وقد سمعا (۳۳۱)

(وہ ذہین کہ اگر تمہارے بارے میں کوئی گمان بھی کرے تو معلوم ہوتا ہے دیکھ کر اور سن کر کرتا ہے)

درید بن صمد کہتا ہے:

فقلت لهم ظنوا بالفی مدرج    سراتهم فی الفارسی المسرد (۳۳۲)

(میں نے ان سے کہا کہ دو ہزار سلاح پوش سواروں کا یقین کرو جن کے سردار باریک کڑیوں کی زر ہیں پہنے ہوں گے) (۱۹۳/۱)

### ظہار:

‘ظہار’ عرب جاہلیت کی ایک اصطلاح ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہہ بیٹھتا کہ ‘انتِ علیٰ كظہرِ اُنتی’ (اب تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہے) تو اس کی بیوی اس کے اوپر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ اسی لفظ ‘ظہر’ سے جس کے معنی پیٹھ کے ہیں ‘ظہار’ کی اصطلاح پیدا ہو گئی۔ لیکن اس کا اطلاق انہیں الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کوئی شخص اپنی بیوی کے کسی اور حصہ جسم کو بھی، بارادہ تحریم، اپنی محرامت میں سے کسی سے مشابہ قرار دے دے تو اس کا حکم بھی ظہار ہی کا ہو گا۔ عرب جاہلیت میں یہ صورت ایک طلاق مغلظت کی تھی جس کے بعد کسی شخص کے لیے اپنی بیوی سے مراجعت کی

۱۲۹  
کوئی شکل باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ (۱۸۷/۲)

**ظاہر:** 'ظاہر' کے معنی تعاون اور گھٹ جوڑ کے ہیں۔ (۶۸۷/۵)

**ظہیر:** 'ظہیر' کے معنی رد و گار کے ہیں اور جب اس کے ساتھ 'علیٰ' آئے تو اس کے اندر حریف اور مقابل کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲۷۹/۵)

**ظہری:** 'ظہری'، معنی وہ چیز جو پیچے ڈال کر فرموش کر دی جائے۔ (۱۶۳/۳)

**ظہور:**

'ظہور'، اگرچہ کشتوں کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے، اس کی واضح مناسبت محوڑوں یا سواری کے دوسرے جانوروں ہی کے ساتھ ہے، لیکن یہاں<sup>(۳۷۸)</sup> یہ لفظ علیٰ سبیل التغلیب استعمال ہوا ہے۔ اس طرح کا استعمال عربی میں معروف ہے۔ (۲۱۲/۷)

**عبدادہ:**

عبدادت کے اصلی معنی عربی لفظ میں انتہائی خضوع اور انتہائی عاجزی و فردتی کے اظہار کے ہیں۔ (۲۲۹) لیکن قرآن میں یہ لفظ اس خضوع و خشوع کی تعبیر کے لیے خاص ہو گیا ہے جو بندہ اپنے خالق و مالک کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ پھر اطاعت کا مفہوم بھی اس لفظ کے لوازم میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ یہ بات بالباہت غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس ذات کو اپنے انتہائی خضوع و خشوع کا واحد مستحق سمجھے زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت کو لازم نہ جانے۔ چنانچہ عبادت کی اس حقیقت کو قرآن مجید نے بعض جگہ کھول بھی دیا ہے مثلاً:

إنا انزلنا اليك الكتاب بالحق فاعبد هم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے حق  
الله مخلصاً له الدين ۵ (الزمر ۲) کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اسی کے لیے  
اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔

عبدات کے ساتھ اطاعت کا یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ بعض جگہ یہ لفظ صاف صاف  
اطاعت کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہو گیا ہے مثلاً:  
ان لا تبُدُوا الشَّيْطَنَ وَإِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ كہ شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا  
کھلا ہوا شرمن ہے۔ (جلد ۱، ۵۰ مبین)

### عبرة:

‘عبرة’ کے معنی ایک حقیقت سے دوسری حقیقت تک پہنچ جانا ہے۔ یہی عبرت علم  
کی کلید ہے۔ جس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ان  
کے لیے ایک دروازہ کھل جائے تو اس کی روشنی میں دوسرے دروازے خود کھلتے جاتے ہیں۔  
جو لوگ اپنی اس صلاحیت کو مردہ کر دیتے ہیں، ان کے عقل و دل کی آنکھیں انہی ہو جاتی  
ہیں، وہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن ان کو سوچتا کچھ بھی نہیں۔ (۳۲۷/۲)

ان فی ذلک لعبرا لاولی الابصار، عبرت کے معنی یہ ایک حقیقت سے  
دوسری حقیقت تک عبور کر جانا۔ ایک صاحب بصیرت اور ایک بلید میں سب سے بڑا فرق  
یہی ہے کہ ایک اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھتا لیکن دوسرے کے لیے ایک معمولی سی نشانی،  
ایک اونی سی تنبیہ اور ایک سرسری سا اشارہ حقائق کا ایک دفتر کھول دیتا ہے۔ ایک دروازہ  
اس کے لیے کھل جائے تو دوسرے دروازے کھولنے کے لیے کلید ہاتھ آ جاتی ہے۔ ایسے  
لوگوں کو قرآن ”أولوا الابصار“ کہتا ہے کیوں کہ ان کی آنکھوں میں بصارت کے ساتھ

بصیرت کا نور بھی ہوتا ہے جو جزو میں کل اور قطرہ میں دجلہ کے مشاہدہ کی صلاحیت رکتا ہے۔ (۳۰/۲)

### عبوس:

یہاں آخرت کی صفت 'عبوس' اور 'قمعطیر' آئی۔ 'عبوس' کے معنی ترش رو اور رو کھے پھیکے کے ہیں۔ 'قمعطیر' اسی مضمون کی شدت کے انہمار کے لیے بطور تاکید آیا ہے۔ یعنی وہ دن ایسا کھڑا، اکل کھڑا اور ترش حراج ہو گا کہ اس میں کوئی بھی کسی کے کچھ کام آنے والا نہیں بنے گا۔ (۱۱۳/۹)

### عقبقروی:

'عقبقروی' نادر اور قبیق چیزوں کے لیے آتا ہے اور موقع و محل کی رعایت سے اس کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہو سکتا ہے۔ ہم نے محض موقع کی مناسبت سے یہاں (۳۰) اس کو نادر قلیوں کے معنی میں لیا ہے۔ (۱۳۹/۸)

**استعتاب:** 'استعتاب' کے معنی ہیں کسی کا کسی سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اس کی وجہ سے شکایت کو فتح کر کے اس کو راضی کرے۔ (۲۳۶/۳)

### عتعیق:

'تعیق' کے معنی اصل اور قدیم کے ہیں۔ 'بیت اللہ' کو 'تعیق' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ خدا کا اصل اور قدیم گھر یہی ہے نہ کہ بیت المقدس، جیسا کہ یہود دعویٰ کرتے ہیں۔ بیت المقدس اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا ہے۔ پھر اس کی تعمیر بھی اس طرح ہوئی

کہ اس کی اصل قربان گاہ کا رخ بیت اللہ ہی کی طرف تھا، اس لیے کہ تمام ذریت ابراہیم کا اصل قبلہ بیت اللہ ہی تھا۔ اگرچہ یہود نے ان تمام چیزوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اصل حقیقت کے شواہد تورات میں آج بھی موجود ہیں (۵/۲۲۵)

### **عُتْلَ:**

‘عُتْلَ’ کے معنی سخت دل اور بے مرمت کے ہیں۔ جو شخص بخیل ہو گا وہ لازماً سُنگ دل بھی ہو گا۔ (۸/۵۱۹)

### **عَتْقَ:**

‘عَتْقَ’ کے معنی گھمنڈاً اور نافرمانی کرنے کے ہیں۔ جب اس کا صدر ‘عَنْ’ کے ساتھ آئے تو اس کے اندر اعراض کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ (۷/۶۱)

### **عِتْقٰ:**

‘عِتْقٰ’ کے معنی ہیں کسی شے کا حد سے متجاوز ہو جانا، قابو اور اختیار سے باہر نکل جانا ’وَقَدْ بَلَغَتْ مِنَ الْكَبْرِ عِتْقًا‘<sup>(۳۳)</sup> یعنی اب میں بڑھا پے کی اس حد کو پہنچ چکا ہوں کہ مجھے اپنے اعضاء جوارج اور اعصاب پر قابو نہیں رہ گیا ہے۔ (۳/۶۳)

**عَشُورٌ: عَشْرًا وَ عَشْوَرًا عَلَى السَّرِّ** کے معنی ہیں وہ راز سے آگاہ ہوا۔ (۲/۵۰)

### **إِعْجَازٌ:**

‘اعجزه الصید’ کے معنی ہوں گے ’فاته و لم يقدر عليه‘ شکار قابو سے باہر نکل گیا۔ پکڑنا نہ جاسکا۔ (۳/۵۰۳)

**اعجزہ الشیٰ**: 'فاته ولم يقدر عليه'، 'اعجزہ الشیٰ' کے معنی ہوں گے کہ فلاں چیز اس کے قبضہ سے نکل گئی، وہ اس پر قابو نہ پاس کا۔ (۱۶۸/۳)

**عجور**: 'عجور' سے مراد حضرت لوٹ کی بیوی ہے جس کی ساری ہمدردیاں اپنی قوم کے ساتھ تھیں۔ (۵۳۹/۵)

**معاجزہ**: 'معاجزہ' کے معنی اس مسابقت کے ہیں جو کسی کو لکھت دینے کے لیے کی جائے۔ (۲۶۷/۵)

### اعجال:

'أَعْجِلُكَ' کے بعد 'عن'، اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں کوئی ایسا فعل مخدوف مانا جائے جو چھوڑ کر آنے کے مفہوم میں ہو۔ اس لیے کہ 'عن'، 'اعجلک' کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اور ہم عربیت کے اس اسلوب کی وضاحت جگہ جگہ کرتے آئے ہیں کہ جب فعل اور اس کے صدر میں مناسبت ظاہری نہ ہو تو وہاں وہ فعل کسی ایسے فعل پر حاضر ہوتا ہے جو اس صدر سے مناسبت رکھتا ہو۔

**عاجلة**: 'عاجلة' آخرت کا مقابل لفظ ہے یعنی یہ دنیا اور اس کا نفع عاجل۔

(۳۸۹/۳)

### عدل:

عدل کے معنی انصاف کے ہیں۔ فرمایا: ان تحکموا بالعدل<sup>(۳۳۳)</sup> (یہ کہ انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) پھر یہیں سے یہ لفظ مساوی اور برابر کے معنی میں استعمال ہوا۔ فرمایا: اون عذل ذلک صیاما<sup>(۳۳۴)</sup> (یا اس کے برابر روزے) نیز فدیہ کے معنی میں

استعمال ہوا کیوں کہ فدیہ جس کا فدیہ ہوتا ہے اس کے برابر سمجھا جاتا ہے۔<sup>(۲۰۹/۱)</sup>

**عدن:** کے معنی توطن اور اقامت کے ہیں۔<sup>(۲۰۵/۲)</sup>

## عدوان:

‘عدوان’ کے اصل معنی تو تعددی اور زیادتی کے ہیں لیکن یہاں یہ لفظ مجرداً قدام (Action) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں کبھی کبھی بعض الفاظ مخصوص جانتے وہم آہنگی کے لیے استعمال ہو جاتے ہیں۔ ان کا مفہوم موقع محل سے تعین ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں ڈنا ہم کما دانوا<sup>(۲۰۵)</sup> (ہم نے ان کو بدلہ دیا جیسا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا) ظاہر ہے کہ یہاں دانو احضن ‘دانہ’ کی مشابہت کی وجہ سے لا یا گیا ہے ورنہ موقع “ فعلوَا ” یا اس کے ہم معنی کسی لفظ کا ہے۔ یا قرآن میں ہے جزاء سَيِّئَةٌ سَيِّئَةٌ مثلہا<sup>(۲۰۶)</sup> (برائی کا بدلہ اسی کے ماتن بدلہ ہے) ہر شخص جانتا ہے کہ کسی برائی کا بدلہ کوئی برائی نہیں ہے لیکن مخصوص سابق لفظ کی ہم آہنگی کی وجہ سے جرم کے ساتھ اس کی سزا کو بھی سیکھ سے تعبیر کر دیا۔ اسی طرح آگے والی آیت میں ہے فمن اعْدَى عَلَيْكُمْ فَاعْدُوا علیه<sup>(۲۰۷)</sup> (جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کی زیادتی کے برابر اس کے خلاف قدام کرو) اس آیت میں کسی کی زیادتی کے جواب میں جو اقدام کیا جائے اس کو بھی “اعتداء” کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، حالانکہ یہ معنی میں مخصوص اقدام کے ہے۔ صرف اپنے سابق کے ساتھ ہم آہنگی کی وجہ سے اس شکل میں استعمال ہوا۔<sup>(۲۰۹/۱)</sup>

عدوان اور ظلم، کے الفاظ جب ایک ساتھ آئیں تو یہ گناہ کی دو اگلے الگ صورتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص زور دتی سے دوسرے کے جان یا

مال پر دست درازی کرے، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص دھاندی سے کسی کا حق واجب ادا نہ کرے بلکہ اس کو دبا بیٹھے۔ پہلی صورت عدوان کی ہے دوسری ظلم کی۔ اگر یہ الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کے مضمون پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ (۲۸۶/۲)

### عدو:

‘عدو’ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ ‘فول’ کے وزن پر ہے اور عربی میں یہ وزن دونوں کے لیے کیسا ہے بلکہ اس میں مذکرو متوثہ کا بھی امتیاز نہیں۔ (۳۲۳/۸)

### عادیات:

‘عادیات’ کے معنی کے معنی دوڑنے والے کے ہیں لیکن یہاں یہ نکلی گھوڑوں کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ (۵۰۰/۹)

### عذاباً (صعداً):

‘عذاباً صعداً’ کے معنی لوگوں نے عام طور پر، ‘عذاب شدید’ کے لیے ہیں لیکن لفظ ‘عد’ کا اصل مفہوم ترقی کرنا ہے۔ اس وجہ سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اپنی کتاب کی تکنذیب کی پاداش میں جن کو پہنچتا ہے ان کی سزا و قیمتی اور ہنگامی نہیں ہوتی بلکہ اس میں برابر ترقی ہی ہوتی رہتی ہے۔ اس دنیا میں جس عذاب سے وہ دوچار ہوتے ہیں اس سے بڑے عذاب سے ان کو آخرت میں سابقہ پیش آئے گا اور پھر آگے ان کے عذاب کی شدت میں ترقی ہی ہوتی رہے گی۔ اس کے ختم یا اس میں بالتدريج کمی ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ (۶۲۵/۸)

## محدو:

معدو، کے معنی ہیں جھوٹا اور بالکل بے سرو پا عذر رات تراشنے والا بہانہ باز جو ہر ذمہ داری سے بچنے کے لیے کوئی نہ کوئی عذر گھر لیتا ہو۔ 'معدو' اور 'معتذر' میں فرق ہے کہ 'معتذر' کا عذر جھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بعض حالات میں چا بھی، لیکن معدو کہتے ہی اس کو ہیں جو زرا بہانہ باز ہو۔ (۲۲۵/۳)

**اعتذار:** یہاں بتیں بنانے اور جھوٹے عذر تراشنے کے معنی میں ہے۔ (۲۲۷/۳)

## معاذیر:

'معاذیر' جمع ہے 'معدو' کی۔ یہ دراصل 'معاذر' ہے۔ اس میں 'ی' زیادہ ہو گئی ہے۔ جس طرح 'مناکیر' میں زیادہ ہو گئی ہے۔ اس کے معنی جھوٹے عذر رات اور لا طائل بہانوں کے ہیں۔ عربی میں مثل ہے 'الْمَعَاذِرُ' مکاذب، بعضوں نے اس کو 'معدار' کی جمع بتایا ہے جس کے معنی اہل یمن کی بولی میں پرده کے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ قرآن قریش کی تکسالی زبان میں نازل ہوا ہے، اہل یمن کی بولی میں نہیں اتنا ہے۔ (۸۲/۹)

**اعتراض:** 'اعتراض' کے معنی پہنچنے اور لاقن ہونے کے ہیں۔ (۱۳۹/۳)

## اعراب:

'اعراب' سے مراد اطراف مدینہ کے وہی دیہاتی لوگ ہیں۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے ہیں تو آپ کو اس طرح خطاب کرتے ہیں جس طرح کوئی شخص اپنے برابر کے آدمی کو خطاب کرتا ہے۔ اگر کبھی آپ سے ملنے آتے ہیں تو آتے ہی ان کی

خواہش ہوتی ہے کہ بلا تاخیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کریں۔ یہاں تک کہ اگر آپ گھر کے اندر تشریف فرماء ہوتے ہیں تو یہ انتظار کی زحمت اٹھانا گوارانہیں کرتے بلکہ گھر کے باہر ہی سے آپ کو نام لے کر پارنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے اس گنوار پن میں جہاں تربیت سے محرومی کو دخل تھا وہیں اس بات کو بھی دخل تھا کہ یہ لوگ اس وہم میں بتلا تھے کہ انہوں نے بغیر کسی جنگ و جدال کے اسلام میں داخل ہو کر آپ ﷺ کے اوپر احسان کیا ہے جس کا صدر ان کو یہ ملنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنا اور اسلام کا محسن سمجھیں اور ہر موقع پر ان کی ناز برداری فرمائیں۔ ان لوگوں کی اسی ذہنیت پر یہاں ضرب الگائی جا رہی ہے۔ (۵۱۹/۷)

**اعرابی:** کی جمع ہے۔ ‘اعراب’ مُکان البادیہ، یعنی بدھی اور دیہاتی عربوں کو کہتے ہیں۔

**غرب:** ‘عرب’ جمع ہے ‘عروب’ کی۔ اس کے معنی میں محبوب اور دل زبایوی۔ (۱۶۸/۸)

**عروج:** ‘تم یعرج الیہ’، یعنی تمام امور صادر بھی اسی کی طرف سے ہوتے ہیں اور پھر رجوع بھی اسی کی طرف ہوتے ہیں۔ ‘یعرج الیہ’ یہاں (Refer) ہونے کے مفہوم میں ہے۔ (۱۵۸/۶)

**عرجون:** ‘عرجون’، کھجور کی اس ٹہنی کو کہتے ہیں جس میں خوشے لگتے ہیں۔ یہ ٹہنیاں خشک ہونے کے بعد خمار ہو کر بالکل وہ شکل اختیار کر لیتی ہیں جو شکل آخری اور ابتدائی تاریخوں

میں چاند کی ہوتی ہے۔ (۳۲۶/۲)

**صرخہ: دیکھیں 'قانع'۔**

**عرش:** 'عرش' خدا کی حکومت کی تعبیر ہے۔ (۱۰۹/۳)

**معروشت (غیر معروشت):**

'معروشت' سے مراد انگور وغیرہ ہیں جن کی بیلیں ٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ غیر معروشت سے وہ چیزیں مراد ہیں ہیں جو ٹیوں کی هفتاج نہیں ہوتیں۔ انگور کی بیلیں کی مناسبت سے میراڑ، ان اس طرف جاتا ہے کہ 'غیر معروشت'،<sup>(۳۸)</sup> وہ بیلیں ہیں جو زمین ہی پر پھیلتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ مثلاً خربوزے، تربوزے، گلزاریاں، کھیرے وغیرہ۔ سورہ عبس میں 'عنب' اور 'قضب' دو چیزوں کو جمع کیا ہے۔ 'عنب' انگور کو کہتے ہیں اور 'قضب' ان سبزیوں کے لیے معروف ہے جو تازہ حالت میں کھائی جاتی ہیں۔ (۱۸۲/۳)

**عرضہ:**

'عرضہ' کے معنی ہدف اور نشانہ کے ہیں۔ اللہ کو قسموں کا ہدف بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نام پر بے ضرورت اور لا یعنی قسمیں یا ایسی قسمیں کھائی جائیں جو نیکی و تقویٰ اور مقصد اصلاح کے خلاف ہوں۔ خدا کے عظیم نام کو لا یعنی قسموں کے لیے استعمال کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص محمر مارنے کے لیے توپ داغنا پھرے اور نیکی اور تقویٰ کے خلاف قسموں کے لیے اس کے پاک نام کو استعمال کرنا گویا اسی کے نام سے نیکی اور تقویٰ کی جڑ کا نشانہ ہے جو تمام نیکی اور تمام خیر کا سرچشمہ ہے۔ (۵۲۹/۱)

**عرض:** 'عرض' یہاں<sup>(۳۹)</sup> قریبہ و نیل ہے کہ طول و عرض یعنی وسعت اور پہنائی کے

مفہوم میں ہے۔ (۲۲۲/۸)

### غُرْفَ:

لفظ 'غُرْفَ'، گھوڑے کی ایال کے بالوں کے لیے آتا ہے جو پیشانی پر لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس معنی کے لیے یہ ایک معروف لفظ ہے۔ امرۃ القیس کا مشہور شعر ہے:

نمش باعِرَافِ الجِيَادِ اكْفَنا  
اذا نحن قمنَا عَنْ شَوَاءِ مَضَبَّبٍ<sup>(۱۵۰)</sup>

(جب ہم شکار کا کپاپ کا گوشت کھا کر اٹھتے تو گھوڑوں کی ایال میں اپنے ہاتھ پوچھ لیتے)

گھوڑوں کی ایال پکڑ کر ان کو روکا بھی جاسکتا ہے اور اس کو چھوڑ کر ان کو جولانی کے لیے چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔ (۱۳۱/۹)

### اعراف:

'اعراف، غُرْفَ،' کی جمع ہے۔ 'عرف'، گھوڑے کی پیشانی کی چوٹی اور مرغ کی کلفی کو کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ کسی بینارہ یا بُرْجی یا دیباں کے لیے استعمال ہوا جو کسی اونچی دیوار یا پہاڑی پر بنایا جائے، جہاں سے تمام اطراف و جوانب کا بیک وقت مشاہدہ ہو سکے۔ قرآن کے اسلوب بیان سے واضح ہے کہ جنت و دوزخ کے درمیان جود دیوار کھڑی کی جائے گی یہ اعراف یعنی بینارے اور برجیاں اسی دیوار پر ہوں گے جہاں سے جنت و دوزخ کے تمام مناظر کا مشاہدہ ہو سکے گا۔ (۲۲۲/۳)

'اصحاب الاعراف،' کون لوگ ہوں گے؟ ابن حجر<sup>(۱۵۱)</sup> نے اس سوال کے جواب میں چار قول نقل کیے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں دونوں قول میں برابر برابر اتری ہوں گی، اس وجہ سے ان کا فیصلہ ابھی معلق ہو گا کہ دوزخ میں بھیجے جائیں یا جنت میں۔

دوسرا یہ کہ یہ علماء اور فقہاء کا گروہ ہو گا۔

تیسرا یہ کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں حصہ لیا ہوگا۔ چوتھا یہ کہ یہ ملائکہ ہوں گے۔

صحیح قول ہمارے نزدیک دوسرا ہے۔ ان جرینے یہ قول مجاهدگی طرف منسوب کیا ہے جن کا مرتبہ تفسیر میں معلوم معروف ہے۔ مجاهد نے علماء اور صلحاء سے مراد ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو لیا ہے جو دنیا میں حق و باطل کی تکمیل میں حق کے علم بردار، خیر کے دائی اور منکر سے روکنے والے رہے ہیں۔ جنہوں نے حق کی حمایت میں اہل باطل کے چرکے سے ہیں اور جو مظلوموں کی مدافعت میں سینہ پر ہو کر کھڑے ہوئے۔ ایسے علماء فقہاء یا بالفاظ احادیث میں اور رجال امت بلا شہمہ قیامت کے دن اس اعزاز کے سزاوار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اعراف کی بلندیوں سے جنت اور دوزخ دونوں کا مشابہہ کرائے تاکہ وہ حق و باطل دونوں کا آخری انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اپنی زبان سے رفتائے حق کو مبارک باد دیں اور دشمنان حق کو سرنیش کریں۔ (۲۶۷-۲۶۸)

### معروف:

‘قرآن مجید نے رواج یا اس کے ہم معنی کوئی دوسر الفاظ استعمال کرنے کے بجائے ‘معروف’ کا الفاظ جو استعمال کیا ہے اس سے بعض اہم حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

معروف کے معنی جانی پہچانی ہوئی بات کے ہیں۔ یعنی وہ بات جس کو عقل سليم قبول کرتی ہو، جو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو اور جو اچھے لوگوں میں رائج اور مقبول ہو۔ اس لفظ کے استعمال سے کسی سوسائٹی کے وہ دستور و رواج آپ سے خارج از بحث ہو گئے جن کو قبول کرنے سے عقل سليم انکار کرتی ہو، جو عدل و انصاف کے عام تقاضوں کے خلاف ہوں یا جو صرف انہی طبقات کے اندر پائی جاتے ہوں جو ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے گرے ہوئے ہوں۔

قرآن مجید میں جہاں معروف پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کے متعلق ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان سے مراد صرف اہلی عرب ہی کا معروف ہے یا کسی بھی قوم کا معروف اس سے مراد ہو سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک قرآن میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد تو درحقیقت عرب ہی کا معروف ہے، لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قرآن کی اولیٰ مخاطب عرب ہی کی سوسائٹی تھی۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ عرب کے سوا کسی اور قوم کے معروف کا اسلام میں کوئی وزن ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے مفسرین نے معروف کو عام رکھا ہے، اس کو کوئی معین قوم کے معروف کے ساتھ خاص نہیں کر دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

ای بما جرت به عادة	معروف سے مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی عورتوں کے
بارة میں جس معیار کے نام نفقة کا رواج ان کے ملکوں	امثالہن فی بلدهن من
میں رائج ہو اس معیار کے مطابق ان کے مصارف	غیر اسراف ولا افتخار
برداشت کیے جائیں، نہ اس میں اسراف ہونے تکنی، ساتھ	بحسب قدرتہ فی

یسارہ و توسطہ۔<sup>(۲۵۲)</sup> ہی مرد کی غربت و امارت یا اس کی متوسط الحالی کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ (اسلامی قانون کی تدوین، ص ۷۹-۸۰)

‘معروف’ کے لفظی معنی جانی پچھائی ہوئی چیز کے ہیں، یعنی جس کو عقل مانتی ہو، جو عدل پر پوری اُرتقی ہو، اچھے لوگ جسے پچانتے ہوں، سوسائٹی کے شریفوں میں جس کا چلن اور رواج ہو۔ یہ معروف بہت سے معاملات میں اسلامی قانون کا درجہ رکھتا ہے اور اس حیثیت سے قرآن میں اس کا جگہ جگہ حوالہ آیا ہے۔ (ار ۳۹۶)

یعنی ان کے ساتھ اس طرح کا برداشت کرو جو شریفوں کے شایان شان، عقل و فطرت کے مطابق، رحم و مروت اور عدل و النصف پر مبنی ہو۔ (۲۶۹/۲)

### عمر:

‘عمر’ کے معنی بعض اہل لغت نے زور دار بارش کے لکھے ہیں اور بعض نے اس کو ‘غرمہ’ کی جم جاتی ہے، جو تباہ تہ اکٹھا کیے ہوئے پھر دوں کے لیے آتا ہے۔ پھر بہتیں سے یہ اس سدیا بند کے لیے بھی استعمال ہونے لگا جو کسی وادی کے درمیان پانی کو روکنے کے لیے بنایا جائے۔ اقرب الموارد میں ہے ’سد یعترض به الوادی‘<sup>(۲۵۳)</sup> (وہ بند جو وادی کے نیچ میں بنایا جائے) جس طرح ہمارے منگلا اور تریلاڑیمیں ہیں۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا ایک کمی میں لباقر چڑاڑیم اہل سما کا بھی تھا جوان کو سیلاپ کے خطرات سے محفوظ بھی کئے ہوئے تھا اور آب پاشی کے لیے بھی بقدر ضرورت اس سے ان کو پانی حاصل ہوتا تھا۔ تاریخوں میں اس کا ذکر سدِ مارب کے نام سے آتا ہے۔ ‘مارب’ سما کا دارالسلطنت تھا۔ یہ بند غالباً ۵۲۲ء میں ٹوٹا اور اس کے نوٹنے سے سارا ملک تباہ ہو گیا۔

## عزیزؑ

‘عزیزؑ’ کا نام تورات میں ‘عزرا’ آیا ہے۔ ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ بخت نصر کے ہاتھوں یہود پر جوتا ہی آئی اس میں تورات کے صحیفے بھی بالکل ناپید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی عزرا ہیں جنہوں نے اپنی یادداشت سے ازسر نو تورات کو مرتب کیا۔ عجب نہیں کہ ان کے اسی کارناٹے کی بنابری یہود نے ان کو ابن اللہ بنادیا ہو تاکہ اس دھونس سے ان کی مرتب کی ہوئی تورات کو درجہ استناد حاصل ہو سکے اور اگر کوئی اس پر شہہ وار دکرے تو اس کو یہ جواب دے کر چپ کیا جائے کہ یہ وہی تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، اس کی گم شدگی کے بعد اللہ نے اپنے بیٹے عزرا کے ذریعے سے اس کو ازسر نو مرتب کرایا ہے۔ (۵۱/۳)

## عزیزؑ

‘عزیزؑ’ کے معنی غالب اور مقتدر کے ہیں۔ یہ لفظ بادشاہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اونچے درجہ کے با اختیار و با اقتدار افسروں اور عہدہ داروں کے لیے بھی۔ (۲۰۸/۳)

‘عزیزؑ’ کے دوسرے معنی ‘منبع’ کے ہیں۔ ‘منبع’ اس چیز کو کہتے ہیں جو دسترس سے بالاتر ہو۔ (۷۱/۱)

عزیزؑ کی صفت کے حوالہ سے دھیقوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک تو اس حقیقت کی طرف کہ خدا کوئی کمزور نہ توانا ہستی نہیں ہے بلکہ وہ غالب و توانا ہے تو جو اس کی تنبیہات کے باوجود شیطان کی پیروی کریں گے ان کو وہ اس عذاب میں ضرور پکڑے گا جو شیطان کے پیروؤں کے لیے اس نے مقدر کر رکھا ہے اور جس کی اس نے پہلے سے خبر کر رکھی ہے۔ دوسرا اس طرح کہ جو لوگ ان واضح ہدایات کے بعد بھی راوحۃ کو چھوڑ کر شیطان ہی کی

پیروی اختیار کریں گے وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ اپنا ہی بگاڑیں گے اس لیے کہ خدا عزیز ہے یعنی نفع و فضان سے بالاتر۔ (۲۹۹/۱)

### عزیز (و حکیم)؛

آیت کے خاتمه پر خدا کی دو صفتیں — عزیز و حکیم — کا حوالہ ہے۔ عزیز کے معنی غالب اور قوت والے کے ہیں۔ یعنی وہ ذات جو پوری قوت و صولات اور پورے اختیار و اقتدار کے ساتھ اس کائنات پر فرماز و ای کر رہی ہے۔ حکیم کے معنی ہیں جس کے ہر کام میں حکمت، مصلحت اور مقصد و غایت ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتیں کا حوالہ بالعلوم ایک ساتھ آتا ہے۔ اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر پوری قوت اور پورے غلبے کے ساتھ حادی اور متصرف ہے لیکن اس کے اس غلبہ و اقتدار کے معنی یہ نہیں ہے کہ وہ اس کے زور میں جو چاہے کرڈا لے، بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ (۳۳۲/۱)

### اعزَّة:

اعزَّة، عزیز کی جمع ہے۔ یہ لفظ بالکل 'ذلیل' کے مقابل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے معنی ہیں سخت، مشکل، بھاری، ناقابلی بحکمت، ناقابلی عبور، عسیر الانقیاد۔ اگر کسی چیز کے متعلق کہیں کہ ہو عزیز علی تو اس کے معنی ہوں گے وہ چیز مجھ پر بھاری اور مشکل ہے۔ اس کو رام کرنا اور قابو کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ یہی مفہوم 'شدید علی' کا بھی ہوتا ہے کسی جماں کا نہایت عدمہ شعر ہے۔

(۷۰۳) إذا المرء أعيته المروء فمطلبها كهلا عليه شديد

اگر اُنھی جوانی میں اولوالعزمی پیدا کرنے سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے تو  
اویزیرپن میں اس کا حاصل کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ (۵۳۶/۲)

**عزیز:** 'عزیز'، 'عزہ' کی جمع ہے۔ اس کے معنی گروہ اور موالی کے ہیں۔ (۵۷۷/۸)

### عَزَّى:

'عَزَّى' ظاہر ہے کہ 'عزیز' اور 'اعزٰ' کی مؤنث ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں 'عزیز' ایک نمایاں صفت ہے جو اس کی عزت و عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی پہلو سے اس دیوی کے لیے 'عَزَّى' کا نام اختیار کیا گیا۔ (۶۲/۸)

### عَسْسَى:

'عَسْسَى' کے معنی اہل افتخار نے تاریک ہو جانے کے بھی لکھے ہیں اور پچھے ہٹ جانے اور گزر جانے کے بھی۔ لیکن میں دوسرے معنی کو ترجیح دیتا ہوں۔ (۲۷۷/۹)

### عَسَىٰ:

'عَسَىٰ' کا الفظ اصلاً امید و رجا، توقع اور ظن غالب کے اظہار کے لیے آتا ہے لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے ساتھ آئے تو اس صورت میں امید و رجا کا تعلق اللہ تعالیٰ کے بجائے مخاطب یا متكلم سے ہو جائے با۔ مثلاً عَسَىٰ ربکم ان پر حمکم (الاسراء ۸) کا ترجمہ ہو گا، تم توقع رکو کہ اللہ تم پر حم فرمائے گا، عَسَىٰ الله ان یاتینی بهم جمیعاً (یوسف ۸۳) کا ترجمہ ہو گا، میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا۔ اسی طرح عَسَىٰ ان یعنیک ربک مقاماً محموداً، (۲۵۵) کا ترجمہ ہو گا، تم امید رکو کہ خدا تمہیں محموداً محساناً اٹھائے گا، اس توجیہ سے وہ شہر فتح ہو جاتا ہے جو عربیت سے نا آشنا

لوگ اخھاتے ہیں کہ خدا کے نزدیک تو ہر چیز معلوم و معین ہے تو اس کی طرف توقع اور ظن و گمان کی نسبت سے آتے ہیں تو ان میں بھی وہی مفہوم ہوتا ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔ (۵۳۱/۳)

یہاں <sup>(۵۴)</sup> لفظ عسیٰ استعمال ہوا ہے جو عربی میں صرف اظہار امید اور اظہار توقع کے لیے آتا ہے لیکن عربیت کے ادا شناس جانتے ہیں کہ اس طرح کے موقع میں، جیسا کہ یہاں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا وعدہ مضمون ہوتا ہے۔ (۲۷۰/۲)

### عشار:

‘عشار’ جمع ہے ‘عشراء’ کی۔ یہ لفظ اس اثنی کے لیے آتا ہے جو دس ماہ کی گا بھن یعنی پچھے جتنے کے قریب ہو۔ (۲۲۰/۹)

‘عشاء عن الشيء’ کے معنی کسی چیز سے اعراض کرنے کے آتے ہیں۔ انسان کے دل کی خصوصیت یہ ہے کہ جب تک خدا کی یاد سے آبادر ہتا ہے اس وقت تک تو شیطان کو اس میں راہ نہیں ملتی لیکن جب انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ شیطان اس کے دل پر قبضہ جاتا ہے اور جب وہ قبضہ جاتا ہے تو پھر اس کے چنگل سے نکلا آسان نہیں رہ جاتا۔ (۲۲۹/۷)

### (ب) العش (والبکار):

اس قسم کے دوسرے اسالیب، ہم دوسرے مقام پر واضح کرچکے ہیں کہ احاطہ کے مفہوم پر دلیل ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم بولتے ہیں صبح و شام، رات دن اللہ کو یاد رکھو۔ (۸۳۲)

## عصبۃ:

'عصبۃ' کے معنی گروہ، جنہوں اور جماعت کے ہیں، خاص طور پر وہ گروہ جس کے اندر خون کی عصیت بھی موجود ہے۔ بد و یانہ وزندگی میں، جب مختلف حکومتوں کا وجود نہیں تھا، حمایت و مدافعت کا تمام تر انحصار خاندان اور قبیلہ کی عصیت ہی پر ہوتا تھا۔ سب سے زیادہ باعزم اور با اثر وہ خاندان سمجھا جاتا۔ جس کے اندر حمایت اور مدافعت کے لئے اتنے والے نوجوان سب سے زیادہ ہوں۔ اسی خاندان کو قوم و قبیلہ کی سربراہی حاصل ہوتی اور وہی حکومت کرتا۔ (۱۹۶۳)

## عصر:

'عصر' کے معنی زمانہ کے ہیں۔ جس طرح لفظ دہر میں زمانہ کی مجموعیت کا اعتبار ہے اسی طرح لفظ 'عصر' میں اس کے گزرنے اور اس کی تیز روی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ اس کا غالب استعمال گزرے ہوئے زمانہ ہی پر ہوتا ہے۔ امر واقعیں کا مصرف ہے:

وَهُلْ يَنْعَمُ مِنْ كَانَ فِي الْعَصْرِ الْخَالِيِّ<sup>(۲۵۴)</sup>

(اور اب ان کے لیے کیا مبارکی ہے جو گزرے ہوئے زمانوں میں  
ہوئے)

عبد بن الایم نے کہا ہے:

فذاک عصر وقد ارانی يحملنى بازل شوب<sup>(۲۵۸)</sup>  
(وہ بھی زمانہ تھا جب میں اپنے کو دیکھتا کہ ایک جوان اور خوبصورت اوثقی پر  
سوار ہوں)

کلام عرب کی روشنی میں لفظ کی تحقیق بیان کرنے کے بعد مولانا خلاصہ بحث پیش کرتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ لفظ 'عصر' ایک طرف زمانہ گزشتہ کے احوال و واقعات یاد دلارہا ہے دوسری طرف اس کی خصوص صفت تیز روی اور برق رفتاری کی طرف بھی متوجہ کر رہا ہے۔ ان دونوں حقائقوں کی طرف اشارہ سے ہمارے سامنے دو اہم نتائج آتے ہیں۔ ایک یہ کہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے ان کے اعمال کے اعتبار سے نافذ ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ ہم کو زمانہ سے، جس کی سب سے فمایاں خصوصیت اس کی تیز روی اور برق رفتاری ہے، زیادہ سے زیادہ مستعدی سے فائدہ اٹھالیں چاہئے۔“ (۵۳۲/۹)

### عَصْرٌ:

”اعصر خمرا“ عربی زبان میں یہ اسلوب موجود ہے کہ بعض اوقت کسی شے کو اس کی غایت کے اعتبار سے تعبیر کرتے ہیں۔ انگور نجور نے کامقدام اگر اس سے شراب بنانا ہے تو اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ میں شراب نجور ہاںوں۔ (۲۱۷/۲)

### اعصار:

”اعصار“ کے معنی گردباد اور بگولے کے ہیں۔ اس کے ساتھ جس آگ کا ذکر ہے وہ ہماری معروف آگ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد سوم اور نو ہے جو بسا اوقات گردباد کے اندر پائی جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو باغ اس کی زد میں آتا ہے وہ بالکل جملہ کے رہ جاتا ہے۔ (۶۱۸/۱)

## عصف:

‘عصف’ کے معنی بگش اور انہ حادھنڈ چلنے کے ہیں۔ فرمایا ہے: ‘حتیٰ اذا  
کنتم فی الفلک و جرین بهم بریح طيبة و فرحاو بھا جانتها ریح عاصف  
و جانهم السوچ من کل مکان (یوس ۲۱:۱۰) (یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں  
ہوتے ہو اور وہ ان کو لے کر چلتی ہیں موافق ہوا کے ساتھ اور وہ اس سے  
خوش ہوتے ہیں دفعہ نمودار ہو جاتی ہے باوتدہ اور ان کو گھیر لیتی ہیں موجودین  
(ہر جانب سے) (۱۳۱۹)

## عضل:

عضل بعطل، کے معنی بھک کرنے، زج کرنے اور روکنے کے ہیں۔  
(۲۶۹/۲)

‘عضل’ کے معنی رکاوٹ پیدا کرنے اور اڑ لگنے کے ہیں (۵۳۳/۱)

**عضون:** ‘عصہ’ کی جمع ہے جس کے معنی فرقہ، ہمکارے اور اجزاء کے ہیں۔  
(۳۷۹/۲)

**تعاطی:** ‘تعاطی’ کے معنی بیجوں پر کھڑے ہو کر کسی کام کے لیے اقدام کرنے کے  
ہیں۔ (۱۰۶/۸)

## عفریت:

‘عفریت’ کے معنی کارواں، شاطر اور چالاک کے ہیں اور ساتھ ہی اس کے اندر  
مکڑے، زور آور لیڈر ہونے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اس وجہ سے میں نے اس کا ترجمہ

سرہنگ کیا ہے۔ (۲۰۳/۵)

### عفو:

‘اعف عننا، واغفر لنا، وارحمنا’ اس میں اکٹھی تین چیزوں کی درخواست ہے۔ عفو، مغفرت اور رحم۔ عفو کے معنی چشم پوشی کے بھی ہیں اور معاف کرنے کے بھی۔ یہاں لفظ دوسرے معنی میں ہے۔ غفر کے معنی ڈھانک دینے کے ہیں، رحم کا مفہوم واضح ہے۔ بندے کا سارا اعتماد بس انہی تینوں چیزوں پر ہونا چاہئے۔ رب کریم کوتا ہیوں سے درگزر فرمائے، گناہوں کو ڈھانک دے اور اپنی رحمت سے نوازے۔ آخرت کا سارا سہارا بس یہی تین چیزیں ہیں۔ (۲۵۲/۱)

عفو و صفح سے مراد دل سے معاف کرنا نہیں بلکہ مجرم درگزر کرنا ہے۔ عفو کے اس معنی کے لیے نظر آیت ۱۵ کے اس مکملے میں بھی ہے جو اپر ہم نے نقل کیا ہے۔

(۲۶۰/۲)

### عقبہ:

عفا الشنی، کثرو طال۔ فلاں چیز خوب بڑھی، خوب ابھی۔ ‘عفت الارض، غطاهما النبات، زمین بزراہ اور نباتات سے ڈھک گئی۔ (۳۱۷/۳)

### عقب:

‘عقب’ کے معنی ایڑی کے ہیں انقلب علی عقبیہ پیٹھ پیچھے پھرنا کی تعبیر ہے۔ اس سے مراد اسلام کو چھوڑ کر پھر جاہلیت کی طرف مژجانا ہے۔ (۱۸۱/۲)

عقبۃ: ‘عقبۃ’ کے معنی گھاٹی۔ (۳۷۵/۹)

## عاقبة:

‘عاقبة’ کا لفظ یوں تو انجام کے معنی میں معروف ہے ہی خواہ یہ کہ انجام ہو یا بد لیکن بعض اوقات یہ مخصوص طور پر انجام خیر و فلاح ہی کے معنی میں آتا ہے۔ یہ گویا لفظ کا استعمال اس کے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے ہوتا ہے اس لیے کہ قابل ذکر انجام تو وہی ہے جو اس فلاح و سعادت پر مشتمل ہو جو اصل غایت ہے اس کائنات کی تخلیق کی نہ کر نامرادی و خران کا انجام جو اس غایت سے اخراج کا لازم ہے۔ چنانچہ یہ لفظ فلاح و سعادت کے مفہوم میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے مثلاً فاصبر ان العاقبة للمنتقين<sup>(۲۹)</sup> (پس ثابت قدم رہو، عاقبت کار کی کامیابی اہل تقویٰ ہی کے لیے ہے) والعاقة للتقوی (ط ۱۳۳) (اور انجام کار کامیابی اہل تقویٰ کے لیے ہے) (۱۶۹/۳)

## عقد:

عقد کا لفظ عہد و بیثاق کے الفاظ کے مقابل میں عام ہے۔ اس میں قول قرار، قسم اور کسی معاملے میں گواہی کی ذمہ داری سے لے کر اس عہد و بیثاق تک، جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ہوا ہے، سب آگیا۔ (۳۵۲/۲)

## عقر:

لفظ ‘عقر’ اونٹ کی کونچیں کاٹ دینے کے لیے آتا ہے۔ کونچیں کاٹ دینے کے بعد اونٹ یا اونٹی کا زندہ رہنا ممکن ہو جاتا ہے۔ (۱۰۷/۸)

## تعقل:

‘تعقل’، ‘تذکر’ اور ‘تقویٰ’ میں بڑا گہرا معنوی ربط ہے۔ انسان جب اندر میں

تقلید کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر سمجھیگی سے ایک بات پر غور کرنے کا عزم کرتا ہے تو یہ 'تعقل' ہے۔ اس 'تعقل' سے وہ حقائق آشکارا ہوتے ہیں جو فطرت انسانی کے اندر ودیعت ہیں لیکن انسان کی غفلت کی وجہ سے ان پر دھول کا پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے، ان حقائق کا آشکارا ہونا 'تذکر' ہے۔ یہ تذکر انسان کی رہنمائی 'تقویٰ' کی منزل کی طرف کرتا ہے جو خلاصہ ہے تمام تعلیم و تزکیہ اور تمام قانون شریعت کا۔ (۲۰۲/۳)

**حقیم: دیکھیں ریح عقیم۔**

### عَاكِف:

عَاكِف، عکوف سے ہے جس کی اصل روح دوسری چیزوں سے صرف نظر کر کے کسی خاص چیز کو پکڑ لینا ہے۔ اسی سے اعتکاف ہے جو دھیان گیان اور ذکر و فکر کی عبادت ہے۔ بندہ ہر چیز سے کٹ کر اپنے رب کی یاد کے لیے گوشہ نشین ہو جائے، یہ اعتکاف ہے۔ اس کی صحیح شکل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت سے واضح فرمادی۔ جس طرح طواف محبت الہی کے جذبات ابھارنے کے لیے اپنے اندر ایک خاص صفت رکھتا ہے اسی طرح اعتکاف ذکر الہی پر عقل اور دل کو جمانے کے لیے اپنے اندر ایک خاص صفت رکھتا ہے۔ (۳۳۳/۱)

'عَاكِف' کے اصل معنی اپنے آپ کو کسی چیز سے روک لینے یا کسی چیز پر جمادی نے کے ہیں۔ اصطلاح دین میں اس سے مراد ہر چیز سے الگ ہو کر یادِ الہی کے لیے گوشہ نشین ہو جانا ہے۔ اسی چیز کو اعتکاف کہتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ سے واضح ہے کہ رمضان کے مہینے اور مسجد سے اس عبادت کو خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اعکاف سے تقصود چونکہ بتل الی اللہ ہے اور اس میں دل کی کامل یکسوئی مطلوب ہے، نیز مسجد کا قیام اس کے لوازم میں سے ہے اس وجہ سے اس کے دوران میں جو بیویوں سے زن و شوکا تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۲۵۹/۱)

**عَلْقَةٌ:** 'علقة' خون کی پھکلی کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹے جاندار کیڑے کو بھی۔ (۲۱۲/۵)

**علق:** 'علق' خون کی پھکلی یا حملے کو کہتے ہیں۔ (۲۵۲/۹)

### علم یغلمُ:

علم یغلم کے معنی جس طرح جان لینے اور معین کر لینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی ممتاز کر دینے، چھانٹ کر الگ کر دینے اور ظاہر کر دینے کے بھی ہیں۔ (۲۷۲) مثلاً ولبلونکم حتی نعلم المجاهدين منکم والصابرين (محمد ۳۱) (اور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں تمہارے اندر سے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں)۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منکم (آل عمران ۱۳۳) (کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تمہارے اندر سے ان لوگوں کو ظاہر نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا)۔ (۳۶۵/۱)

**علم:** 'العلمون' سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی فطری صفاتیں زندہ اور جوانپی عقل سے کام لیتے ہیں۔ (۵۰-۳۹/۶) (۵۳۳/۸)

### العلم:

"العلم" قرآن کی ایک اصطلاح ہے جس سے مراد وہ علم حقیقی ہوتا ہے جو بیویوں اور

رسولوں کے ذریعہ سے دنیا کو ملا ہے۔ اس علم کے حاملین نے ہر دور میں خدا کی توحید اور اس کے قائم بالقطع ہونے کی شہادت دی ہے یہ مصلحین و مجددین کے گروہ کی طرف اشارہ ہے جو ہر دور میں پیدا ہوئے ہیں اور جنہوں نے اللہ کے دین کو بدعات اور آمیزشوں سے پاک کر کے عقائد کو توحید خالص کی بنیاد پر اور شرائع و قوانین اور اعمال و اخلاق کو حق و عدل کی اساس پر استوار کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ (۲۹۷۲)

### عالیہ:

'عالیہ' اور 'دانیہ' کے مقابل پندرہ ہے کہ باغ تو بلند ہوں گے لیکن ان کے پھل اور خوشی، جو اصل مطلوب ہیں، وہ نہایت قریب ہوں گے۔ اہل عرب کے باغوں میں کنارے کنارے کجھوں کی قطاریں اور نیچے میں اماروں کے درخت اور انگوروں کی بیلیں ہوتی تھیں۔ ان کے لیے اس 'عالیہ' اور 'دانیہ' کے بھی میں کوئی زحمت نہیں تھی۔ یوں بھی باغ کا نمایاں حسن ہے کہ وہ بلندی پر ہوا اور اس کے خوشے سروں پر لٹک رہے اور دسترس کے اندر ہوں۔ (۵۳۸/۸)

### عِمَاد:

'عِمَاد' اور نیچے ستونوں کو کہتے ہیں۔ یہ ان کی تعمیری ترقیوں کی تعبیر کے لیے اسی طرح کا کنایہ ہے جس طرح سورہ سماں حضرت سلیمان علیہ السلام کے جودو کرم کی تعبیر 'جِفَانٌ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٌ رَاسِتَ' (سماں: ۲۲-۲۳) کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ (۲۵۲۹)

**عِمَد:** عمود کی بھی تجھ ہے اور عِمَاد کی بھی۔ (۲۷۱۳)

## عمارۃ:

‘عمر،’ ‘عمر’ مکان بنانے، کسی زمین کو آباد کرنے، کسی گھر کو بنانے اور اس کا انتظام کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ (۵۲۹/۳)

## (بیت) معمور:

ہمارا خیال یہ ہے کہ ’بیت معمور‘ سے مرادِ زمین ہے جس آسمان کی چھت پھیلی ہوئی ہے۔ اس خیال کی تائید میں کتنی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً

ایک یہ کہ زمین کے لیے بیت کا استعارہ نہایت موزوں ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ اس کو ’مهاد‘ اور ’قرار‘، وغیرہ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ نیز زمین کو فرش اور آسمان کو اس کو چھت سے مثال دے کر اس کے گھر ہونے کو نہایت خوبصورت طریقہ پر مثال کر دیا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کے بعد آسمان کا ذکر اس بات کا نہایت واضح قرینہ کے اس سے زمین علی مراد لی جائے۔ قرآن میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے زمین اور آسمان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا ہے۔

تیسرا یہ کہ قرآن میں جگہ جگہ اس حقیقت کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی پروردش کے لیے جو گونا گوں اسباب و وسائل مہیا فرمائے ہیں وہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہیں کہ انسان اس دنیا میں شتر بے مہمانیں ہے بلکہ وہ اپنے رب کے آگے جواب دہ ہے۔ لفظ ”معمور“ یہاں زمین کے انہی اسباب و وسائل اور اس کے لازمی نتیجی یعنی مسئولیت اور جواب دہی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

چوتھی یہ کہ سورہ۔ الدّاریات۔ میں فرمایا ہے کہ ”وفی الارض ایاث

للمؤمنين (۲۰) (اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کے لیے) نیز فرمایا ہے کہ 'وفی السماء رزقُكُمْ وَمَا تُوعِدُونَ (۲۲) (اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس سے تم کوڈ رایا جا رہا ہے) (۱۹/۸)

**استعماں:** 'استعمر'، 'استعمرہ فی المکان' کے معنی ہیں اس کو اس کی اصلاح و تعمیر و ترقی میں لگادیا۔ (۱۵۲/۳)

**عمیق:** دیکھیں 'فج'۔

**عمل:**

'والعاملین علیها' سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات کی وصولی اور ان کے حساب کتاب پر حکومت کی طرف سے مامور ہوں۔ ان کی تجوہ اپنی اور ان کے دفاتر کے مصارف بھی اس مدد سے ادا ہوں گے۔ (۵۹۱/۳)

**عاملۃ:** 'عاملۃ' کے معنی عننت سے نٹھال ہونے کے ہیں۔ (۳۲۹/۹)

**اعمى (بصیر):** کے الفاظ یہاں عقلی و اخلاقی اندھوں اور بیناؤں کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ (۲۷۹/۲)

'اعمى' یہاں عقل و دل کے اندھوں کے لیے استعمال ہوا ہے اور ' بصیر ' سے مراد وہ لوگ ہیں جو بصارت کے ساتھ بصیرت رکھنے والے اور اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے والے ہیں۔ (۵۸/۷)

**عننت:**

'عننت' کے معنی زحمت اور مشقت کے ہیں اور 'اعنات' کے معنی مشقت میں

ڈالنے کے ہیں۔ اس سے اسلامی شریعت کا مزاج معلوم ہوتا ہے کہ اس شریعت نے مشقت میں ڈالنے کی نہیں بلکہ مشقتوں سے بچانے کی راہیں کھوئی ہیں۔ (۵۱۸/۱)

‘عننت’ کے معنی زحمت اور مشقت کے ہیں۔ ‘لِعْنَتُهُمْ’ یعنی تم بڑی مشقت و مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اگر کوئی مریض طبیب کی صوابدید پر عمل کرنے کے بجائے چاہے کہ طبیب اس کے مشوروں پر عمل پیرا ہو تو ایسے مریض کا خطرے میں پڑ جانا ایک امر بدیکی ہے۔ (۲۹۳/۷)

عننت کے معنی مشقت، زحمت اور تکلیف کے ہیں۔ وَذَوَا مَا عَنْتُمْ یعنی تمہارے لیے وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تمہیں اس راہ میں ٹھوکریں پیش آئیں اور تم زحمتوں میں پھنسنو۔ (۱۶۵/۲)

**عنو:** عنو، کے معنی فروتنی اور عجز و تذلل کے اظہار کے ہیں (۹۳۵)

### عہد:

‘عہد’ سے مراد یوں تو پوری شریعت ہی ہے اس لیے کہ شریعت درحقیقت بندوں اور خدا کے درمیان ایک معابدہ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ معابدہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہوتا ہے کیون کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمان و زمین کا خالق وہ مس ہے کسی کی بھی یہ شان نہیں ہے کہ تمام آسمان و زمین کا بادشاہ اس سے کوئی معابرے کرے، اس کے باوجود اگر وہ کسی کے ساتھ معابرہ کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی طرف سے اس کو ایک بہت بڑا شرف بخشتا ہے۔ لیکن یہاں اس عام معابرہ کے ساتھ ساتھ اس خاص عہد کی طرف اشارہ ہے جو بنی اسرائیل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا تھا۔ اس عہد کا ذکر تورات

میں بھی ہے اور اس کی طرف قرآن میں بھی اشارات کیے گئے ہیں کتاب۔ کتاب استثنائیں ۱۹-۱۵ میں ہے:

”خداوند اتیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا..... میں ان کے لیے انہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ان پا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔“

قرآن مجید میں اس عهد کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ علیہ السلام نے بن اسرائیل کے لیے رحمت کی جو دعا کی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسُعْتِ كُلِّ شَيْءٍ طَ  
اوْ مِيرِي رَحْمَتْ هِرْ چِيزْ كُوشَلِيْ هِيْ، مِيْ اسْ كُو  
فَسَاكِتَهَا لِلَّذِينَ يَتَقَوَّنُونَ وَ يَؤْتُونَ  
لَكُھرَ كَھوُنَ گَا انَ لَوْگُوںَ كَے لَيْ جَوْ تَقُوَيْ اَخْتِيَارِ  
الزَّكُوَّةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِأَيْتَنَا يُؤْمِنُونَ  
كَرِيْنَ گَے، زَكُوَّةَ دِيَتِيَّتِيَّ رَھِيْنَ گَے اور جو ہماری  
آتِيَوْنَ پَر ایمان لاَئِیںَ گَے۔ یعنی جو چیزوںی  
کرتے ہیں رسول نبی امی کی جن کو لکھا ہوا  
پاتے ہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں۔ وہ  
ان کو حکم دیتے ہیں نیکی کا اور روکے ہیں مکر  
سے اور ان کے لیے جائز کرتے ہیں پاکیزہ  
چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر ناپاک چیزیں  
اور دفع کرتے ہیں ان پر سے بوجھا اور پھندوں  
عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالُ الَّتِي  
يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَا مِنِ  
الْمُنْكَرِ وَيُحَلِّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ  
وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِثَ وَيَضْعِفُ  
عَنْهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالُ الَّتِي

کانت عليه فالذين امنوا به و  
عَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ  
الذى أُنْزَلَ مَعَهُ اولِنِك هم  
المفلحون (الاعراف ۱۵۶) (۱۵۷-۱۷۸)

کو جوان پر تھے۔ پس جوان پر ایمان لائے اور جنہوں نے ان کی حمایت کی اور مدد و دی اور اس روشنی کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتاری گئی ہے تو وہی لوگ فلاں پانے والے ہیں۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بنی اسرائیل سے جو عہد اللہ تعالیٰ نے لیا تھا اس میں بنی اسرائیل پر کیا ذمہ داری ڈالی گئی تھی اور اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے صلے میں اللہ تعالیٰ کے طرف سے ان کے لیے کیا وعدے کیے گئے تھے۔ (۱۷۸-۱۷۷)

‘عہد’ میں وہ تمام عہدو بیثاق بھی داخل ہیں جو ہمارے رب نے ہماری فطرت سے عالم غیب میں لیے ہیں یا اپنے نبیوں کے واسطے سے اپنی شریعت کی شکل میں، اس دنیا میں، لیے ہیں۔ علی ہذا القیاس وہ تمام عہدو بیثاق بھی اس میں داخل ہیں جو ہم نے اپنی فطرت یا انبیاء کے واسطے سے اپنے رب سے کیے ہیں یا کسی جماعت یا فرد سے اس دنیا میں کیے ہیں، خواہ وہ قول اور تحریر اعمل میں آئے ہوں یا ہر شائستہ سوسائٹی میں بغیر کسی تحریر و اقرار کے، سمجھے اور مانے جاتے ہوں۔ (۲۹۹/۵)

عہد جب الٰٰ کے صلے کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی پر کوئی ذمہ داری ڈالنے یا اس کو کسی شرط کا پابند کرنے کے آتے ہیں مثلاً ولقد عهدنا الی آدم من قبل فنسی ولسم نجده لہ عزما (ط ۱۱۵) (اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک شرط کا پابند کیا تو وہ بھول بیٹھا اور ہم نے اس میں ارادہ کی مضبوطی نہیں پائی) الٰٰمَ أَعْهَدَ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ  
ان لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ (یس ۶۰) (کیا میں نے تم کو اس شرط کا پابند نہیں کیا تھا، اے

آدم کے بیٹوں، کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرو گے) (۳۲۲-۳۲۱)

### عہن:

‘عہن’، اس اون کو کہتے ہیں جو دھنک کر اور رنگ کر کا تنے کے لیے تیار کی جا چکی ہو۔ اس طرح کی اون کا ریشہ ریشہ الگ الگ ہوتا ہے اس وجہ سے یہاں اس کی تشبیہ استعمال ہوئی ہے۔ تشبیہ میں اصل مقصد اون کی پرا گندگی کو نمایاں کرتا ہے نہ کہ اس کے رنگ کو۔ (۵۱۲۹)

### عاد:

‘عاد’، ‘ارم’ ان کے ان اجداد میں سے ہیں جن سے ان کی عسکری اور تعمیری ترقیوں کا آغاز ہوا۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو ارم بن سام بن نوح سے چلی۔ (۳۵۲۹)

عاد عرب کی قدیم اقوام میں سے ہیں۔ ان کا تعلق سامی نسل سے ہے۔ ان کا مکن جنوبی عرب میں احباب کا علاقہ تھا۔ (۲۹۷/۳)

**عورۃ:** ‘عورۃ’ کے معنی غیر محفوظ کے ہیں۔ (۲۰۲/۶)

### معیشہ (ضنك):

‘معیشہ ضنك’، کے معنی بیک زندگی کے ہیں جو سکون و مہمانیت اور فراغ خاطر و شرح صدر کی نعمت سے محروم ہو۔ (۱۰۲/۵)

### معاشریش:

‘معاشریش’، سے اشارہ ان معاشری سہولتوں اور برکتوں کی طرف ہے جو ایک وادی

غیر ذی زرع میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور بیت اللہ کی برکت سے الٰل عرب کو عموماً اور  
قریش کو خصوصاً حاصل ہوئیں۔ قرآن میں ان برکتوں اور نعمتوں کا جگہ جگہ ذکر ہوا ہے اور ہم  
تفصیل کے ساتھ بقرہ میں ان کا حوالہ دے چکے ہیں (۲۹۳)۔ سورہ قصص میں بھی اس کی  
طرف اشارہ ہے۔ **أَوْلَمْ نُمْكِن لَهُمْ حَرْمًا أَمْنًا يَجْبَى إِلَيْهِ ثُمَّ رَأَتُ كُلَّ شَيْءٍ**  
(قصص ۵۷)

### عین:

'عین'، 'علی عینی'، ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ (۳۵/۳)

### معین:

'معین'، خالص پانی اور خالص پانی کے چشمہ کے لیے بھی قرآن میں آیا ہے اور  
شراب خالص کے ایک چشمہ کے لیے بھی جو جنت میں ہے۔ یہاں یہ اسی مفہوم میں  
ہے۔ (۱۶۳/۸)

### (یوم) التغابن:

'یوم التغابن' کا ترجمہ شاہ عبدالقدار رحمۃ اللہ علیہ نے ہماری جیت کا دن کیا ہے۔ یہ  
ترجمہ ہمارے نزدیک لفظ کی صحیح روح کے مطابق ہے۔ (۳۲۰/۸)

### غشاء:

'غشاء'، اگرچہ مکھن کے جھاگ اور سیلاں کے خس و خاشک کے لیے بھی آتا  
ہے (۲۹۳) لیکن اس سبزہ کے لیے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے  
سب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ استاذ امام فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی

کتاب 'سفرنامہ القرآن' میں اس کی تائید میں شعراءً جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ (۲۶۵) ہم بقدر اختصار صرف قطایمی کا ایک شعر، جو اس نے ایک وادی کی تعریف میں کہا ہے، پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

حلوا با خضر قد مالت سرا رته من ذی غناء علی الاعراض انضاد<sup>(۲۶۶)</sup>  
 (وہ ایک سربراہ و شاداب وادی میں اترے جس کے نج گھنے اور شاداب  
 سبزے اس کے کناروں پر باہم دگر گھنم کھنا اور ایک دوسرے پر تباہ  
 گرے ہوئے تھے)۔ (۳۱۵/۹)

**غداء:** 'غداء' کے معنی ناشتا اور نہاری کے ہیں (۶۰۵/۳)

## غدو:

'غدو' اور 'رواح' کے الفاظ صحیح و شام کی قید سے مجرد ہو کر صرف جانے اور آنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اذ غدوث من اهلك تبوئي المؤمنين مقاعد للقتال (آل عمران: ۱۲۱) (اور جب کہ تم نکلنے اپنے گھر سے مسلمانوں کو جنگ کے سورچوں میں مامور کرنے)۔ اسی طرح لفظ 'رواح' پر صاحب اقرب الموارد نے لکھا ہے کہ 'وقد يستعمل لمطلق المضى والذهاب' (یعنی لفظ مطلق آنے اور جانے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے) (۳۰۲/۶)

## غدو (و أصالاً):

عربی میں اس مفہوم میں بولے جاتے ہیں جس مفہوم میں ہم اپنی زبان میں صحیح و شام کے الفاظ بولتے ہیں۔ (۳۱۲/۵)

## غرا بیب:

'غرا بیب' جمع ہے 'غرا بیب' کی۔ اس کے معنی ہیں کالا بھنگ۔ یہ لفظ عام طور پر 'اسود' کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ مثلاً کہیں گے 'اسود غرا بیب' فلاں چیز کالا بھنگ۔ اس وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں یہ 'اسود' سے پہلے کیوں آیا تاکید کا مقدم آتا تو بлагاعت کے خلاف ہے؟ اس سوال کے جواب مختلف الی ادب نے مختلف دیے ہیں۔ بعض نے اس کو بدلتے مفہوم میں لیا ہے۔ جو وضاحت کے طور پر آیا ہے۔ اگر یہ تو جیہہ مان لی جائے تو یہ اس پہلو سے صحیح ہے کہ جو بدلتے مفہوم میں پھر فاعل طب تاکید ہی کے لیے آتا ہے۔ اس صورت میں تکلم گویا اپنی بات سادہ الفاظ میں پھر فاعل طب کے سامنے ڈھرنا ہے کہ اچھی طرح اس کے ذہن نہیں ہو جائے۔ یہاں سیاہ قسم کے پتھروں کی طرف اس وضاحت کے ساتھ توجہ دلانے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود یہ سمجھانا ہے کہ جس طرح پتھروں میں سیاہ پتھر ہوتے ہیں اسی طرح لوگوں کے اندر سیاہ قلب افراد ہوتے ہیں اور جس طرح سفید و سرخ اور سیاہ پتھروں کا الگ الگ مصرف ہے۔ اسی طرح سیاہ قلب افراد کا بھی ایک محل اور مصرف ہے جس کے لیے قدرت نے ان کو اس دنیا میں مہلت دی ہے۔ (۳۷۶/۲)

## غرا صہ:

'غرا صہ فی التجارة' کے معنی ہوتے ہیں فلاں نے اپنی تجارت میں گھانا اٹھایا۔ 'غرا صہ' اور 'غرا صہ، تاوان، نقصان اور جرمان' کو کہتے ہیں۔ 'غرا صہ' اس شخص کو کہیں گے جو اپنے کاروبار میں نقصان یا کسی اور سبب سے ایسے بار اور قرضے کے نیچے آگیا ہو کہ اس کے لیے تہاں اپنے ذرائع سے اپنے آپ کو سنبھالنا ناممکن ہو رہا ہو۔ ایسے اشخاص کے قرضے

اتارنے اور ان کو سہارا دینے پر بھی صدقات کی رقم صرف ہو سکتی ہے تاکہ وہ از سر نو مندرجہ کر معاشرے کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔ (۵۹۲/۳)

**غزیٰ:** 'غزیٰ. غاز' کی جمع ہے۔ (۲۰۶/۲)

**غسق (اللَّيْل):** اول شب کی تاریکی جب کوہ گاڑی ہو جائے۔ یہ نماز عشاء کا وقت ہے۔ (۵۳۰/۲)

### غاسق:

'غاسق' رات کو کہتے ہیں جب شفق غائب ہو جانے کے بعد اس کی تاریکی بڑھ جائے۔ 'وقب' کے معنی تاریکی چھا جانے کے ہیں۔ اہل لغت نے 'غاسق' کے معنی چاند کے بھی لکھے ہیں لیکن یہاں 'اذا وقب' کا قرینہ اشارہ کر رہا ہے کہ اس سے مراد رات ہی ہے۔ اس لیے کہ اس کی تاریکی جب بڑھتی ہے تو اپنے دامن میں آفتیں لیے ہوئے بڑھتی ہے۔ (۲۶۱/۹)

**غسلیں:** 'غسلیں' ناپاک اور گندی چیزوں کے غسالہ (دھوون) کو کہتے ہیں۔

(۵۵۰/۸)

### غضب:

مغضوب (علیہم) سے مراد و قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کی نعمت نازل فرمائی لیکن انہوں نے اپنی سرکشی کے سبب سے نہ صرف یہ کہ اس کو قبول نہیں کیا بلکہ اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور جن لوگوں نے اس کو ان کے سامنے پیش کیا ان کی بخ کرنی قتل کے درپے ہوئے جس کی پاداش میں ان پر خدا کا

## غضب نازل ہوا اور وہ ہلاک کر دیے گئے۔

دوسرے وہ لوگ جنہوں نے قبول تو کیا لیکن دل کی آمادگی کے ساتھ نہیں قبول کیا بلکہ مارے باندھے قبول کیا، پھر بہت جلد شہواتِ نفس میں پڑ کر انہوں نے اس کے کچھ حصے کو ضائع کر دیا، کچھ حصہ میں کتریونٹ کر کے اس کو اپنی خواہشات کے مطابق بنالیا اور جن لوگوں نے ان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی یا ان کو صحیح راستہ پر لاانا چاہا انہوں نے ان میں سے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر دیا۔ کچھ امتون میں اس کی سب سے واضح مثال یہود ہیں۔ چنانچہ ان کے معتوب و مغضوب ہونے کا ذکر قرآن میں تصریح کے ساتھ ہوا بھی ہے۔ مثلاً:

من لعنة الله وغضبه عليه وجعلَ منْهُمْ جنٌ پر الشَّفَاعة لعنتَكِ اور جن پاس کا غضب ہو۔  
القردة والغنايم (المائدہ ۲۰) اور جن کے اندر سے اسے بندرا و خزیر بنائے۔  
و ضربت عليهم الذلة والمسكنة اور ان کے اوپر ذلت و مسکنت تھوپ دی گئی اور  
وباء و بغضب منَ الله (البقرہ ۲۱) وہ خدا کا غضب لے کر پڑے۔ (۲۰/۱)

## مغفرة:

'یغفر لكم' میں حرف 'من'، کو بعض لوگوں نے زائد قرار دیا ہے اور بعض لوگوں نے اس کو 'عن'، کے معنی میں لیا ہے لیکن یہ دونوں رائیں عربیت کے خلاف ہیں۔ قرآن میں کوئی حرف بھی زائد نہیں ہے۔ اگر کہیں کوئی حرف بظاہر زائد نظر آتا ہے تو وہ بھی زبان کے معروف ضابطہ کے تحت کسی خلا کو بھرنے کے لیے آیا ہے۔ اس طرح کے حروف مخصوص ہیں۔ ہر حرف کو بغیر کسی سند کے زائد نہیں قرار دیا جا سکتا 'من' کے زائد آنے کی کوئی مثال قرآن یا مستند کلام میں موجود نہیں ہے۔

اسی طرح اس کو 'عَنْ' کے معنی میں لینا بھی ایک بالکل بے سند بات ہے۔ اذل تو اس کے 'عَنْ' کے معنی میں آنے کی کوئی قابل اعتماد مثال موجود نہیں ہے اور ہو بھی تو 'غُفران' کا صد 'عَنْ' کے ساتھ نہیں آتا۔ آپ دعا میں کہتے ہیں: 'رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا' یوں نہیں کہتے کہ 'اغْفِرْ لَنَا عَنْ ذُنُوبَنَا'۔ اگر یوں کہیں گے تو اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ تاویل کرنی پڑے گی کہ یہاں 'غُفران' لفظ 'صفح' یا اس کے ہم معنی کسی ایسے لفظ پر مخصوص ہے جس کا صد 'عَنْ' کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے بغیر 'غُفران' کے ساتھ 'عَنْ' کا استعمال عربیت کے خلاف ہو گا۔

میرے نزد یہ دلیل ہے کہ 'من' اپنے معروف معنی یعنی تعجیل ہی کے لیے آیا ہے۔ پوری بات گویا یوں ہے کہ 'يغفر لكم ما تقدم من ذنبكم' (اگر تم میری باقی مان لو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے وہ سارے گناہ معاف فرمادے گا جواب تک تم سے صادر ہونے ہیں)۔  
(۵۹۲۸)

**مغفرة:** ریکھیں 'عفو'۔

### استغفار:

'استغفار' کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے تضرع و ذاری کو وہ اپنے بندے کی کوتا ہیوں، گناہوں اور جرموں پر پردہ ڈالے۔ یہ تضرع اس حیا اور خوف کا نتیجہ ہے جو بندے کے دل میں اپنے پروردگار کے بے پایاں، احسانات و انعامات کے احساس اور اس کے عدل و انتقام کے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ وقت سحر کی قید گئی ہوئی ہے جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ وقت قبولیت استغفار کے لیے

سب سے زیادہ موزوں، ریا کی آنتوں سے سب سے زیادہ محفوظ، جمیع اور آیات الہی میں تکرر و تبرکے لیے سب سے زیادہ سازگار ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں ہی میں مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت ہوئی ہے اور یہ رب کریم کا عظیم احسان ہے کہ اس نے استغفار کی ہدایت کے ساتھ استغفار کی قبولیت کے لیے سب سے زیادہ سازگار وقت کا بھی خود ہی پتہ دے دیا۔ (۲۲۲)

**غضب:** 'غضب' اور 'رجس'، کے تعلق کے لیے دیکھیں 'رجس'،

**غافلات:** 'غافلات' سے مراد دنیا کے چھل فریب سے نا آشنا بھولی بھالی خواتین ہیں۔ (۳۸۹/۵)

**غلف:**

'قلوبنا غلف' یہ قول یہود کی طرف سے بطور ایک عذر لائب کے بھی ہو سکتا ہے اور بطور اظہار تکمیر کے بھی۔ پہلی صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہ باتیں (جو پیغمبر پیش کرتے ہیں) ہمارے دل میں تو کسی طرح اترتی نہیں۔ اگر یہ خدا کی طرف سے ہیں تو خدا کے اختیار میں تو سب کچھ ہے۔ آخر وہ ہمارے دلوں کو ان باتوں کے لیے کھول کیوں نہیں دیتا۔

دوسری صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمارے دل و دماغ اس قسم کی لائی فنی باتوں کے لینے نہیں بنے ہیں اس وجہ سے یہ کسی طرح بھی ہمارے دلوں میں نہیں دھنتی ہیں، اگر ان میں ذرا بھی معقولیت ہوتی تو معقول باتوں کے قبول کرنے کے معاملہ میں ہم سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید کے نظائر و شواہد ان دونوں ہی مفہوموں کی تائید میں موجود ہیں لیکن ہم یہاں دوسرے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اس قول کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ بَل لعنهِ اللہ بکفرهم (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سب سے ان لعنت کر دی ہے) اس سے واضح تائید اسی مفہوم کی نکلتی ہے۔ یعنی وہ تو اپنے گھمنڈ اور غرور کے سب سے یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی باتیں ہی ایسی ہیں جو کسی معقول آدمی کے دل میں نہیں اتر سکتیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے، یہ باتیں تو نہایت معقول اور نہایت دل نشین ہیں لیکن ان لوگوں کے کفر اور ان کی ضد اور بہت دھرمی کے سب سے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کر دی ہے اس وجہ سے اب ان کے اندر ان معقول باتوں کے قبول کرنے کے لیے کوئی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ (۲۷۰۹)

### غُلْبٌ:

‘غُلْبٌ’ جمع ہے ‘اغلب’ کی جس کے معنی موٹی گردن والے کے ہیں لیکن جب یہ باغ کی صفت کے طور پر آئے تو اس سے مقصود رختوں کی شادابی کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ باغ شاداب ہو گا تو لازماً رختوں کا گھیراؤ بڑھ جائے گا اور ان کے اوپر کے حصے باہم درگمل کر کھنے ہو جائیں گے۔ (۲۱۰۹)

### غُلُولٌ:

‘غل، یغُل، غُلُولٌ’ اس کے معنی خیانت، بد عہدی اور بے وفائی کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ دراصل لفظ نصّح، کا ضد ہے جس کے معنی خیرخواہی اور خیر سماں کے ہیں۔ اصحاب لغت میں سے زجاج نے ما کان النبی ان یغُل کی تشریع، جیسا کہ صاحب لسان العرب نے تصریح کی ہے،<sup>(۲۶۴)</sup> ما کان لنبیٰ ان یخون امته کے الفاظ سے کی ہے لفظ

غلن جو قرآن میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے، غش، عدوات، ففن (کینہ) حقد اور حسد کے معنی میں استعمال ہوا ہے (لا تحعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا) <sup>(۲۶۸)</sup> اس لفظ کو صرف مالی خیانت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں آئی۔ (۲۱۱/۲)

## غلوٰ:

'غلا، يغلو،' کے معنی بڑھنے، زیادہ ہونے، بتجاوز ہونے کے ہیں۔ جب یہ لفظ دین کے تعلق سے آئے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ دین میں جس چیز کا جو درجہ و مرتبہ یا جو وزن و مقام ہے اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے۔ جو چیز پاؤ سیر ہے وہ من بھر کر دی جائے، جو حکم صرف انتساب و اسخان کا درجہ رکھتا ہے اس کو فرض اور واجب کا درجہ دے دیا جائے، جو شخص ایک فقیہ یا مجتهد یا صحابی ہے اس کو امام معموم بنا دیا جائے، جس کو اللہ نے نبی اور رسول بنا یا اس کو شریک خدا یا خدا بنا دالا جائے، جس کی صرف تنظیم مطلوب ہے اس کی عبادت شروع کر دی جائے۔ یہ اور اس قبل کی ساری باتیں غلوں میں داخل ہیں اور جس طرح مذہب کے معاملات میں تفریط بہت بڑا جرم ہے، اسی طرح یہ افراط بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس سے مذہب کا وہ مزاج، جو سرتاسر اعتدال ہے، بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کی وہ خدائی ترکیب و تالیف جو اس کے اجزا کو حسن و جمال کا ایک دلاؤ بین پیکر بناتی ہے بالکل منسخ ہو جاتی ہے۔ (۳۲۵-۳۲۷/۲)

**غمرۃ:** 'غمرۃ' سے مراد یہاں <sup>(۲۶۹)</sup> غفلت کی سرستی ہے۔ (۳۲۶/۵) 'غمرۃ' سے مراد خواہشات نفس اور مطامع دنیا کی تاریکی ہے۔ (۵۸۵/۷)

## (غمّا) بغم:

'غمّا بغم'، میں 'ب'، تلبیس کے مفہوم میں ہے لہنی ایک غم تو نکست کا تھاںی،

اس کے ساتھ لپٹا ہوا ایک اور غم بھی سامنے آگیا۔ ہمارے نزدیک اس غم سے مراد وہ غم ہے جو اس دوران میں مسلمانوں کو کفار کی اڑائی ہوئی اس افواہ سے پہنچا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید کر دیے گئے۔ اس افواہ کا ذکر تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں بھی ہے اور قرآن کی اس آیت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے۔ (۱۹۳/۲)

**غَمَةٌ:** 'غمَةٌ' کی ڈھانک لینے والی چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن محاورہ کلام میں جب کہیں گے 'هُوَ فِي غَمَةٍ' تو اس کے معنی ہوں گے، وہ حیرانی اور تردید میں ہے۔ (۷۴/۲)

### غم (الشَّيْء):

'غم الشَّيْء' کے معنی ہیں 'فاز به و ناله بلا بدل، فلاں چیز بلا کسی عوض کے حاصل کر لی۔ اسی سے 'غَنِيمَةٌ' ہے جس سے مراد وہ مال و اسباب ہوتا ہے جو میدان جنگ میں کفار سے مسلمان مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔ میدان جنگ میں حاصل شدہ مال و اسباب کو 'غَنْل' یا 'غَنِيمَةٌ' کے الفاظ سے تعبیر کر کے قرآن نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ یہ جہاد و قتال کا کوئی محاوضہ نہیں ہے بلکہ ایک ضمی اور زائد فائدہ ہے جو ایک مجاہد کو حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد، اللہ کی راہ میں جو جہاد کرتا ہے وہ ایک فرض ادا کرتا ہے اور اس کا اجر اس کو اللہ کے ہاتھ ملتا ہے جو اس کی ابدی زندگی کے لیے محفوظ ہو گیا۔ رہی یہ چیزیں جو اسے سر را ہے حاصل ہو جاتی ہیں تو یہ زوائد ہیں۔ حاصل ہو جائیں تو غَنِيمَةٌ، نہ حاصل ہوں تو ان کی طمع نہ غم۔ (۳۸۰/۳)

**غناء:** 'اغناء عنہ' کے معنی ہیں 'کفاه'۔ (۳۲۱/۳)

**الغضى:** یعنی خدا اس بات سے مستثنی ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ (۶۸/۳)

## غوث

‘یغاث’ کا مطلب بعض لوگوں نے بارش بھی لیا ہے لیکن میرے نزدیک بارش اس کا لغوی مفہوم نہیں ہے البتہ اس کے لازم معنی کی حیثیت سے اس کو اس کے مفہوم میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ لفظ کو اس کے لغوی مفہوم میں لینے کا ایک کھلا ہوا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ہمہ گیر اثر کی پوری تصویر سامنے آ جاتی ہے کہ سارے ہی لوگ اس کے اثر سے چیخ اٹھیں گے اور ہر شخص اپنے رب کے آگے روئے اور گڑگڑائے گا۔ یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے کہ جب حقیقی معنوں میں کوئی سخت وقت آپڑتا تو، جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، کثرے کے کثر کافر و مشرک بھی اکیلے خدا ہی کو پکارتے ہیں، اپنے دوسرے فرضی دیویوں اور دیوتاؤں کو بھول جاتے ہیں۔ پھر یہ زمانہ قحط تو، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، پورا کا پورا الہ مصر نے حضرت یوسف کی رہنمائی میں گزارا ہے جس میں بادشاہ سے لے کر عوام تک سب ان کے گرویدہ، تابع فرمان اور معتقد رہے ہیں۔ (۲۲۳/۲)

**غور:** ‘غار الماء غوراً’ کے معنی ہیں پانی زمین میں نیچے اتر گیا۔ (۵۸۷/۳)

**غور:** دیکھیں ضلٰل۔

## غیب

غیب کا لفظ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل معنوں میں آیا ہے<sup>(۲۰)</sup>:

وَهُوَ جُوْهَارِيْ نَگَاہوں سے اوچل ہو: اس کا مدد مقابل لفظ شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ عالِمُ الغیب والشهادة ہے<sup>(۲۱)</sup>۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے بھی باخبر ہے جو ہماری نگاہوں سے اوچل ہیں اور ان چیزوں سے بھی باخبر ہے جو ہمارے سامنے ہیں۔

وَهُوَ الْجِزْءُ الْأَدْنِيُّ كَمَا كُوئَى ذُرْيَعَةً هُوَ: نَبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا  
زَبَانَ مِنْ قُرْآنٍ مُّنْقَلٍ هُوَ كَمَا كُنْتَ أَعْلَمُ بِالغَيْبِ لَا سُكْرَثُ مِنَ الْخَيْرِ  
(الاعراف ١٨٨) (اگر مجھے غیب کا پتہ ہوتا تو میں خیر میں بہت سا اضافہ کر لیتا۔)

وَهُجْكَ جَوَادِيَ كَسَانِنَهُ هُويَا وَهُسْتَ جَوْتَعِينَ نَهُ هُورَهِيَ هُوَ: ذَلِكَ مَنْ اَنْبَاءُ  
 الْغَيْبِ نُوحِيَهُ إِلَيْكَ وَمَا كَنْتَ لَدِيهِمْ اذَا اجْمَعُوا اَمْرَهُمْ (يوسف ١٠٢) (يَ)  
 غَيْبِ كَهُ دَاعَاتِ مِيْسَ سَهَّ بِهِ جَسَ كُوْهِمْ تَهَارِي طَرْفَ دَهِيَ كَرَهِيَهُ ہِیں اُور جَبَ وَهُ اپِنے  
 فَيْصَلَهُ پَرْ تَمَقَنَ ہُوَئَ تَوْمَانَ کَهُ پَاسَ مَوْجُونَهُ تَھَيَهُ۔

راز کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال عام ہے مثلاً نیک یہیوں کی تعریف میں آتا ہے۔ حفظت للغیب (وہ راز کی حفاظت کرنے والیاں ہیں)۔ (۸۹-۹۰)

٦٢

‘غیابہ’ کنوئیں کی تھے کو اور جب، کچے کنوئیں کو کہتے ہیں۔ صحرائی راستوں میں جن پر سے قافلہ گزرتے ہیں اس طرح کے کنوئیں ہوتے تھے جو عام حالات میں تو یوں ہی پڑتے رہتے لیکن کوئی قافلہ گزرتا تو ان پر رونق ہو جاتی۔ (۱۹۷۸ء)

**بغیر حساب:** دیکھیں 'حساب'۔

شیخ

‘غیض الماء’ یعنی جڑِ ہوا پانی اترگیا۔ غاض بعیض لازم اور متعددی دونوں آتا ہے۔ غاض الماء پانی اترگیا، غاض الماء پانی کو اتار دیا۔ یہاں متعددی استعمال ہوا سے۔ (۱۳۲/۳)

**تغصہ:** 'تغیظ' کے معنی غصہ سے بھرنے کے ہیں۔ (۳۵۲/۵)

## فتح (مبین):

‘فتح مبین’ سے یہاں <sup>(۲۲)</sup> مراد معاهدہ چدیبیہ ہے، اس کے سوا کسی اور فتح کو مراد لینے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس کو فتح مبین قرار دینے کے متعدد پہلو بالکل واضح ہیں۔

مثال:

ایک یہ کہ یہ پہلا موقع ہے کہ قریش نے علانیہ میں اللہ پر مسلمانوں کا حق تسلیم کیا اور یہ تسلیم کرنا بطور احسان نہیں بلکہ مسلمانوں سے دب کر ہوا۔ آگے آیت ۲۷ سے واضح ہو گا کہ اگر معاهدہ نہ ہوتا اور جنگ چھڑتی تو مسلمانوں کی فتح یقینی تھی۔ قریش نے صورت حال کا اچھی طرح اندازہ کر لیا تھا اس وجہ سے وہ معاهدہ کے دل سے خواہش مند تھے۔ البتہ اپنی ناک ذرا اونچی رکھنے کے لیے یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اسی سال عمرہ کر ہے پر اصرار نہ کریں بلکہ آئندہ سال آئیں۔ مسلمانوں کو اس بات پر راضی کرنے کے لیے انہوں نے بہت بڑی رشوت بھی دی کہ تین دن کے لیے وہ شہر بالکل خالی کر دیں گے تاکہ کسی تصادم کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔ قریش کی طرف سے یہ پیش کش کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

دوسرائی کہ قریش نے اس معاهدے کی رو سے مسلمانوں کو اپنے برابر کی ایک حریف قوت عرب میں تسلیم کر لیا۔ ان کی نظر میں مسلمانوں کی حیثیت اب با غیوں اور غذہ اروں کی نہیں تھی، جیسا کہ وہ علانیہ ان کے لیے یہ حق تسلیم کر لیا کہ عرب کے جو قبائل ان کے حلیف بننا چاہیں وہ ان کو اپنا حلیف بناسکتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ قریش نے مسلمانوں کی جنگی صلاحیت کا لوہا بھی اس حد تک مان لیا کہ خود اصرار کے معاهدے میں دس سال کے لیے جنگ بندی کی شرط رکھوائی۔

چوتھا یہ کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو جنگ کی

اجازت جو نہیں دی تو اس کی وجہ مسلمانوں کی کوئی کمزوری نہیں تھی بلکہ صرف یہ تھی کہ ملتہ میں بہت سے ظاہر اور مخفی مسلمان تھے جو وہاں سے ابھی بھرثت نہیں کر سکتے تھے۔ اندیشہ تھا کہ جنگ کی صورت میں ان کو خود مسلمانوں کے ہاتھوں نقصان پہنچ جائے گا۔

(۳۳۶/۷-۳۳۷/۷)

### فتح (قریب):

‘فتح قریب’ سے عام طور پر لوگوں نے ‘فتح خیر’ کو مراد لیا ہے لیکن میرے زندگی اس سے معابدہ حدیثیہ مراد ہے، سے ‘فتح میمن’ سے تعبیر فرمایا۔ (۳۶۸/۷)

### فترہ:

فترہ اس وقہ کو کہتے ہیں جو ایک چیز کے ظہور کے بعد اس کے ذریعے ظہور سے پہلے واقع ہوتا ہے۔ مثلاً باری کے بخار کے دھلوں کے درمیان جو وقہ ہوگا اس کو ‘فترہ’ کہیں گے۔ (۳۸۳/۲)

### فتق: دیکھیں ”رق“۔

### فتن:

‘فتک فتوна۔ فتن فتونا’ کے معنی جا پہنچنے اور پر کھنے کے ہیں۔ سنارونے کو کھالی میں ڈال کر اس کے کھوٹ کو جواگ کرتا ہے یہ لفظ اس کے لیے بھی آتا ہے۔ یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے ان امتحانات کے لیے استعمال کیا ہے جن میں اس نے حضرت موسیٰ کو ڈال کر اچھی طرح پر کھانا کر جس کا اِخاص کے لیے وہ ان کو منتخب فرمانا چاہتا ہے اس کے وہ پوری طرح الہ بن جائیں۔ مصر میں ان کی زندگی، جسی پُر محنتی اور وہاں سے جن پُر خطر حالات

میں وہ نکلے ہیں ان کا کچھ اندازہ تو اوپر کے اقتباس سے ہو ہی گیا، مدین جا کر، آٹھ یادس سال، وہاں کے پہاڑوں اور جنگلوں میں حضرت شعیب کی بکریاں چ رائیں۔ وہاں سے نکلے تو بھی راستہ ہی میں تھے کہ رسالت کا بار عظیم ان پر ڈالا گیا۔ اس کے بعد جوزہر گداز حالات پیش آئے وہ اعراف میں بھی آپ پڑھ آئے ہیں<sup>(۲۴۲)</sup>۔ غرض ولادت سے لے کر آخر لحہ زندگی تک امتحانوں ہی سے سابقہ رہا اور وہ بھی ایک سے ایک بڑھ کر۔

ان امتحانوں سے متعلق ایک حقیقت ہمیشہ محض رکھیے کہ یہ انسان کی تعلیم و تربیت کا لازمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کے ذریعے سے انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے اس وجہ سے یہ بجائے خود بھاگنے اور گھبرا نے کی چیز نہیں ہے۔ جو شخص ان سے گھبراتا اور بھاگتا ہے وہ گویا اپنی تربیت سے گھبراتا اور بھاگتا ہے۔ ذرنے اور گھبرا نے کی کوئی چیز ہے تو نہیں ہے کہ امتحان پیش آیا بلکہ یہ ہے کہ اس امتحان میں وہ نہیں ناکام نہ رہ جائے۔

یہ امتحانات صرف مشکلات و مصائب ہی کی راہ سے پیش نہیں آتے بلکہ انعامات و افضال کی شکل میں بھی پیش آتے ہیں۔ مصائب و مشکلات کے امتحانات میں اللہ تعالیٰ بندے کے صبر کی تربیت فرمانا چاہتا ہے اور انعامات و افضال کے امتحان میں اس کے شکر کو پروان چڑھانا چاہتا ہے۔ اور اسی صبر و شکر پر تمام اعلیٰ صفات انسانی کا انحصار ہے۔ انہی دونوں صفتوں کی تکمیل سے دنیا میں ”نفس مطمئنہ“<sup>(۲۴۳)</sup> کی بادشاہی حاصل ہوتی ہے اور پھر اسی کا شرہ وہ ابدی بادشاہی ہے جس کو قرآن نے ”راضیہ مرضیہ“<sup>(۲۴۵)</sup> کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حکمتِ قرآن کا ایک دیقیق مسئلہ یہ بھی ہے کہ صبر اور شکر کے امتحانوں میں زیادہ مشکل صبر کا امتحان ہے یا شکر کا؟ اس باب میں عارفین کی رائے مختلف ہے۔ میرا اپنا

رجحان، قرآن کی روشنی میں، یہ ہے کہ شکر کا امتحان زیادہ مشکل ہے۔ اس میں پاس ہونے والوں کا اوسط بہت کم ہے۔ مصائب میں حق پر ثابت قدم رہنے والے تو کچھ نکل آتے ہیں لیکن نعمت پا کر بینکے سے محفوظ رہنے والے بہت کم نکلتے ہیں۔ 'وقلیل من عبادی الشکور' (سبا۔ ۱۸) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ جتنے ہی اعلیٰ مراتب پر فائز فرمانا چاہتا ہے ان کے امتحانات بھی اتنے ہی زیادہ اور اتنے ہی سخت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرات انبیاء کرام کو جو امتحانات پیش آئے ہیں ان کی تفصیلات پڑھیے تو کیجئے من کو آتا ہے۔ ہم اور آپ تو ان کے برداشت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے!

ان امتحانوں کے معاملے میں اصل ڈرنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ امتحان پیش آئیں گے بلکہ ایک تو وہی چیز ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ انسان اس بات سے ڈرے کہ مبادا کسی امتحان میں وہ فیل ہو جائے اور دوسری بات، اس سے بھی زیادہ ڈرنے کی یہ ہے کہ مبادا وہ سرے سے امتحان ہی سے خارج کر دیا جائے اس لیے کہ سنتِ الٰہی یہ بھی ہے کہ جو شخص بار بار فیل ہی ہوتا رہتا ہے با اوقات اللہ تعالیٰ اس کو اپنے امتحان ہی سے محروم کر دیتا ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں اس کو 'امھال' کہتے ہیں اور یہ سخت ترین سزا ہے جو اس دنیا میں کسی فرد یا قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے لیے امید کے تماد دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ (۵۰۵-۵۱)

### مفتون:

'مفتون' کے معنی 'محجون' کے نہیں ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ 'مفتون' ہی کے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو دنیا اور شیطان کے جال میں پھنسا ہوا ہو۔ یہاں

‘مجنوں’ کے بجائے ‘مفتوون’ کا لفظ استعمال کر کے قرآن نے یہ رہنمائی دی ہے کہ جو لوگ دنیا اور شیطان کے چکر میں چھپنے ہوئے ہیں اصلیٰ مجنوں وہی ہوتے ہیں اور جس پارٹی کی باگ ایسے مفتونوں کے ہاتھ میں ہو وہ بالآخر جہنم میں گر کے رہتی ہے۔ (۵۱۵/۸)

**فتی:** ‘فتی’ کا ترجیح میں نے ‘خادم’ نوجوان یا لڑکے کے بجائے شاگرد کیا ہے۔ اس میں فی الجملہ ‘جوان ہونے کا مفہوم بھی آتا ہے۔ (۶۰۳/۳)

### فتیان:

‘فتیان’ یعنی دونوں جوان، قرآن میں یہ تصریح نہیں ہے کہ دونوں جوان کون تھے۔ تورات کی روایت باور کیجئے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا دوسرا ان پر۔ (۲۱۷/۳)

### فتیات:

‘فتیات’ لوٹیوں کے لیے استعمال کیا ہے اور مقصود اس لفظ کے استعمال سے معاشرے کے اندر ان کی عزت بڑھانا ہے۔ ‘فتله’، ‘فتی’ کی مؤنث ہے۔ جس طرح ‘فتی’ کے معنی جوان اور لڑکے ہیں اس طرح ‘فتله’ کے معنی لڑکی اور چھوکری کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی اپنے غلام کو ‘عبد’ اور اپنی لوٹی کو ‘آمة’ نہ کہے بلکہ ‘فتی’ (جوان) اور ‘فتاهہ’ (لڑکی) کہے۔ (۲۰۳/۵)

### فتح:

‘فتح’ پہاڑوں کے درمیان کے راستے کو کہتے ہیں اور ‘عُمیق’ اسی کی صفت ہے۔ پہاڑی راستے چونکہ تنگ ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ کثرت آمد و رفت سے گہرے ہو جاتے

(۲۲۲/۵) ہیں۔

**فجاج:** 'فج' کی جمع ہے۔ 'فج' دو پھاڑیوں کے درمیان کے شگاف کو کہتے ہیں۔

(۱۳۱/۵)

**فجر:** 'فجر' سے مراد وہ وقت ہے جب رات کی تار کی کاپر دہ چاک ہوتا اور دن کی روشنی مشرقی افق سے نمودار ہوتی ہے۔ (۳۲۶/۹)

**تفجير:** 'تفجير' کے معنی کسی چشمہ کی بہت سی شاخیں نکال نکال کر ان کے جال بچا رینا ہے۔ (۱۱۱/۹)

### فجوہ:

'فجوہ' دو چیزوں کے درمیان خلا، شگاف اور گوشہ کو کہتے ہیں۔ یہیں سے اس کا اطلاق مکان کے محن پر بھی ہوتا ہے۔ (۵۷۱/۳)

### فحشاء:

'فحشاء' سے وہ برائیاں مراد ہیں جو شہوات اور خواہشاتِ نفس کی راہ سے ابھری ہیں۔ غصب، انانیت، خودسری اور اخبار سے وجود میں آتا ہے اور طغیان و فساد اور بغض و جبر کو جنم دیتا ہے۔ (۱۷۷/۱)

'فحشاء' اور 'منکر' کے دلفظوں نے اخلاقی مفاسد کے تمام پہلوا پنے اند

\* فحشاء کے معنی کلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کے ہیں۔ قرآن میں اس سے زنا، لواط اور عربیانی وغیرہ جیسے کلمے جرام کو تعبیر کیا گیا۔ (۶۰۱/۶)

فحشاء کا لفظ کلی ہوئی بدکاری اور بے حیائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں اس سے زنا، لواط اور

سمیت لیے ہیں۔ بہت سی برا ایاں ایسی ہیں جو شہوانی جذبات کی بے اعتدالی یا ان کے انحراف سے وجود میں آتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ پورے معاشرے کو اس طرح بے حیا بنا دیتی ہیں کہ لوگوں کے اندر سے بے حیائی کا احساس ہی مٹ جاتا ہے۔ ماضی کی قوموں میں سے اس کی مثال کے طور پر قرآن نے قومِ لوط کا ذکر کیا ہے۔ حضرت لوط نے اپنی قوم کی بے حیائی کے لیے فاحشہ کا لفظ استعمال بھی فرمایا ہے۔ اس زمانے میں جدید فکر و فلسفہ اور نئی تہذیب کی برکت سے بے حیائی و غماشی کی جونت نئی شکلیں وجود میں آتی ہیں اور یہاں آرہی ہیں ان کے مقابل میں قومِ لوط کی بے حیائی بالکل گرد ہو کر رہ گئی ہے اور جن لوگوں کی نظر حالات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اب ہمارا معاشرہ بھی پوری طرح ان کے پیٹ میں اچکا ہے اور آہستہ آہستہ لوگوں کا غمیرا س طرح مردہ ہوتا جا رہا ہے کہ ہماری قوم کا بہت بڑا طبقہ، جو ہماری بدستی سے تعلیم یافت بھی کھلا تا ہے، ان بے حیائیوں کو بے حیائی سمجھنا تو در کنار ان کو تہذیب و ترقی کا لازمہ سمجھنے لگا ہے اور جو لوگ ان پر تقيید کرتے ہیں ان کو احمق اور دیقانوںی قرار دیتا ہے۔ (۵۲۶۶)

**فخار:** اس مٹی کو کہتے ہیں جو ٹیکرے کی طرح خشک ہو جائے۔ (۱۳۲۸)

**فرات:** دیکھیں ”مرج“۔

= نگے ہو کر طواف کرنے کی قسم کی برا بیوں کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔ جب سوہ اور فخاہ دونوں لفظ ایک ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو یہ نہ صرف تمام مچھوٹی بڑی برا بیوں کو اپنے اندر سمیت لیتے ہیں بلکہ ہر طرح کے مالی، جسمانی اور عقلی تقصیات و مصائب بھی ان کے تحت آ جاتے ہیں۔ (۳۰۱)

کھلی ہوئی بے حیائی اور بد کاری کو کہتے ہیں۔ مثلاً زنا اور لواط اور اس قبلی کی دوسروں برا ایاں۔ (۳۳۹۶۳)  
فاحشہ کھلی ہوئی بے حیائی اور بد کاری کو کہتے ہیں اور زنا کی تعبیر کے لیے یہ لفظ معروف ہے۔ (۲۶۲۷۲)

## فرش:

‘الفرش’ اس زمین کو بھی کہتے ہیں جہاں بنا تات کی کثرت ہو، اس کھنچتی کو بھی کہتے ہیں جو ابھی اپنے ڈھنڈلوں پر کھڑی نہ ہوئی ہو اور حیوانات کے تعلق سے یہ لفظ آئے تو اس سے مراد وہ چھوٹے جانور ہوتے ہیں جو سواری یا بار بردار کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ صرف ذبح یا دوسری ضروریات ہی کے لیے موزوں ہیں۔ مثلاً بھیڑ کریاں وغیر۔ (۱۸۶/۳) حمولہ اور فرش کے لیے دیکھیں ”حملہ“۔

**فرط:** ‘فرط’ کے معنی اسراف، ظلم اور حدود سے تجاوز کے ہیں۔ الامر الفرط وہ معاملہ جو حدود سے بالکل تجاوز ہو گیا ہو۔ (۵۸۱/۳)

افرط الشیء نسیہ و ترکہ، اس چیز کو بھلا دیا، چھوڑ دیا۔ (۲۲۱/۳)

**فرق:** فرق، یفرق، فرقہ کے معنی ڈرنے اور گھرانے کے ہیں۔ ‘فرقہ’ بزدل اور ڈرپک کو کہتے ہیں۔ (۵۸۹/۳)

## فرقان:

فرقان کے معنی ہیں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی چیز۔ قرآن مجید میں قرآن اور تورات دونوں کے لیے فرقان کی تجیر استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً: ولقد اتیانا موسیٰ و هارونَ الفُرْقَانَ (الفرقان ۳۸) (اور ہم نے مویٰ اور ہارون کو فرقان دی) اسی طرح قرآن مجید کے متعلق ہے: تبارکَ الذِّي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَيْهِ عَبْدُهِ (الفرقان ۱) (بڑی ہی بارکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان اتا را) ان کتابوں کو فرقان کے لفظ سے تغیر کرنے میں کئی پہلو مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ

تمام احکام و ہدایات کی تفصیل پیش کرتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ حق و باطل اور حرام و حلال کے درمیان امتیاز کرتی ہیں۔ تیسرا یہ کہ اپنے مدعاو مقصد میں بالکل واضح ہیں۔ چوتھا یہ کہ ان سے انسان کو وہ حکمت حاصل ہوتی ہے جو زندگی کے تمام نشیب و فراز میں خیر و شر کی شناخت کے لیے روشنی بخشتی ہے۔

قرآن نے معرکہ بدر کو بھی فرقان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس لیے کہ اس نے بھی حق و باطل کو اچھی طرح آشکارا کر دیا۔ (۲۱۲/۱ - ۲۱۳/۱)

فرقان، ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دے۔ یہ امتیاز پیدا کرنے والی شے داخلی بھی ہو سکتی ہے۔ خارجی بھی، علمی اور عقلی بھی، عملی اور واقعی بھی۔ (۳۶۵/۳)

‘فرقان’، ‘حق و باطل’ کے درمیان امتیاز کرنے والی کسوٹی کو کہتے ہیں (۱۵/۵ - ۱۵/۷)

### (یوم) الفرقان:

‘یوم الفرقان’ سے مراد غزوہ بدر کا دن ہے۔ ‘یوم النقی الجمعن’ کے الفاظ سے اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ (۳۸۲/۳)

استفسراز: ‘استفسراز’ کے معنی گھبرادینے اور پریشان کر دینے کے ہیں۔ (۵۲۰/۳)  
 ‘استفسراز’ کے معنی گھبرادینے، پریشان کر دینے اور اکھاڑ دینے کے ہیں۔ (۵۲۹/۳)

### فزع (اکبر):

‘فزع اکبر’ سے مراد وہ عظیم بھی اور گھبراہٹ ہے جو نقش صور کے بعد تمام کائنات میں برپا ہوگی اور جس کی ہولناک تصویر قرآن نے جگہ جگہ کھینچی ہے۔ (۱۹۲/۵)

## تفزیع:

‘تفزیع’ کے اصل معنی توڑ رادینے اور دہشت زدہ کر دینے کے ہیں لیکن جب اس کا صلہ عن کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی دہشت دور کر دینے کے ہو جاتے ہیں۔ فرزع عن قلوبہم کے معنی ہوں گے جب ان دلوں سے دہشت دور کر دی جائے گی۔

(۳۱۵/۲)

## افساد فی الارض:

یہ قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم اس نظام حق کو بگاڑنا یا اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکام و قوانین کی اطاعت پر منی ہوتا ہے اور جس کی دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آتے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظام تکوینی اس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی رب قدوہ قہار کا ارادہ کا رفرما ہے، اگر اس کے اندر کسی اور کا زور و اختیار بھی چلتا ہوتا تو یہ آن کے آن میں درہم برہم ہو کے رہ جاتا، اسی طرح اس کے نظامِ تشریعی کے اندر اگر کسی اور کی عبادت و اطاعت کے جواز یا داخل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اس کا مزاج بالکل ہی بگڑ کر رہ جاتا ہے اور یہ بگاڑ سارے نظامِ تمدن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ کوشش قرآن کے نزدیک فساد فی الارض کے حکم میں داخل ہے جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے اگرچہ یہ کوشش بظاہر اصلاح کے نیک ارادہ ہی کے ساتھ کیوں نہ کی جائے۔ (۱۱۹/۱)

افساد فی الارض، اور ‘اسراف فی الارض’ دونوں میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ زمین کا امن اور نظم اس قانون عد و قحط پر محصر ہے جو خدا نے اس کے لیے اتنا رہے۔ جس طرح کائنات کے نظامِ تکوینی میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو

سارا نظامِ کائنات درہم ہو جائے، اسی طرح اگر اس نظامِ تشریعی میں، جو اس کے خالق نے اس کے لیے پسند فرمایا ہے، کوئی خلل پیدا کر دیا جائے تو اس کا اجتماعی و معاشرتی اور سیاسی نظام درہم ہو جاتا ہے، پھر نہ تو نظامِ تکونی کے ساتھ اس کے نظامِ سیاسی کو ہم آہنگی ہی باقی رہ جاتی ہے اور نہ اس کے نظام اجتماعی و سیاسی میں ہی کوئی ربط رہ جاتا ہے۔ اسی صورت حال کو یہاں افساد اور اسراف سے تعبیر فرمایا ہے۔ (۵۰۳۲)

قرآن مجید کی اصطلاح میں فساد فی الارض کا مفہوم یہ ہے کہ زمین کا نظم و نت، اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مطابق چلانے کے بجائے اس کو من مانے طریقہ پر چلایا جائے، خدا کی شریعت کی نافرمانی کی جائے اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی جائے، زمین کے اصلی حکمرانوں کی مرضی نظر انداز کی جائے اور خود اپنی مرضی چلانی جائے۔ یہ چیز بجائے خود فساد فی الارض اور بغاوت ہے، عام اس سے کہ یہ دھینگا مشتی اور سرکشی کے ساتھ واقع ہو یا کسی فکر و فلسفہ کے تحت پر امن طریقہ پر۔ اس زمین کا اصلی حکمران اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کی حیثیت اس کے اندر اصل حکمران کی نہیں بلکہ اصل حکمران کے نائب کی ہے۔ اس وجہ سے اس زمین کے امن و عدل کا انعام اس چیز پر ہے کہ اس کے ہر گوشے میں خدا ہی کا قانون چلے۔ اگر اس کے کسی حصے میں بھی خدا کا قانون باقی نہیں رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس حصے میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور یہ چیز اس پوری زمین کے لیے ایک خطرہ ہے۔

خوبیزی فساد فی الارض کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جب خدا کا قانون عدل باقی نہیں رہے گا تو لازماً اس کی جگہ انسان کی اپنی خواہشات کی فرمانروائی ہو گی۔ اس چیز کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ کسی شخص کے بھی جان یا مال یا اس کی آبرو کے لیے کوئی ضمانت باقی نہیں رہے گی۔ کسی خاص خطہ زمین کے مدد میں بالفرض کوئی ایسا نظام بننا بھی لیں جس میں باہم و گرایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دیں تو اس سے وہ اپنے

لیے تو ایک تحفظ کی شکل پیدا کر لیں گے لیکن دوسروں کے لیے وہ بدستور خطرہ ہی بنے رہیں گے۔ (۱۵۸/۱)

### فسق:

فق کے اصل معنی خروج کے ہیں۔ یہاں سے یہ لفظ معروف سے منکرا اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے کے لیے استعمال ہوا۔ قرآن مجید میں ابلیس کے متعلق ہے : کان من العجن ففسق عن امر ربه (الکھف ۵۰) (وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی)۔

معروف سے منکرا اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں۔ منکر چھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بڑا بھی۔ اسی طرح نافرمانی معمولی درجہ کی بھی ہو سکتی ہے اور بغاوت کے درجہ کی بھی۔ چنانچہ قرآن میں یہ لفظ عام منکرات سے لے کر کفر و بغاوت تک سب کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ زیادہ تر اس کا استعمال ان بڑی نافرمانیوں ہی کے لیے ہوا ہے جن کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے قرآن میں اس لفظ کو اس ہلکے معنی میں ہر جگہ نہیں لینا چاہئے جس معنی میں اس کو عام طور پر ہمارے فقہاء اور متكلّمین نے لیا ہے۔ (۱۳۲/۱ - ۱۳۳/۱)

فسق کا اصلی مفہوم خدا کی نافرمانی ہے۔ نافرمانی چھوٹی بھی ہو سکتی ہے، بڑی بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بڑی سے بڑی نافرمانیوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ (۲۸۰/۱)

لفظ 'فسوق' کے ساتھ جو کلم کا لفظ آیا ہے اس میں 'ب' کا تعلق 'فسوق' کے ساتھ بعض لوگوں کو بیگانہ سامحسوس ہوگا۔ ایسے لوگوں کو عربی زبان کا یہ اسلوب یاد رکھنا چاہئے کہ جب صدر اور اس کے تعلق میں بیگانگی ہو تو وہاں کوئی ایسا لفظ محذوف مان لیتے ہیں جو اس

صلہ سے موافقت رکھنے والا ہو۔ یہاں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'فسوق' کے بعد کوئی لفظ لازم ہو جانے اور چپک جانے کے مفہوم میں مخدوف ہے۔ مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم نے فلاں بات کی تو یہ تمہاری طرف سے ایسے فسق کا ارتکاب ہو گا جو تمہارے ساتھ چپک کر رہ جائے گا، اس سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ (۱۴۰/۲)

قرآن میں یہ لفظ کھلی ہوئی تافرمانی، سرکشی، کفر اور شرک سب کی تعبیر کے لیے آیا ہے۔ (۲۵۷/۲)

**فاسق:** فاسق عہد شکن کے مفہوم میں ہے۔ (۲۲۱/۳)

### فشل:

فشل کے معنی ہتھ ہار دینے اور حوصلہ چھوڑ دینے کے ہیں۔ جنگ میں اصل اہمیت حوصلہ ہتھ کو حاصل ہے، اسلحہ اور دوسری چیزیں ثانویٰ حیثیت رکھتی ہیں۔ اس وجہ سے سب سے پہلے بعض جماعتوں کی اس کمزوری پر گرفت فرمائی۔ (۱۷۰/۲) فشل کے معنی ست پڑ جانے، ڈھیلے پڑ جانے اور کمزوری دکھانے کے ہیں۔ (۱۹۲/۲)

**فصل:** فصل فصولاً کے معنی کہیں سے چلنے، نکلنے اور روانہ ہونے کے ہیں۔

(۵۷۶/۱)

### فضل:

فضل اُمن ربکم (میں) فضلاً سے مراد تجارتی فائدہ ہے۔ اس قسم کے معاشی فوائد کے لیے قرآن میں دوسرے مقامات میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ خدا کے حدود کے اندر رہتے ہوئے اور اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے بندہ جو معاشی فتوحات حاصل کرتا ہے وہ سب فضل رب میں داخل ہے۔ (۳۸۲)

### افضاء:

‘افضی بعضکم الی بعض، افضی فلان الی فلان’ کے معنی ہیں۔ وصل الیہ و دخل فی حیزہ۔ اسی طرح ‘افضی الی فلان بسرہ’ کے معنی ہیں اس نے فلاں کے آگے اپنے سارے بھید بے نقاب کر دیئے، یہ میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کی نہایت جامع اور نہایت شاکستہ تعبیر ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے اس طرح بے نقاب ہو جاتے ہیں کہ ان کے ظاہر و باطن اور احساسات و جذبات کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو ایک دوسرے سے مخفی نہیں رہ جاتا۔ (۲۷۰/۲)

### انفطار:

‘انفطار’ کے معنی پھٹ جانے اور شق ہو جانے کے ہیں۔ ظہور قیامت کے وقت آسمان کے پھٹ جانے کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ سورہ انشقاق کی پہلی عی آیت میں یہی مضمون ‘اذا السماء انشقت،<sup>(۲۲۴)</sup>’ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ سورہ طہن کی آیت ۷۳ میں بھی لفظ ‘انشقاق’ استعمال ہوا ہے اور ‘انفطار و انشقاق’ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ (۲۳۹/۹)

**فقط:** فظ کے معنی درشت خواہ و غلیظ القلب کے معنی سخت دل کے ہیں۔ (۲۰۸/۲)

### فقراء (مساكین):

‘فقراء اور مساکین’ یہ دونوں لفظ اس اعتبار سے تو بالکل مشترک ہیں کہ دونوں کا اطلاق محتاجوں اور ناداروں پر ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں یہ دونوں ایک دوسرے کے محل میں استعمال بھی ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان فی الجملہ فرق بھی ہے۔ فقیر ‘غنی’ کا مقابل

ہے مثلاً: ان یعنی غنیماً اور فقیراً فالله اولیٰ بهما (النساء ۱۳۵) اس وجہ سے ہر وہ شخص جو غنی نہیں بلکہ محتاج ہے وہ فقیر ہے، عام اس سے کوہ سوال کرتا ہے یا اپنی خودداری کی شرم رکھتے ہوئے سوال سے احتراز کرتا ہے۔ چنانچہ بقرہ ۲۷۳ میں ان خوددار محتاجوں کے لیے 'فقراء' ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

'مسکین' کا لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنے فقر و مسکنت یا فقدان عزم و حوصلہ کے سب سے زندگی کی جدوجہد میں حصہ لینے سے عاجز ہو، صرف دوسروں کی امداد ہی اس کا سہارا ہو۔ گویا فقر کے ساتھ اس کے اوپر مسکنت اور بے ہمی کا بھی غلبہ ہو۔ اس اعتبار سے یہ لفظ 'فقیر' کے مقابل میں خخت ہے۔ (۵۹۱/۳)

**فاقدۃ:** 'فاقدۃ' ایسی مصیبت کو کہتے ہیں جو ریڑھ کی ہڈیوں کو توڑ دینے والی ہو۔ (۹۱/۹)

**تفقهہ (فن الدین):** تفہقہ فی الدین کے معنی ہیں دین میں فہم و بصیرت حاصل کرنا۔ (۶۶۲/۳)

### فاکہہ:

'فاکہہ' اور 'لحم' کے دونوں لفظوں کے اندر تمام غذا ای نعمتیں جمع ہو گئی ہیں، خواہ وہ تغذیہات کی نوعیت کی ہوں یا غذا کی۔

**فاائع:** دیکھیں "صراء"۔

### فلاح:

لفظ 'فلاح' ایک جامع لفظ ہے۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی پر مشتمل ہے۔

بجرد غلبہ تو ہو سکتا ہے کہ بغیر ذکر الہی کے بھی حاصل ہو جائے لیکن وہ فلاح کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ فلاح اسی غلبہ سے حاصل ہوگی جس کا دروازہ ذکر الہی کی مدد سے کھلتا اور جس میں غلبہ حاصل کرنے والوں کو خدا کی معیت حاصل ہو۔ (۲۸۷/۱۳)

### افلاج:

اس لفظ کی اصلی روح انتراج اور اکشاف ہے اور اس سے مراد وہ فائز المرای اور کامیابی ہوتی ہے جو اگرچہ حاصل تو ہوا یک صبر آزماء اور جان گسل جدوجہد کے بعد لیکن جب حاصل ہو تو محنت کرنے والے نہال ہو جائیں اور ان کی توقعات کے سارے پیانے اس کے ناپنے سے قاصر رہ جائیں۔ (۹۳/۱)

### فلق:

‘الفلق’ کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے صحیح کیا ہے لیکن اس کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ صحیح چونکہ شب کے پردے کو چاک کر کے نمودار ہوتی ہے اس وجہ سے اس پر بھی اس کا اطلاق ہوا۔ لیکن پھاڑ کر نمودار ہونے والی چیز صرف صحیح ہی نہیں ہے۔ ہر چیز کی نہ کسی چیز کے اندر سے اس کو چاک کر کے ہی نمودار ہوتی ہے۔ گھٹلی سے پودا نمودار ہوتا ہے، دانے کو پھاڑ کر انکھوں نکلتے ہیں، زمین کو پھاڑ کر بنا تات آگتی ہے، پہاڑوں کا سیند چاک کر کے چشمے اور دریا ابلیتی ہیں، اسی طرح انہیں کو پھاڑ کر بچے نکلتے ہیں اور رحم کے منہ کو کھول کر دوسرا می تمام زندہ مخلوقات وجود پذیر ہوتی ہیں۔ پھر لفظ ‘فلق’، کو اس قدر محدود کر دینے کے لیے کیا جواز ہے؟ ہمارے نزدیک اس کو اس کے وسیع معنی میں رکھنا ہی موقوع دھل کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔ لغت میں یہ لفظ وسیع معنی میں آیا بھی ہے۔ قرآن میں جس طرح ‘فالق الاصباح’ (الانعام ۶۶:۶) کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ اسی طرح ‘فالق

الْحَبْ وَالنُّوىٰ، (الأنعام: ۶۵) کی ترکیب بھی وارد ہوئی ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمان سے متعلق ارشاد ہے کہ ”كَانَتِ الرُّّفَقَافَ فَقَهْمَماً“، (الأنبياء: ۲۱/۳۰) وہ دونوں بند ہوتے ہیں تو ہم ان کو چھاڑتے ہیں۔ یعنی آسمان کو کھول کر اس سے پانی بر ساتے اور زمین کو چھاڑ کر اس سے بنا تات اگاتے ہیں۔ (۲۲۰/۹)

### فلک:

”فلک“ کے معنی کشتم کے ہیں۔ یہ لفظ اسی شکل میں واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے آتا ہے۔ مؤنث تو اس آیت ہی میں استعمال ہوا ہے<sup>(۲۸)</sup>۔ مذکر کے لیے قرآن مجید میں ”فِي الْفَلَكِ الْمَشْحُونِ“ کی ترکیب موجود ہے<sup>(۲۹)</sup>۔ (۳۹۷/۱)

### فوران:

”فار يفور“ کے معنی جوش مارنے کے ہیں۔ یہ لفظ کبھی ہوئی ہائٹی کے جوش مارنے اور اعلٹنے کے لیے بھی آتا ہے اور بھڑکتے ہوئے تنور کے جوش مارنے کے لیے بھی۔ یہاں ”فار الت سور“ کا محاورہ بطریق استعارہ اس سائیکلونی طوفان کی تعبیر کے لیے استعمال ہوا ہے جو قوم نوح پر آیا، جس سے سخت بارش بھی ہوئی و رأس پاس کے سمندروں کا پانی بھی امل پڑا۔ (۱۳۲/۳)

”فار الت سور“ اسی طرح کا ایک محاورہ ہے جس طرح ”حُسْنُ الْوَطِيسِ“، وغيرہ محاورات ہیں۔ ان محاورات کا مفہوم متعین کرنے میں الفاظ کا لحاظ نہیں بلکہ صرف اس مفہوم کا لحاظ ہوتا ہے جس کے یہ استعمال ہوتے ہیں۔ ”فار الت سور“ طوفان کے امداد پڑنے اور جوش مارنے کی ایک تعبیر ہے۔ (۳۱۶-۱۵/۵)

## تفوٰت:

تفوٰت، کے معنی فرق و اختلاف اور ناہمواری کے ہیں۔ اسی مضمون کو آگے لفظ نظرور،<sup>(۳۸۰)</sup> سے بھی تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی نقش و خلل کے ہیں۔ اسی مضمون کی تعبیر کے لیے سورہ ق آیت ۶ میں لفظ 'فروج' استعمال فرمایا ہے۔ 'افلم ينظروا الى السماء فوقهم كيف بنينها وزينها و ما لها من فروج' (کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا، ہم نے کیسا اس کو بنایا اور سنوارا اور کہیں اس کوئی دراث اور شگاف نہیں)۔

(۳۹۲/۸)

## افاض:

'افاض فی الحديث' کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بات میں سے بات نکالتے ہوئے آدمی کہیں سے کہیں جا پہنچے اور بات کا ہنگر بنا دالے۔<sup>(۳۸۳/۵)</sup>

**ایفاض:** 'ایفاض' کے معنی 'اسراع' یعنی تیزی سے چلنے یا بھاگنے کے ہیں۔

(۵۸۰/۸)

**فواق:** 'فواق' کے معنی وقفہ اور مہلت کے ہیں۔<sup>(۵۱۷/۶)</sup>

**فوم:** فوم اور ثوم ایک ہی چیز ہے۔ اس کے معنی لہسن کے ہیں۔ اہل عرب ثوم کو کبھی کبھی ف سے بدل دیا کرتے ہیں مثلاً عاثور کو عافور اور اٹافی کو اٹاثی کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں تھوم کا لفظ بھی یہیں سے چلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لہسن کے لیے یہ لفظ اس قدر مشہور ہے کہ اس سے روٹی یا گندم یا غلہ وغیرہ مراد لینے کی کوئی محاجاش نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تاویل ہمیشہ الفاظ کے مشہور معانی کے لحاظ سے کرنی چاہئے۔<sup>(۲۲۳/۱)</sup>

## افاض:

‘افاض فی الحدیث’ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بات میں سے بات نکالتے ہوئے آدمی کہیں سے کہیں جانچنے اور بات کا پتگر بناؤ اے۔ (۳۸۲/۵)

**تفیا:** کے معنی تقلب اور رد و بدل کے ہیں۔ (۳۱۶/۳)

## اقبار:

‘اقبرہ’ کے معنی کسی کو قبر میں رکھانا یا دفن کرنا ہے۔ اس لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جو مرتا ہے وہ فنا نہیں ہو جاتا بلکہ قدرت اس کو زمین کی تحویل میں دے دیتی ہے۔ جو شے تحویل میں دی جاتی ہے وہ لازماً ایک دن واپس لی جاتی ہے۔ چنانچہ جب وقت آئے گا اللہ تعالیٰ اس امانت کو زمین سے واپس لے گا۔ (۲۰۷/۹)

## قبُل:

قبُل، مصدر بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی کسی شے کو سامنے سے آتے دیکھنے کے ہیں اور قبیل، کی جمع بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ قرآن میں ان دونوں معنوں کے لیے نظر موجود ہے۔ پہلے معنی کے لیے نظر سورہ کہف میں ہے۔ وما منع الناس ان يؤمِنوا اذ جانهم الهدى و يستغفروا ربهم الا ان تأييهم سنة الاولين او ياتيهم العذاب قبلاً (۵۵) (ہدایت آپنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت چاہنے سے نہیں روکا گمراں چیز نے کہ ان کے بارے میں بھی خدا کی وہی سنت ظاہر ہو جائے جو لوگوں کے بارے میں ظاہر ہو چکی ہے یا یہ کہ ان پر عذاب سامنے سے دڑاتا ہوا آجائے) دوسرے معنی کے لیے نظر سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔

اوتسی بالله والملائکة قبیلاً (۹۲) (یا تم لا و اللہ کو اور فرشتوں کو گروہ در گروہ)

(۱۳۲/۳)۔ 'قبل' کے معنی سامنے اور رو در رو کے ہیں۔ (۵۹۷/۳)

**تقابل:** 'قابل' کے معنی یہاں آمنے سامنے بیٹھنے کے ہیں۔ (۲۹۲/۷)

**قتاء:** قتاء کے معنی گڑی اور کھیرے کے ہیں۔ (۲۲۲/۱)

**اقتحام:** 'اقتحام' کے معنی چڑھائی چڑھنے یا کوئی مشکل کام کرنے کے ہیں۔ (۳۷۵/۹)

**قدح:** 'قدح' ضرب لگانے، بخوب کر لگانے اور ایک چیز کو دوسرا سے ٹکرانے کے معنی میں ہے۔ (۵۰۰/۹)

**قدد:** 'قدد' کے معنی متفرق کے ہیں۔ (۶۲۲/۸)

**قدر:** کے معنی تواندازہ کرنے کے ہیں لیکن یہاں (۳۸۰) یہ شک کر دینے کے معنی میں ہے۔ (۲۸۷/۲)

**(الیلة) القدر:** 'لیلة القدر' سے مراد تقدیر امور یا تقسیم امور کی وہ رات ہے جس کا ذکر سورہ دخان میں باہی الفاظ ہے:

انا انزلنه فی لیلة مبارکة انا هم نے اس (قرآن) کو ایک نہایت مبارک رات میں  
کنا مُنذِرین فیها يفرق اتارا ہے۔ بے شک ہم اس کے ذریعہ سے لوگوں کو  
کل امر حکیم، امر آمن ہوشیار کرنے والے ہیں۔ اسی رات میں تمام حکیمان  
عندنا ط انا کنا موصیین ج امور کی تقسیم ہوتی ہے۔ خاص ہمارے حکم سے، بے

شک ہم رسول یعنی والے تھے۔ (۳۶۶/۹)

**تقدیر:** تقدیر کا لفظ وہی مفہوم رکھتا ہے جو پلاننگ (Planning) کا مفہوم ہے۔  
(۱۲۰/۳)

**مقتصد:** دیکھیں "ملیک"۔

**تقدیس:**

تقدیس لک کا مفہوم یہ ہے کہ ہم تیری پاکی، تیری برتری اور تیری قدوسیت بیان کرتے ہیں۔ تبیع میں، تو جیسا کہ بیان ہوا، تزییہ کا مفہوم غالب ہے لیکن تقدیس کا مفہوم اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی اور قدوسیت کی تمام صفات سے متصف قرار دینا ہے۔ تبیع کے ساتھ تقدیس کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ جب تک انکار کے ساتھ یہ اقرار نہ ہواں وقت تک اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی تعریف کا حق نہیں ادا ہوتا۔ (۱۵۹/۱)

**قدم صدق:**

قدم صدق، میں 'صدق' کا لفظ رسوخ، استحکام اور تمکن پر دلیل ہے اس وجہ سے 'قدم صدق' کا مفہوم عزت کا مقام، مرتبہ بلند، اوپنی پائگاہ اور لازوال سرفرازی ہو گا۔ (۲۲/۳)

**قذف:**

'قذف' کے معنی پھینک دینے اور قے کر دینے کے ہیں۔ عربی زبان کا ذوق رکھنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہاں 'حملنا' اوزار 'قذب'، تینوں ہی الفاظ اس احساسِ گراں باری کو ظاہر کر رہے ہیں جو ان سرداروں کو اس بارہماں کے سبب سے تھا۔ (۷۸/۵)

'قذف بالحجارة' کے معنی ہیں پتھر پھینکنا۔ 'قذف بالقول' تکلم بلا تدبیر

و لاتامل۔ یعنی بے سوچ سمجھے بات پھینک ماری۔ بھی سے یہ 'رجماً بالغیب' یعنی انکل پھوپھو بات کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (۳۲۲/۲)

**قربات:** 'قربة' کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہے وقوفی اور احسان و انفاق کے وہ کام ہیں جو خدا کے تقرب کا وسیلہ و ذریعہ بنتے ہیں۔ (۲۳۰/۳)

### قربان:

قربان کا لفظ صدقہ اور قربانی دونوں کے لیے آتا ہے۔ جو چیز بھی اللہ کے حضور بقصد قرب الہی پیش کی جائے وہ قربان ہے۔ (۲۹۷/۲)

### قروء:

قروءِ قراء کی جمع ہے۔ اس کے معنی کی تعین میں اہل لغت نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس کے معنی حیض کے لیے ہیں اور بعض نے طہر کے (۳۸۳)۔ اس کے اصل مادہ اور اس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے اس سے ہمارا راجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر بھی لازماً گا ہوا ہے اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں، جس طرح رات کے لفظ سے اس کے ساتھ لگے ہوئے دن کو یادوں کے لفظ سے اس کے ساتھ لگی ہوئی رات کو۔ اس قسم کے استعمال کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔

یہاں جو مسئلہ بیان ہوا ہے اس کا ظاہری قرینہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ "قروء" سے مراد حیض ہی ہے۔ اس لیے کہ آیت میں مطلقہ عورتوں کو جس توقف کی ہدایت ہے اس کی اصل حکمت جیسا کہ اس آیت سے خود واضح ہے یہ ہے کہ یہ متعین ہو جائے کہ وہ

حاملہ نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ حاملہ ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ اصلاً حیض عی سے ہوتا ہے نہ کہ طہر سے۔ اس وجہ سے اس کو حیض عی کے معنی میں لینا زیادہ اقرب ہے۔ معنی کے اس اختلاف کی وجہ سے زمانہ عدت کے تین میں خفیہ اور شافعیہ کے درمیان اختلاف ہوا جو فتنہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (۵۳۲/۱)

### (ایتائی ذی) القریبی:

احسان کی ایک نہایت اہم فرع ہے۔ قرابت منعدل و احسان کے حقدار تو ہیں ہی، حزید بر آن وہ بربانے قرابت حزید انفاق کے مستحق ہیں، ہر صاحب مال کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں پر فیاضی سے خرچ کرنا چاہئے۔ (۳۳۹/۲)

### مستقر (مستودع):

مستقر، کے معنی قرار و سکونت کی جگہ کے ہیں اور 'مستودع' اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی چیز بطور و دلیعت و امانت حفاظت سے رکھی جائے۔ (۱۱۳/۲)

'قرار' کے معنی پر سکون کے ہیں۔ (۳۲۲/۵) مستقر، موضع استقرار اور وقت استقرار دونوں مفہوم میں ہو سکتا ہے۔ نیز مصدر کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے وقت استقرار کے مفہوم میں لیا ہے۔ (۷۱۳)

### قرض:

'قرض' سے اگرچہ عام انفاق بھی مراد ہو سکتا ہے لیکن یہاں <sup>(۳۴۳)</sup> سیاق و سبق سے واضح ہے کہ اس سے چادر کے لیے مالی اعانت عی مراد ہے۔ (۲۰۸)

### قرض:

'قرض' کے معنی کاٹنے اور کترنے کے ہیں۔ اسی سے 'قرض المکان' کا مکارہ پیدا ہوا جس کے معنی ہیں اس جگہ سے بہت گیا، کترا گیا، گریز کر گیا۔ (۵۷/۳)

### قراطیس:

قراطیس، قرطاس کی جمع ہے۔ 'قرطاس' لکھنے کے صحیفہ اور ورق کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ کسی چیز سے بھی بنایا گیا ہو۔ اس سے وہ تمام چیزیں مراد ہوں گی جو اس زمانے میں لکھنے کے کام آتی تھیں۔ (۱۰۸/۳)

قرع: 'قرع الباب' کے معنی ہیں اس نے دروازہ کو ٹھوٹکایا کٹکھایا۔ (۵۱/۹)

### اقتراف:

اقتراف، کے معنی کمائی کرنے کے آتے ہیں، قرآن میں یہ اصطلاح اور برے دونوں معنیوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۱۳۲/۳)

قرون: 'قرن' کے معنی ایک دور کے لوگ، امت اور قوم (۶۸۰/۳)

اقرآن: 'اقرآن' کے معنی اپنے حریف پر غلبہ پانے اور اس کو مطیع کر لینے کے ہیں۔ (۲۱۳/۷)

### قریبہ:

قریبة کے معنی اصل انتہا میں جمع ہونے کی جگہ کے ہیں (۳۸۵)۔ عربی میں کہیں گے قری الماء فی الحوض (اس نے حوض میں پانی جمع کر دیا) یہیں سے یہ لفظ بھی

کے معنی میں استعمال ہوا اس لیے کہ وہ لوگوں کے مجتمع ہونے کی جگہ ہوتی ہے۔ اس لفظ کے استعمالات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف مچھوٹے دیہات ہی کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ بڑے بڑے شہروں اور مرکزی آبادیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۲۱۹/۱)

‘قُرَىٰ’ قوموں کے مفہوم میں ہے۔ (۱۷۷/۲۳)

‘قُرَىٰ ظَهِيرَةً’ سے مراد وہ شہر اور قصبات ہیں جو اس شاہراہ پر واقع تھے جس کے دونوں جانب باغوں کی قطاریں تھیں۔ یعنی ان بستیوں کے علاوہ جوان دروں ملک واقع تھیں موزوں فاصلوں سے اس شاہراہ پر بھی بستیاں آباد تھیں جو ان کے لیے منزلوں کا کام دیتی تھیں۔ (۳۰۹/۲)

**قصورہ: ‘قصورہ’ شیر کو کہتے ہیں۔ (۶۵/۹)**

### قسیس:

قسیس اور رُہبان، کے الفاظ عرب کے نصاریٰ اپنے علماء اور زادہوں کے لیے بولتے تھے جس طرح یہوداپنے علماء اور فقہاء کے لیے ‘ربیٰ’، ‘ربانیٰ’ اور ‘احبار’، استعمال کرتے تھے۔ یہ الفاظ اہل کتاب ہی کے واسطے سے عربی میں آئے۔ چونکہ عرب کے یہودوں نصاریٰ کی عام زبان عربی تھی، ان میں بڑے بڑے شاعر اور ادیب تھے، اس وجہ سے ان کی یہ دینی اصطلاحیں عربی ادب میں معروف و مقبول ہو گئیں۔ (۵۷۳/۲)

### قطط:

قطط کا مفہوم وہی ہے جو ہم عام بول چال میں حق، عدل، انصاف وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں۔ اس کا ضد ظلم، جور اور اس معنی کے دوسرا ہے الفاظ ہیں۔ فکر، عمل، قول، اخلاق، کردار، مظاہر اور اشکال غرض ظاہر و باطن کے ہر گوشے میں ایک نقطہ تودہ ہے جو ہر

چیز کے خالق و فاطر کی بنائی ہوئی فطرت اور اس کے مقرر کیے ہونے حدود و قبود کے اندر ہے، اس کو نقطہ اعتدال یا بالفاظ دیگر مرجع عدل و قسط سمجھتے۔ اگر کسی گوشے میں اس نقطے شوٹے کے برابر بھی انحراف واقع ہو جائے تو یہ بات عدل و قسط کے منافی ہو گی۔ اعتبارات اور نسبتوں کی تبدیلی سے تعبیرات بدل جائیں گی۔ کسی دائرے میں ہم اس انحراف کو ظلم و جور سے تعبیر کریں گے، کسی گوشے میں بد صورتی اور بد نیتی سے، اسی طرح کسی پہلو میں اس اعتدال کو حق و عدل سے تعبیر کریں گے، کسی محل میں حسن و جمال سے لیکن اصل حقیقت ہر جگہ ایک ہی ہو گی۔ وہ یہ کہ ایک شے اپنے اصل فطری مقام سے بہت گئی توبگاڑ پیدا ہو گیا اور اگر اپنے جوڑ سے پیوست ہو گئی تو بناوہ نمودار ہو گیا۔ (۵۲۲)

### قاسم:

‘قاسم’ کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ شیطان کو اپنا اعتماد جانے کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ بار بار قسمیں کھا کھا کر اسے یقین دلانا پڑا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، محض بر بناۓ خیرخواہی کہہ رہا ہے اس میں کسی بد نیتی کو دھل نہیں ہے۔

(۲۳۶/۳)

**تقسیم:** ‘قسم الامر’ کے معنی ہوں گے کہ جس کے لیے جو بات طبقی یا جواہر مقدار تھا وہ اس کو پہنچا دیا۔ (۷۹/۵)

### استقسام:

استقسام کے معنی ہیں حصہ یا قسم یا تقدیر معلوم کرنا، ازلام، جوئے یا فال کے تیروں کو کہتے ہیں۔ عرب میں فال کے تیروں کا بھی رواج تھا جن کے ذریعے سے وہ اپنے زعم کے مطابق، غیب کے فیصلے معلوم کرتے تھے اور جوئے کے تیروں کا بھی رواج تھا جن

کے ذریعے سے وہ گوشت یا کسی چیز کے حصے حاصل کرتے تھے۔ (۳۵۷/۲)

### قصد:

'قصد' کے معنی سیدھی راہ کے ہیں 'ہو علی قصد، وہ رشد و ہدایت پر ہے۔ اسی سے فلان اقصد نی امرہ ہے یعنی وہ اپنے معاملہ میں راہ راست پر ہے۔ (۵۵۶/۲-۵۵۷/۲)

'قصد' کے معنی سیدھے اور مستقیم کے ہیں۔ 'طريق'، 'قصد سیدھا راستہ'۔ 'قصد السبیل'، میں صفت اپنے موصوف کی طرف مضاف ہو گئی ہے۔ (۳۹۲/۲)

### مقتصد:

'مقتصد'، میانہ روز کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ مخالفت تو نہیں کرتے ہیں لیکن آگے بڑھ کر اس دعوت حق کی حمایت کا حوصلہ بھی نہیں کر رہے ہیں۔ (۳۸۲/۲)

### قصص:

'القصص'، میں 'قصص'، 'قصہ' اور 'سرگزشت' کے معنی میں ہے۔ مصدر یعنی قصہ بیان کرنے کے معنی میں نہیں ہے۔ اگر مصدر کے معنی میں ہوتا تو زبان کے معروف استعمال کے مطابق اس پر الف لام نہ آتا بلکہ 'حسن قصص' ہوتا۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں تمہیں بہترین قصہ سناتے ہیں۔ یہ معنی اس کے صحیح نہیں ہیں کہ ہم تمہیں بہترین بیرونی میں سناتے ہیں۔ (۱۸۹/۲)

### قصاص:

قصص سے ہے جس کے اصل معنی 'ثکی' کے پیچے، اس کے نقش قدم کے ساتھ

ساتھ چلنے کے ہیں۔ مثلاً و قالث لاختہ قصیہ فصرت بہ عن جنب و هم لا  
یشعرون۔ اقصص ۱۱ (اور اس نے اس کی بہت سے کہا، اس کے پیچے پیچے جا، تو وہ دور  
سے اس کو دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوا، قال ذلک ما کنا نبغ فارتدا  
علی اثارہما قصصا الکہف ۲۳ (اس نے کہا یہی تو ہمیں مطلوب تھا، پس وہ دونوں  
اپنے نقش قدم کا تعاقب کرتے ہوئے پیچے پڑے) اسی سے قصہ کو قصہ کہتے ہیں کیوں جس کا  
قصہ بیان کیا جاتا ہے، قصہ بیان کرنے والا گویا اس کے قدم بقدم اس کے حالات کا تعاقب  
کرتا ہے۔ اسی سے قصاص نکلا اس لئے کہ قاتل کا کھونج لگایا جاتا ہے اور اس کا تعاقب کیا  
جاتا ہے۔ پھر قصاص اس سزا کو کہنے لگے جس میں مجرم کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے  
جس کا مرتكب وہ خود ہوا ہے۔ اس قصاص کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جانی، دوسری مالی جس کو  
دیت یا خوبہا کہتے ہیں۔ (۲۳۱/۱)

**قاصف:** 'قاصف' کے معنی توڑ دینے والی اور تیج کے معنی ناصر اور مدگار کے ہیں۔

(۵۲۲/۲)

**قصی:** 'قصی' کے معنی ذور کے ہیں۔ انجلیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ  
بیت الْحُمْرَ چلی گئیں (۲۳۵/۳)

**اقصی:** 'اقصی' کے معنی ہیں دور والی۔ (۲۷۳/۳)

**قض:**

'قض' کا غالب استعمال اگرچہ انہی بزریوں اور تکاریوں کے لیے ہے جو بھی  
کھانی جاتی اور تیار سالن کے حکم میں داخل ہیں لیکن عام بزریوں اور تکاریوں پر بھی اس کا

اطلاق ہوتا ہے۔ (۲۰۹/۹)

**قضیٰنا:** کے بعد اُن کا صلابات پر دلیل ہے کہ یہاں "ابلغنا" یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ مذکور ہے۔ (۳۶۹/۳)

### قطرو:

"قطرو، تابنے کو کہتے ہیں۔ تابنے کو تمدنی ترقی میں جو دخل حاصل ہے وہ تابنے یا جان نہیں ہے۔ اس عہد کی تاریخ کے مطابق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں تابنے کی بھی بہت بڑی مقدار برآمد ہوئی اور اس کو انہوں نے اپنی تمدنی تحریری ترقیوں میں نہایت خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔ (۳۰۲/۶)

### قطران:

"قطران" کے اہل لخت نے مختلف معنی لکھے ہیں لیکن تارکول کے لیے یہ لفظ معروف ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں اسی معنی میں ہے<sup>(۲۱)</sup>۔ مستحقین دورخ کے جسموں اور چہروں کی سیاحت کا ذکر قرآن میں دوسرے مقامات میں بھی ہے۔ پھر تارکول پر آگ جس طرح بھر کتی ہے وہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے۔ (۳۳۹/۳)

### (ثم) لیقطبع:

"قطع" کے معنی ابوسلم<sup>(۲۲)</sup> نے قطع مسافت کے لیے ہیں یعنی وہ آسان میں رتی تانے اور آسان میں چڑھ جائے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی قطع وحی کے لیے ہیں یعنی جس کو یہ گمان ہو کہ اللہ اپنے رسول کی مدحیں کرے گا وہ آسان میں چڑھ کر سلسلہ وحی کو قطع کر دے۔ اکثر لوگوں نے اس کے معنی پھانسی لگانے یا گلا مکونٹ لینے کے لیے ہیں یعنی وہ

چھت میں رسی لٹکا کر اپنے آپ کو چھانی لگائے۔ ان ناولیوں میں جو قباحت ہے اس سے قطع نظر قطع، کا جو مفہوم ان حضرات نے لیا ہے وہی محل نظر ہے۔ وہی کو منقطع کر دینے یا چھانی لگائیں کے معنی کے لیے تو لفظ کا استعمال بالکل عین ناموزوں ہے، عربیت کا ذوق اس سے ابا کرتا ہے۔ کسی مفہوم کے لیے معروف و محدود الفاظ کے ہوتے ہوئے کسی ناموزوں لفظ کا استعمال قرآن کی فصاحت و بлагافت کے بالکل منافی ہے۔ قطع مسافت کے مفہوم کے لیے اگرچہ اس لفظ کو ناموزوں نہیں قرار دیا جاسکتا اس لیے کہ 'قطع وادی'، وغیرہ کے خاورات عربی میں معروف ہیں۔ لیکن یہاں اس لفظ کا استعمال اس مفہوم کے لیے بالکل ناموزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آسمان کی طرف رسی تانے کا ذکر ہے تو اس کے ساتھ 'فلیت صقد'، یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ ناموزوں ہو سکتا ہے۔ 'یقطع' اس کے ساتھ کسی طرح بھی ناموزوں نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تمام اقوال ضعیف ہیں۔ البتہ عزم و جزم کے ساتھ کسی معاملہ کا فیصلہ کرنے کے مفہوم کے لیے یہ لفظ اعلیٰ عربی میں معروف ہے۔ اس کی نظر خود قرآن میں موجود ہے۔ مثلاً سورہ ثمل میں ہے۔

قالت يائِها الْمُؤَافَونِي	ملکَة سبَّانَة كَهَا كَهَا دَرْبَارِيُّو، مِيرَے اس محاَلَتِي
فِي اَمْرِي جَمَاكِنْتِ	مِنْ آپ لُوگ اپنی رائے دیں۔ میں کسی معاملہ کا قطعی
قَاطِعَة امْرًا حَتَّى تَشَهِّدُونِ	فیصلہ نہیں کرتی جب تک آپ لُوگ موجود ہو کر مشورہ

ندیں۔ (۲۲۶/۵)

(النمل: ۳۲)

### تفصیل:

تفصیل، یہاں اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایک عین باب کی اولاد بارہ

خاندانوں کی شکل میں پھلی، اور ہم نے ہر خاندان کو امتیوں اور قوموں کی شکل میں بڑھایا اور پھیلایا اور اسی اعتبار سے ان کو اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے بھی نواز لیکن انہوں نے ہر نعمت کی تقدیری کی۔ (۳۷۸/۳)

**قطط:** قطط، حصہ اور نصیب کے معنی میں آتا ہے۔ (۵۱۷/۶)

### مقعد:

”تفقعد“ یہاں<sup>(۸۸)</sup> اس مفہوم میں آیا ہے جس مفہوم میں افعال ناقصہ مثلاً تکون، فضیل وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ اردو میں بھی ”بیٹھ رہو“ بیٹھ رہے اس مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس صورت میں بیٹھنے کے معروف مفہوم سے یہ لفظ مرد ہو جاتا ہے۔ (۳۹۵/۳)

### مقاعد:

مقاعد، مقعد کی جمع ہے جس کے معنی بیٹھنے کی جگہ کے ہیں لیکن وسیع استعمال میں اس کے معنی گھات لگانے کے بھی ہو سکتے ہیں اور قرینہ موجود ہو، جیسا کہ یہاں ہے تو اس سے جگ کا مورچہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ (۱۶۵/۲)

**مقعد:** ”مقعد“ کی اضافت ”صدق“ کی طرف اس کی عزت، پائداری اور ابدیت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس طرح ”لسان صدق“ کی ترکیب میں یہ تمام مفہوم پائے جاتے ہیں۔ (۱۱۵/۸)

**قواعد:** قواعد قاعده کی جمع ہے۔ قاعده کے معنی بنیاد اور اساس کے ہیں۔ (۳۳۷/۱)

## اُقفال:

‘اُقفال’ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دلوں کو روگ یا زنگ کی طرح لگتی ہیں۔ اس قسم کے روگوں کا ذکر اس سورہ<sup>(۲۸۹)</sup> میں بھی ہوا ہے (مثلاً اوپر آئیت ۱۲۰ اور آگے آئیت ۲۹ میں) اور قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی ان کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ دنیا کی محنت، موت کا ذر، بخل، بزدی، کینہ، حسد، نفاق اور اس قبل کی دوسری چیزیں اس کے نمایاں اجزاء ہیں۔ اگر ریاست و امارت حاصل ہو تو کبڑا غرور کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور قساوت بھی اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ ان بیماریوں کا علاج قرآن کو سننا اور سمجھنا ہے، جیسا کہ سورہ اُنفال کی آیات ۲۲-۲۳ کے تحت اس کی وضاحت ہو چکی ہے لیکن اس طرح کی لوگوں کو سب سے زیادہ وحشت قرآن ہی سے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے۔ (۳۱۹/۷)

**قفو:** ‘قفوت اثرہ’ کے معنی ہیں میں اس کے پیچھے لگایا ہولیا۔

**قفیث:** ‘قفیث علی اثرہ بفلان’ کے معنی ہوں گے، میں نے اس کو اس کے پیچھے بھیجا۔ (۵۳۱/۲)

**قلب:** ‘قلب’ اپنے حقیقی یعنی دل زندہ کے معنی میں ہے۔ (۵۶۵/۷)

## قلب (سلیم):

قلب سلیم سے مراد شرک و نفاق کی ہر آلائش سے بالکل پاک اور محفوظ دل ہے۔ جس دل میں کسی اور کی حصہ داری یا نفاق کی بیماری ہو اس کی خدا کے ہاں کوئی پوچھنیں ہے۔ (۵۲۷/۵)

## قلب (منیب):

‘قلب منیب’ سے مراد وہ دل ہے جو رنج و راحت اور امید و تیم ہر حال میں اپنے رب کی طرف متوجہ رہا۔ کسی حال میں بھی اپنے رب سے منہ موڑ کر کسی اور سے اس نے لو نہیں لکائی۔ (۵۶۰/۷)

## تقلب:

تقلب کے معنی آمد و شد، چلت پھرت اور ایاب و ذہاب کے ہیں۔ موقع محل کے لحاظ سے اس کے اندر غرور، اکڑ اور دندنانے کے معنی بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ (۲۳۸/۲)

تقلب فیہ القلوب والابصار، قیامت کے ہول کی تصویر ہے۔ یعنی اس دن ان لوگوں کو کسی کل چین نہیں پڑے گا جنہوں نے زندگی اس دن سے غفلت میں گزاری۔ ان کے دل اڑے جا رہے ہوں گے اور ان کی یہ بدواستی ان کی نگاہوں سے ظاہر ہوگی۔ (۳۱۳/۵) ‘تقلب’ کے معنی آمد و شد اور ایاب و ذہاب کے ہیں (۵۶۳/۵)

## مُتقلب: ’متقلب‘، آمد و شد کی جگہ۔ (۳۱۵/۷)

**تقلیب:** ‘تقلیب’ کے معنی اللئے پلنے کے ہیں۔ گوشت کی آگ پر بھونتے ہیں تو اس کو کبھی ایک جانب سے بھونتے ہیں کبھی دوسری جانب سے۔ (۲۷۵/۶)

**قلادہ:** قلاں، قلاڈہ کی جمع ہے جس کے معنی پٹے کے ہیں۔ (۳۵۳/۲)

**اقلاع:** ‘اقلاع’ کے معنی کسی کام سے رک جانے کے بھی ہیں۔ یا اسماء اقلعی، ای امسکی من المطر۔ (۱۳۳/۳)

**اقلال:** اقلال کے معنی کسی چیز کو اس طرح اٹھایا ہے کہ یا اس میں کوئی وزن ہے یہی

(۲۸۳/۳) نہیں۔

**قلیل:**

‘قلیل’ کا لفظ بہت جھپٹلا استعمال کیا ہے۔ عربی میں لفظ ‘قلیل’ صرف عددی اور مقداری اعتباری سے قلیل کے لیے نہیں آتا بلکہ معنوی اعتبار سے بے وزن و بے حقیقت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کسی حماں شاعر کا یہ شعر بہت معروف ہے:

فَانْ أَكُّ فِي شَرَارِكُمْ قَلِيلًاٰ فَانِي فِي خَيَارِكُمْ كَثِيرٌ (۲۹۰)

(اگر میں تمہارے اشرار کی نگاہوں میں کم رتبہ ہوں تو کچھ غم نہیں۔ تمہارے اخیار کی نگاہوں میں میرا بڑا رتبہ ہے) (۲۸۵/۳)

**اقلام:** اقلام سے مراد قرعے کے تیر ہیں۔ (۸۵/۲)

**قلی:** ‘قلی’ کے معنی شدید بغض و نفرت کے ہیں۔ (۵۳۸/۵)

**مقمح:**

‘مقمح’ اصل میں اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کا سر پیچے کی جانب اس طرح باندھ دیا گیا ہو کہ اس کی گردان ایک خاص حد سے نہ نیچے ہو سکے نہ اور۔ بالکل یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے جس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دیا جائے۔ وہ بھی اپنا سر نہ نیچے کر سکتا ہے نہ اور بلکہ ایک خاص زاویہ پر اس کی گردان تی رہتی ہے۔ (۳۰۲/۶)

**قہطریں:** دیکھیں ”عبوس“۔

**مقامع:** ‘مقامع’ کے معنی ہستوڑے کے ہیں۔ (۲۳۲/۵)

**قمل: قمل، کے معنی ہیں جو میں۔ (۳۵۵/۳)**

### قنوت:

قنت کے معنی خضوع اور تسلل کے ہیں۔ یہاں اس کا موقع ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ نماز کی محافظت کے حکم میں نماز کا یہ ادب بھی داخل ہے۔ (۵۵۷/۱)

### قنوت:

”قتوت“ کی اصل روح اللہ جل شانہ کے لیے توضیح و تسلل ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کے شعور اور اس کی بے نہایت عظمتوں کے احساس کا قدرتی شمرہ ہے۔ یعنی کوشاںگر کا اور مصیبت کو صبر کا ذریعہ بناتی ہے اور ہر حالت میں بندے کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ اصل اقویٰ عقل و دل کی فروتنی اور انکساری ہے لیکن جس طرح قلب کی ہر حالت کا عکس انسان کے ظاہر پر بھی نمایاں ہوتا ہے اسی طرح اس کا عکس بھی انسان کی وضع قطع، چال ڈھال، گفتار و کردار ہر چیز میں نمایاں ہوتا ہے۔ یہ اس غرور اور گھمنڈ کی ضد ہے جو نعمتوں کو اپنے اتحاقاً ذاتی کا شرہ سمجھنے کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس تکون اور بے صبرے پر کے بھی منافی ہے جو صبر و صدق کے فقدان سے پیدا ہوتا ہے۔ (۲۳۲/۲)

”قنوت“ کا اصل مفہوم اللہ تعالیٰ کے لیے توضیح، فروتنی اور نیازمندی ہے۔ یہ ایک قلبی حالت ہے جس کا باہترین اظہار نماز، بالخصوص شب کی نمازوں سے ہوتا ہے۔ (۵۷۱/۶)

### قططار:

قططار کے معنی مال کثیر کے ہیں۔ اس کے ساتھ مقتدرۃ، کی صفت اس کی طرح استعمال ہوتی ہے جس طرح عربی میں لیل الیل، یا ’ظل ظلیل‘، وغیرہ کی ترکیبیں

استعمال ہوئی ہیں۔ (۲۰۲)

### قسطار:

قسطار اصل میں تو ایک وزن ہے جس کی مقدار زمانے کے ساتھ گھنٹی بڑھتی رہی ہے لیکن عام استعمال میں اس سے مراد مال کثیر ہوتا ہے۔ جیسے ہم منوں مال، ڈھیروں مال، بولتے ہیں، عربی میں اسی مفہوم کی تعبیر کے لیے یہ لفظ ہے۔ اسی سے قساطیر مقتدرہ کی ترکیب بھی قرآن میں استعمال ہوئی ہے (۲۹۱)۔ (۲۰۲)

### قانون (معتر):

‘قانون’ اور ‘معتر’ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اصل متحقق تو نادار غریب لوگ ہیں لیکن غریبوں میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی خود داری سوال کرنے کا نگ کوارا نہیں کرتی اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو سوال کرتے ہیں۔ پہلی قسم کے ناداروں کے لیے ‘قانون’ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور دوسری قسم کے ناداروں کے لیے ‘معتر’ کا۔ ‘معتر’ متعرض للسوال کو کہتے ہیں۔ آیت میں ‘قانون’ کی تقدیم سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کا حق مقدم ہے اور چونکہ وہ سائل بن کر کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے اس وجہ سے دینے والوں کا فرض ہے کہ خود ان کے پاس پہنچیں، ان سے یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ دینے والوں کے پاس پہنچیں گے۔ (۲۵۰/۵)

**اقناع:** ‘اقناع’ سراٹھانے یا آواز بلند کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں سراٹھا کر چلنے کے معنی میں آیا ہے۔ (۳۳۷/۳)

## اقنی:

‘اقنی’ ‘فیہ’ سے ہے جو جمع کیے ہوئے مال کے لیے آتا ہے۔ گویا ‘اغنی’، یہاں ان لوگوں کے لیے استعمال ہوا جو فقر کے دارہ سے نکل چکے ہیں اور ‘اقنی’ ان کے لیے استعمال ہوا ہے جو صرف فقر کے دارہ سے نکل ہی نہیں چکے ہیں بلکہ مال داروں کے زمرے میں ہیں۔ (۸۰/۸)

## قہر:

قہر کا لفظ عربی میں اس معنی میں بالکل نہیں آتا جس معنی میں اردو میں آتا ہے بلکہ اس کے معنی اختیار اور قابو، حکومت اور تسلط میں رکھنے کے آتے ہیں۔ انگریزی میں لفظ (control) کا جو مفہوم ہے وہی مفہوم عربی میں اس لفظ کا ہے۔ اسی سے لفظ ’قہار‘ مبالغہ کا صیغہ ہے جو اسامیے حصی میں سے ہے جس کے معنی (controler) کے ہیں۔ (۳۰/۳)

**تاب:** ‘تاب’ کے معنی بقدر کے ہیں یہ غایت قرب و اتصال کی تعبیر ہے۔ (۵۵/۸)

## قاع (صفص):

‘قاع صفص’، ہمارا اور چھیل میدان کو کہتے ہیں جس میں نہ نشیب و فراز ہو، نہ سبزہ و نباتات، نہ درخت اور جنگل۔ (۹۱/۵)

## قول:

قول کی کئی شکلیں ہوتی ہیں (۳۹۲)۔ ایک قول وہ ہوتا ہے جو سنا جاتا ہے۔ ایک قول وہ ہوتا ہے جو سرا ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے سواءِ منکم من اسرالقول و من جہر به

(الرعد ۱۰) (یکساں ہیں تم میں سے وہ جو قول کو پوشیدہ رکھیں اور وہ جو اس کو ظاہر کریں)۔ مجردا شارہ کے لیے بھی آتا ہے۔ مثلاً:

فقولی إنى نذرث للرحمن اشاره سے بتادے کہ میں نے خدائے رحمن کے صوماً فلنْ أكلُم الیوم انسیا لیے روزے کی منت مانی ہے، آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی۔ (مریم ۲۶)

زبان حال فعل سے جو اشارہ نکلتا ہے وہ بھی قول کی ایک شکل ہے۔ علی ہذا القیاس جوبات آدمی اپنے دل میں کہتا ہے اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ کلام عرب اور قرآن مجید میں اس کی بہت سی نظائریں موجود ہیں مثلاً سورہ مائدہ میں منافقین کا حال بیان ہوا ہے:

يقولون نخشى ان تصيبنا دائرة وَ كَتَبَتِ ہیں همیں اندر یہ ہے کہ کوئی مصیبت نہ فعسى الله ان ياتى بالفتح او امیر ہم پر آپڑے تو بہت ممکن ہے کہ اللہ فتح لائے یا من عنده فيصيبحوا على ما اسرُوا اپنی طرف سے کوئی اور بات دکھائے اور ان کو فی انفسهم نادمین (المائدہ ۵۲) اس بات پر نادم ہوتا پڑے جو یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ (ارہ ۱۲۰)

ایک بات اس آیت (۲۹۴) میں بعض لوگوں کو اور کھکھلے گی۔ وہ یہ کہ جب یہ روزہ خاموشی کا روزہ تھا تو یہاں لفظ 'قولی'، (کہہ دینا) کے استعمال کا کیا محل تھا؟ پھر تو کوئی لفظ ایسا استعمال ہوتا جس کے معنی اشارہ کرنے کے ہوتے۔ اس شہمہ کا جواب یہ ہے کہ عرب میں 'قال' اشارہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ 'قال بر محة' (اس نے اپنے نیزے سے اشارہ کیا) 'قال بیده هکذا' (۲۹۵) (اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا)

وغيرہ محاورات عربی میں معروف ہیں۔ آخرالذکر محاورہ تو بعض حدیثوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ (۶۲۷، ۶۲۸)

‘قول ثابت’ سے مراد وہ کلمہ توحید ہے جس کی آسان وزمین اور فطرت و کائنات دونوں میں پائداری و استواری کی تحریف اور گذر چکی ہے۔ (۳۲۶، ۳۲۷)

عام طور پر لوگوں نے ‘قول ثقیل’ سے خودوہی کو مراد لیا ہے (۳۲۸) لیکن وہ تو اس

سے پہلے بھی نازل ہو چکی تھی تو یہ کہنے کے کیا معنی کہ ہم غتر یہ تم پر ایک قول ثقیل نازل کریں گے! البتہ انداز کا یہ حکم آپ کے لیے بلا شہد ایک بہت عی بھاری حکم تھا۔ ملکہ اور طائف کے سرداروں کے کانوں میں توحید کی اذان دینا اور وہ بھی اس دعوے کے ساتھ کہ آپ اللہ کے رسول ہو کر آئے ہیں، اگر انہوں نے آپ کے انداز کی تکذیب کی تو اس کے عذاب کی زد میں آجائیں گے کوئی کام نہیں تھا۔ اس بھاری ذمہ داری سے آپ کا ہر اس محسوس کرنا ایک امر فطیری تھا۔ چنانچہ ابتداءً آپ نے اپنے کام کو اپنے خاص خاندان والوں عی تک محدود رکھا اور ان پر بھی نہایت احتیاط کے ساتھ صرف اپنے بعض مشاہدات و تجربات کا انکھار فرمایا کہ ان کا رد عمل معلوم کرنا چاہا جو نہایت غالقاتہ صورت میں سامنے آیا۔ چنانچہ اس دور میں آپ پر نہایت شدید فکر مندی کی حالت طاری رعنی۔ (۳۲۹-۳۳۰)

‘قول معروف’ سے یہ مراد ہے کہ ایسے لوگوں سے اگر بات کرنے کی نوبت آئے تو بات بالکل صاف و سادہ انداز میں کی جائے جس طرح ایک عام آدمی سے کی جاتی ہے جس میں لگاؤٹ کا کوئی شائستہ نہیں ہوتا۔ (۳۳۱-۳۳۲)

### قول (افتراع):

قول علی الله اور افتراع علی الله دونوں کے ایک عی معنی ہیں۔ یعنی خدا کی

طرف کوئی جبوئی اور من گھرست بات منسوب کرنا۔ مثلاً یہ کہنا کہ خدا نے فلاں اور فلاں کو اپنا سا جبھی اور شریک قرار دیا ہے یا بغیر کسی سند کے یہ دعوئی کرنا کہ خدا نے فلاں فلاں قسم کی چیزیں حرام تھہرائی ہیں۔ (۱۱۱/۳)

‘قول على الله’ سے مراد ‘افترا على الله’ ہے یعنی اپنے جی سے حلال و حرام تھہرانا، اپنی خواہشوں کی پیروی میں بدعتیں ایجاد کرنا، من مانے طور پر شریعت تصنیف کرنا اور ان ساری چیزوں کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ خدا نے ان کا حکم دیا ہے۔ (۲۵۳/۳)

### قیلولة:

‘قیلولة’ کے معنی دو پھر منانے کے ہیں، سونا اس کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ عرب کا ملک، گرم ملک ہے اس وجہ سے وہاں دو پھر میں لوگ مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے اپنے مکانوں، ڈیروں، نیموں اور باغوں میں آرام کریں۔ (۲۲۲/۳)

### مقیل:

‘مقیل’، قیلولة کی جگہ کو کہتے ہیں لیکن یہ اپنے عام استعمال میں آرام گاہ اور عیش گاہ میں عیش کے مفہوم میں آتا ہے۔ امراء القیس کا مصرع ہے فقل فی مقیل نحسه متغیب، (۹۹) (ایسی عیش گاہ میں عیش کر جو ہر نخوست سے محفوظ ہے) ’خر اور حسن‘ یہاں تقابل کے مفہوم میں نہیں ہیں بلکہ یہ خوب ترین اور بہترین کے مفہوم میں ہے۔ (۳۶۰/۵)

### قام:

عربی میں قام کے بعد علی آتا ہے تو اس کے اندر گرانی، محافظت، کفالت اور تولیت کا مضمون پیدا ہو جاتا ہے۔ قوامون علی النساء (۹۷) میں بالاتری کا مفہوم بھی ہے اور

کفالت و تولیت کا بھی اور یہ دونوں باتیں کچھ لازم و ملزمی ہیں۔ (۲۹۲۲)

### قیوم:

مبالغہ کا وزن ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ ذات جو خدا پر مل پر قائم اور دوسروں کے قیام و بقا کا واسطہ اور ذریعہ ہو۔ (۱۷۸)

**قیمة:** 'قیمة' کے معنی سید ہے، واضح اور قطعی کے ہیں۔ (۲۸۱۹)

### اقامت:

اقامت کے معنی کسی چیز کو کھڑے کرنے یا اس طرح سید ہے کرنے کے ہیں کہ اس میں کوئی نیڑہ باقی نہ رہ جائے۔ فرمایا ہے وہ نماز قائم کرتے ہیں یہ نہیں کہا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن نے نماز کے لیے قائم کرنے کا لفظ استعمال کر کے ایک ہی ساتھ کہی حقیقوں کی طرف توجہ دلادی ہے۔

پہلی چیز جس پر یہ لفظ متوجہ کرتا ہے وہ نماز میں اخلاص ہے یعنی نماز صرف اللہ ہی کے لیے پڑھی جائے کسی اور کو اس میں شریک نہ کیا جائے۔ اس کے اندر سید ہے کرنے کا جو مفہوم ہے اس کا تقاضا اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک یہ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ ہی کے لیے نہ پڑھی جائے۔ دوسرے مقام پر یہ حقیقت واضح لفظوں میں بھی یہ ادا کر دی ہے۔ واقیم و اجوہ حکم عند کل مسجد و دعوة مخلصین لہ الدین (الاعراف ۲۹) (اور اسی کی طرف اپنے رخ کر وہ مسجد کے پاس اور اسی کو پکار و اسی کے لیے اطاعت کرو خاص کرتے ہوئے)

یہیں سے یہ بات بھی نکلی کہ نماز میں رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے کیوں کہ وہی توحید اور اخلاص کا مرکز ہے۔ دوسری چیز جس کی طرف یہ لفظ اشارہ کرتا ہے وہ نماز کے

اصل مقصود پر دل کو پوری طرح جاتا ہے۔ نماز کا اصل مقصود ذکرِ الہی میں خشوع و خضوع ہے، اگر آدمی اس چیز سے غافل ہو کر نماز پڑھے تو یہ نماز کو قائم کرنا نہیں ہوا بلکہ محض چحدا اتارنا ہوا۔ اس حقیقت کی طرف بھی قرآن نے بعض مقامات میں توجہ دلائی ہے۔ مثلاً واقعۃ الصلة لذِکری (ط ۲) (اور نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم کرو) دوسری جگہ فرمایا ہے قد افْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (الْمُؤْمِنُونَ ۱-۲) (ان مونموں نے فلاج پائی جو اپنی نمازیں خضوع و خشوع سے ادا کرتے ہیں)۔

(۹۱/۹۲)

”اقامة صلوٰۃ“ کا مفہوم صرف نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ نماز کا اہتمام کرنا ہے۔

(۵۲۹/۲)

**المستقیم:** دیکھیں ”الصراط المستقیم“۔

**القوم:**

القوم سے مراد دشمن اور حریف ہے۔ کلامِ عرب میں اس مخصوص استعمال کی مثالیں بہت ہیں (۲۸۹)۔ قرآن میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ مثلاً ان یہ مسکم قرخ فقد مسَّ الْقَوْمَ قرخ مثله۔ آل عمران (۱۳۰) (اگر تمہیں کوئی چوت پنجی تو کوئی تجب کی بات نہیں، آخر دشمن کو بھی اسی طرح کی چوت پنجی)۔ (۳۷۳/۲)

القوم کا لفظ اس سیاق و سباق میں جب آتا ہے تو اس سے مراد تعریف مقابل اور دشمن ہوتا ہے۔ یہاں اشارہ کفار قریش کی طرف ہے۔ (۱۸۰/۲)

**قوم (تَّبَّعُ):**

”قَوْمٌ تَّبَّعُ“ سے مراد تبلیغیں ہیں جن کی مادی شوکت و عظمت اور رہنمی صلاحیتوں

کی عرب میں بڑی شہرت رہی ہے۔ عرب شعراً ان کی عظمت کا چرچا بہت کرتے ہیں۔  
(۲۸۹/۷)

### قوماً لَدَا:

‘قوماً لَدَا’ سے مراد قریش ہیں۔ ‘لَدَا’، ‘اللَّهُ’ کی جمع ہے۔ ‘اللَّهُ’ کے معنی بھگڑا لو،  
ضدی اور بہت دھرم کے ہیں۔ اہل عرب اپنی بدويت کے سبب سے اکھڑ بھی تھے اور اپنی  
امیت کے باعث معاملات دین میں بہت جادا اور متعصب بھی۔ اسی وجہ سے بات بات پر  
آنحضرت ﷺ کے خلاف سورچہ جاتے اور آپ کو زیچ کرنے کے لیے روز بنت نے  
مطلوبات پیش کرتے۔ (۲۸۹/۳)

### اقوم:

‘اقوم’ کے معنی سیدھا اور مستقیم یعنی وہ راستہ جو ٹھیک فطرت اور عقل کے مطابق  
اور خدا تک پہنچنے اور پہنچانے والا ہے۔ (۳۸۶/۳)

### مقام:

‘مقام’ ہمارے نزدیک ظرف کے معنی میں نہیں بلکہ مصدر کے معنی میں ہے اور یہ  
یہاں مفعول مطلق کی حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ لفظ ‘بعث’ اور ‘مقام’ میں معنی کا اشتراک  
موجود ہے اس لیے کہ ‘بعث’ کے معنی اٹھانے اور ‘مقام’ کے معنی کھڑے ہونے اور اٹھنے  
کے ہیں اس وجہ سے اس کے مفعول مطلق واقع ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (۳۲۳/۳)

**قوہ:** ‘قوہ’ قرآن میں عددی قوت اور (Man Power) کے لیے بھی آتا ہے۔

(۵۰۳/۳)

**کبد:** 'کبد' کے معنی مشقت اور رہنمائی کے ہیں۔ (۲۷۰/۹)

### کبیرۃ:

کبیرۃ کے معنی یہاں بھاری، ثقل اور شاق کے ہیں۔ قرآن مجید میں دوسرے موقع پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ وَإِنْ كَانَتْ لِكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هُدِيَ اللَّهُ (البقرہ ۱۹۳) (بے شک بھاری چیز ہے مگر ان کے لیے جن کو خدا ہبایت دے دے، وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا عَلَيْكَ أَعْرَاضُهُمْ (الانعام ۳۵) (اور اگر ان کا اعراض تم پر گراں گزر رہا ہے) (۱۹۳/۱)

**اکبر:** دیکھیں "نزع اکبر"۔

**کبریٰ:** دیکھیں "الطامة الكبوري"۔

**متکبر:** 'متکبر' کے معنی ہیں اپنی بڑائی اور برتری کا احساس رکھنے والا۔ (۳۱۳۸)

**کبراء:** 'کبراء' سے مراد ان کے خاندانی و نژادی پیشوائیں۔ (۲۷۶/۶)

### کُبار:

'کبار' مبالغہ ہے 'کبیر' کا۔ یعنی اپنے اخبار کے سبب سے میری دعوت کو شکست دینے، اپنے عوام کو مجھ سے برگشتہ کرنے اور میرے خلاف بحث کانے کے لیے انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ (۲۰۳/۸)

**اکبار:** 'اکبار' کے معنی ہیں کسی کو بہت بڑا سمجھنا اور دل میں اس کی عظمت اور بڑائی کا قائم ہو جانا۔ (۲۰۹/۳)

**استکبار:** 'استکبار' اعراض کے مفہوم پر مخصوص ہے۔ حرف 'عن' اس پر دلیل ہے۔ (۵۸/۲) 'استکبار' کا مفہوم جانتے بوجھتے حق کی مخالفت اور اس کے مقابل میں رکھی ہے۔ (۵۹۵/۸)

### كتب عليكم:

فرض کر دینے کے معنی میں قرآن اور کلام عرب دونوں میں معروف ہیں۔

(۳۳۸/۱)

### الكتب:

قرآن مجید میں کتاب کا لفظ پانچ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے<sup>(۲۹۹)</sup>۔

۱۔ نوشہ تقدیر۔ مثلاً لَا كَاتِبٌ مِنَ اللَّهِ سَبِقَ لِمَسْكُمْ فِيمَا أَخْذَتُمْ عَذَابَ عَظِيمٍ (الإفال ۲۸) (اگر نوشہ الہی نہ گذر چکا ہوتا تو جس چیز میں تم بتلا ہوئے اس کے باعث تمہیں ایک دردناک عذاب آپڑتا)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا وہ رجسٹر جس میں ہر چیز ریکارڈ ہے۔ مثلاً وَعِنَّدَنَا كَتَابٌ حَفِيظٌ (ق ۲) (اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے محفوظ رکھنے والی)۔

۳۔ خط اور پیغام۔ مثلاً أَنِّي أَلْقَى إِلَيْكُمْ كَتَابًا كَرِيمًا (انمل ۲۹) (میرے پاس ایک گرامی نامہ بھجوایا گیا ہے)۔

۴۔ احکام و قوانین۔ مثلاً وَيَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ (اجمہ ۲) (اور ان کو شریعت اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے)۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا اتنا را ہوا کلام۔ اپنے اسی معنی کے لحاظ سے یہ لفظ کتاب الہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد کتاب الہی کا کوئی خاص حصہ بھی ہوا کرتا ہے<sup>(۳۰۰)</sup>

اور اس کا مجموعہ بھی۔

مجموعہ کے مفہوم کے لیے نظریہ سورہ آل عمران کی یہ آیت ہے۔ الٰم تر الی الذین  
أُوتوا نصیباً من الكتاب يُدْعُونَ الی کتاب اللہ لیحکم بینہم (آل عمران  
(ذراد کیمتوں ان کو جنمیں کتاب الہی کا ایک حصہ ملاؤ ان کو دعوت دی جاری ہے اللہ کی  
کتاب کی طرف تاکہ ان کے درمیان فصلہ کرے)

جس طرح کوئی لفظ اپنے معنی میں سے کسی ایک اعلیٰ اور رترمعنی کے لیے  
خاص ہو جایا کرتا ہے، اسی طرح یہ کتاب کا لفظ بھی خاص طور پر کتاب الہی کے لیے بولا  
جانے لگا۔ چنانچہ یہ استعمال قدیم زمانہ میں معروف ہے۔ یہود انبیاء کے صحفوں میں سے ہر  
صحیفہ کو سفر کہتے تھے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔ عیسائی متزوجوں نے ان کتابوں کو باخصل  
کا نام دیا اس کے معنی بھی یونانی میں کتاب ہی کے ہیں۔ اسی طرح ان صحفوں کے لیے  
(scripture) کا لفظ استعمال ہوا جس کے معنی لاطینی میں کتاب کے ہیں۔ الغرض کتاب کا  
لفظ کتاب اللہ کے لیے کوئی نیا استعمال نہیں ہے۔ یہ استعمال جیسا کہ واضح ہوا، بہت قدیم  
ہے۔ قرآن نے بھی اس معنی میں اس لفظ کو استعمال کیا اور اپنے استعمالات سے اس کے اس  
معنی کو اس قدر واضح کر دیا کہ اس کے خالب اس استعمال کو بے تکلف سمجھنے لگ  
گئے۔ (جلد، صفحہ ۸۶)

‘کتاب’ یہاں وفتر اعمال کے مفہوم میں ہے۔ اس لیے کہ اس کتاب میں  
گروہوں اور امتوں کے تمام اعمال کا ریکارڈ ہوگا جس کی موزوں تجیر و فریضی سے ہو سکتی  
ہے۔ (۳۲۰/۷)

‘کتب’ یہاں اور اق تو شہر کے معنی میں ہے۔ (۱۹۳/۵)

'کتاب مرقوم' وہ لکھا ہوا فترت ہے۔ یعنی اس میں تمام مجرمین کا سارا ریکارڈ بیکھری محفوظ کیا جاتا ہے۔ بیکھری کی قید سے مقصود اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نہ اس میں کسی سہو نسیان کا کوئی امکان ہے اور نہ اس کے جت ہونے میں کسی شہبہ کی گنجائش۔ (۲۵۷/۹)

'کتب مسطور' سے مراد یہاں تورات ہے۔ (۱۶۸)

کتاب منیر، سے مراد تورات ہے۔ قرآن سے پہلے کی نازل شدہ چیزوں میں سے تورات ہی ہے جو اس لفظ کا اصلی مصدق ہو سکتی ہے۔ (۲۲۱/۲)

### کوثر:

'کوثر' مبالغہ ہے 'ثُغْرَ' کا۔ 'ثُغْرَ' کے معنی دولت و ثروت کے ہیں (۳۰۱)۔ اس وجہ سے 'کوثر' کے معنی ہوں گے بڑی کثرت اور بڑی برکت و ثروت والا۔ یہ تسمیہ کے لیے بھی مستعمل ہے اور بطریق صفت بھی اس کا استعمال عام ہے۔

از روئے عربیت یہاں 'کوثر' کی تین تاویلیں ممکن ہیں:

۱۔ یہ اسمیت کی طرف منتقل ہو کر کسی خاص چیز کے لیے خصوص ہو گیا ہو جس کا نام اللہ تعالیٰ نے 'کوثر' رکھا ہو۔

۲۔ اس کو کسی ایسے موصوف مخدوف کی صفت مانیے جس کے ساتھ اس کو خصوصیت ہو۔

مثلاً کہتے ہیں 'مرد علی جرد'، یعنی رجال مرد علی خیل جرد، (نوخیز

جو ان اصل گھوڑوں پر) قرآن مجید میں ہے: والذاریات (الذاریات ۱/۵۱)

یعنی والریاح الذاریات (غمبار اڑانے والی ہواں کی قسم)..... لیکن یہ اسی

صورت میں جائز ہے جب صفت اس موصوف کے لیے اس طرح مخصوص ہو کر یا

تو صفت کا ذکر کرتے ہی موصوف ذہن میں آجائے یا کوئی واضح قرینہ اس کی طرف اشارہ کر دے۔

۳۔ تیری شکل یہ ہے کہ اس کو اسائے صفت کی طرح اس کے عوام ہی پر باتی رکھیے۔ اس صورت میں اس سے ہر وہ چیز مرادی جائے گی جس میں خیر کثیر ہو۔ البتہ قرآن کے اشارہ سے بعض افراد صفت پر اس کی دلالت زیادہ واضح ہو گی۔ لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب یہ دیکھیے کہ سلف نے اس کے کیا معنی لیے ہیں۔ ابن جریر<sup>(۳۰۲)</sup> نے ”کوثر“ کی تاویل میں تین قول نقل کیے ہیں:

- ۱۔ ”کوثر“ جنت میں ایک نہر ہے۔ یہ حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت انس، مجاهد اور ابو الفالیۃ سے مروی ہے۔
- ۲۔ ”کوثر“ سے مراد خیر کثیر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن جبیر، عکرمہ، قادہ، اور مجاهد سے مروی ہے۔
- ۳۔ ”کوثر“ جنت میں ایک حوض ہے۔ یہ عطاء<sup>ر</sup> سے مروی ہے۔

ان میں سے پہلے اور تیسرا قول میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حوض اسی نہر جاری کا ہو جس کا ذکر پہلے قول میں ہے۔ اس کے بعد صرف دو قول رہ جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے خاص چیز مرادی جائے، مثلاً حوض محشر، یا نہر جنت۔ دوسرا یہ کہ اس کو عام رکھا جائے تاکہ ہر وہ چیز مرادی جائے جس میں خیر کثیر ہو۔ (۵۹۲-۵۹۳)

**تکاثر:** تکاثر، کے معنی ہیں مال و اولاد کی کثرت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تجہیز و دو۔ (۵۲۴/۹)

## استکثار:

لفظ 'استکثار' دو معنوں میں معروف ہے۔ ایک کسی چیز کو زیادہ کرنے اور زیادہ چاہنے کے معنی میں، دوسرے کسی چیز کو زیادہ سمجھ لینے یا زیادہ گمان کر لینے کے معنی میں۔ پہلے معنی کے لیے نظرِ ولوکنٹ اعلم الغیب لاستکثرث من الخیر (الاعراف ۱۸۸) والی آیت میں ہے۔ دوسرے معنی کی وضاحت اہل لغت نے یوں کی ہے: استکثر الشی راه کثیراً او عده کثیراً<sup>(۲۰۳)</sup> (استکثر الشی کے معنی ہوں گے کسی چیز کو زیادہ خیال کیا یا شمار کیا) صاحب اقرب الموارد نے اسی معنی کو پہلے لیا ہے۔ میرے نزدیک آیت میں یہ اسی معنی میں آیا ہے۔ (۲۶/۹)

## کدح:

'کدح' کے معنی کسی کام میں پوری مشقت کے ساتھ کوشش کرنے کے ہیں۔ یہ نہایت بلغہ تعبیر ہے اس حقیقت کی کہ انسان جس دن سے وجود میں آتا ہے اسی دن سے اس کا سفر خدا کی تھہرائی ہوئی منزل یعنی موت کی راہ میں شروع ہو جاتا ہے اور یہ سفر بلا کسی توقف کے جاری رہتا ہے۔ موسم سخت ہو یا نرم، آدمی مریض ہو یا صحت مند، حالات مساعد ہوں یا نامساعد، کسی حال میں بھی یہ منقطع نہیں ہوتا۔ ولادت نے لے کر موت تک بچپن، مرابقہ، جوانی، ادھیڑپن، پیری اور ناتوانی کے مختلف مراحل آتے ہیں لیکن اس میں ایک منٹ بلکہ سینڈ کے لیے بھی وقفہ نہیں ہوتا۔ انسان قانون قدرت کی زنجیروں میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ وہ اس راہ میں نہ بھی چلتا چاہے جب بھی اس کو چنان پڑے گا اور اس بے بسی میں شاہ اور گدا، شریف اور وضع، میر اور مامور، نیک اور بد، سب یکساں ہیں۔ (۲۷۳/۹)

## انکدار:

‘انکدار’ کے معنی دھند لے ہو جانے اور ماند پڑ جانے کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد ستاروں کا بے نور ہو جانا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب سورج ہی کی بساط پیٹ دی جائے گی تو اس کے نظام سے وابستہ جتنے بھی بلب اور قتنے ہیں وہ سب آپ سے آپ بے نور ہو جائیں گے۔ (۲۱۹/۹)

## اکدی:

‘اکدی الحافر’ سے نکلا ہوا محاورہ ہے۔ ‘اکدی الحافر’ کا مفہوم یہ ہے کہ کھودنے والے کے آگے کھدائی کے وقت کوئی ایسی چنان آگی جس کو توڑنا اس کے لیے دشوار ہو گیا۔ (۷۵/۸)

## کذب:

‘کذب’ کئی معنوں میں آتا ہے۔ اگر کہیں ’کذب فلان‘ تو اس کے معنی جس طرح یہ ہو سکتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بولا اسی طرح یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس نے غلطی کی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اس نے توریہ کیا۔ اس کے صحیح مفہوم کا تعین اس کے سیاق و سبق سے ہوتا ہے۔ توریہ کا مفہوم اپنے مخالف کے سامنے اپنی بات کو اس طرح پیش کرنا ہے کہ مخاطب اس سے مغالطہ میں پڑ جائے۔ اور <sup>(۲۰۳)</sup> ہم نے ’استدراج‘ کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی اسی میں شامل ہے۔ اس توریہ کی نہایت لطیف و پاکیزہ مثالیں قرآن میں بھی موجود ہیں اور سلف صالحین کے اقوال میں بھی۔ سورہ یوسف کی تفسیر میں بعض عمدہ مثالیں گزر چکی ہیں۔ (۱۴۲/۵)

## کاذبة:

یہاں 'کاذبة' میرے زدیک 'عاقبة' اور 'عافية' کی طرح مصدر ہے لتنی اس کے واقع ہونے میں ذرا کسی شک و شبہ اور جھوٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ (۱۵۸/۸)

**کذاب:** 'کذاب' کے معنی ہیں جھوٹا، لپٹیا اور لاف زن۔ (۵۱۳/۶)

## کرب:

'کرب عظیم' سے مراد وہ غم والم بھی ہے جو اعدادے حق کی تتم رانیوں اور اذیتوں سے ایک مدت دراز تک ان کو اور ان کے مظلوم ساتھیوں کو لاحق رہا اور وہ عذاب عظیم بھی ہے جس میں بالآخر ان کی پوری قوم پتلا ہوئی۔ (۱۶۸/۵)

## کرم:

کرن کے معنی عربی لغت میں کسی چیز کی جبی جماں تک کے ہیں۔ اسی سے کرسی کا لفظ بن جو بیٹھنے کی جگہ یا چیز مثلاً تخت وغیرہ کے لیے استعمال ہوا۔ بیٹھنے کی جگہ یا چیز جب کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لیے خاص ہواں کے اقتدار کا مرکز ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کرسی کا لفظ اقتدار کی تعبیر کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ (۱۶۷/۴) (۵۸۷)

**کریم:** 'کریم' یہاں فیض بخش اور منفعت رسان کے مفہوم میں ہے۔ اہل عرب انگور کو 'کرم' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نام انہوں نے انگور کی غایت درج منفعت رسانی ہی کی وجہ سے رکھا ہے۔ (۲۹۹/۵)

**کریم (زوج):** 'زوج کریم' کے صحیح لغوی مفہوم فیض بخش ہے۔ (۱۲۲/۲)

**مکرمین:** دیکھیں "ضیف"۔

## کشط:

‘کشط’ کے اصل معنی کسی چیز کے اوپر سے اس چیز کے اتار لینے کے ہیں جو اس کو ڈھانکے ہوئے ہو۔ تین سے یہ ذیجہ کی کھال اتار لینے کے معنی میں ہونے لگا۔ اونٹ کی کھال کھینچ لینے کے لیے یہ عربی میں معروف لفظ ہے اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ ذیجہ کی کھال اتار لینے کے بعد اس کا گوشت سرخ نظر آنے لگتا ہے۔ گویا یہ آسان کے سرخ ہو جانے کی تعبیر ہے۔ سورہ رحمن میں ‘فکانت وردة کالدھان (۳۷) کے الفاظ آئے ہیں اور یہاں آگے کی آیت میں جہنم کے بھڑکائے جانے کا ذکر ہے جو نہایت واضح قرینہ اس بات کا ہے کہ آسان کی یہ سرفی جہنم کے بھڑکائے جانے سب سے ہوگی۔ (۲۲۳/۹)

## کشف (ساق):

‘کشف ساق’ شدتِ امر کی تعبیر کے لیے عربی کا معروف محاورہ ہے۔ شعراء جاہلیت نے مختلف طریقوں سے اس کو استعمال کیا ہے۔ حاتم کا مشہور شعر ہے۔

اخوا الحرب ان عضت به الحرب عضها  
وان شهرت عن ساقها الحرب شهرا (۳۰۱)

(مددوچ جنگ کا مردمیاں ہے۔ اگر جنگ اس پر حملہ آور ہوتی ہے تو وہ بھی اس سے نبرد آزمائھوتا ہے اور اگر گھسان کارن پڑتا ہے تو وہ بھی اس میں بے خطر کو دپڑتا ہے۔)  
اس شعر میں گھسان کے رن کے لیے ‘شهرت عن ساقها الحرب’ کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔

شدت امر کی تعبیر کے لیے اس محاورے کے وجود میں آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب کوئی بڑی بچل برپا ہوتی ہے تو اس وقت کنواریاں اور شریف زادیاں بھی اپنے پانچھ اخھا کر

بھائے پر مجبور ہوتی ہیں جس سے ان کی پنڈ لیاں اور ان کے پاؤں کے زیورات کمل جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

تنهل الشیخ عن بنیه و تبدی عن خدام العقیلة العذراء<sup>(۳۰۷)</sup>  
 (انکی پہل جو بڑھوں کو ان کی اولاد سے غافل کر دے گی اور کنواریوں کی پنڈ لیوں  
 اور ان کی پاز بیوں کو بے نقاب کر دے گی) (۵۲۸-۵۲۷/۸)

### وکواعب (اتر ابَاً):

‘وکواعب اتر ابَا’ یہ حوروں کا ذکر ہے۔ ان کی تعریف میں فرمایا کہ یہ اٹھتی ہوئی جوانیوں والی اور باہم دگر بالکل ہم سن ہوں گی۔ ہم نی آپس کی بے تکلفی، دل چھپی اور ہم طرح وہم ذاتی کے لیے ضروری چیز ہے۔ (۱۶۲/۹)

### نکفو:

‘نکفو’ کے معنی ہم سر، ذات، برادری کے ہیں۔ یعنی کوئی اس کے جوڑ کا نہیں۔  
 سب حقوق وہ خالق، سب محتاج وہ غنی، سب فانی اور وہ تہبا تی۔ (۶۵۲/۹)

### کافور:

‘کافور’ سے مراد یہاں معروف کافور نہیں ہے۔ قرآن نے خود وضاحت فرمادی ہے کہ یہ جنت کا ایک چشمہ ہے جس کے کنارے بیٹھ کر اللہ کے خاص بندے شراب نوش کریں گے اور اس چشمہ کے پانی کی ملوٹی سے اس کے کیف و سرور کو دو چند کریں گے۔ رہا یہ سوال کہ اس کا نام کافور کیوں رکھا گیا ہے تو ناموں سے متعلق اس طرح کا سوال اگرچہ پیدا نہیں ہوتا تاہم ذہن اس طرف جاتا ضرور ہے کہ اسکے معنی میں کوئی مناسبت ہوگی۔ یہ مناسبت کس نوع کی ہے؟ اس کا متعلق مشابہات سے ہے۔ اس کی اصل حقیقت اسی دن اور

انہیں خاص بندوں پر کھلے گی جن کو اسی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت حاصل ہوگی۔  
(۱۱۰/۹)

### کفر:

کفر کے معنی اصل لغت میں ڈھانکنے اور چھانے کے ہیں<sup>(۳۰۸)</sup>۔ قرآن میں یہ لفظ شکر کی ضد کی حیثیت سے بھی استعمال ہوا اور ایمان کے ضد کی حیثیت سے بھی۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ناشکری اور کفر ان نعمت کے ہوتے ہیں۔ دوسری صورت میں انکار کے غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ لفظ کی اصل روح ان دونوں معنوں کے اندر موجود ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ مطلق بھی استعمال ہوا اور اپنے مفعول کے ساتھ بھی۔ جہاں مفعول کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہاں تو تمعین طور پر اس مفعول ہی کا کفر و انکار مراد ہے۔ لیکن جہاں کسی مفعول کے بغیر مطلق صورت میں استعمال ہوا ہے وہاں بالعموم تو ان تمام چیزوں کے انکار کے معنی میں استعمال ہوا ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے لیکن کہیں کہیں ناشکری اور کفر ان نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جس کا پتہ قرینہ اور موقع محل سے چلتا ہے۔ (۱۰۶/۱)

”کفور“ اور ”خوان“ کا اجتماع دیکھیں ”خوان“۔

**کافہ:** ”کافہ“ کے معنی جماعت کے ہیں اور یہاں<sup>(۳۰۹)</sup> حال پڑا ہوا ہے۔ قرآن میں دوسرے مقامات میں بھی یہ اسی شکل میں استعمال ہوا ہے<sup>(۳۱۰)</sup>۔ (۳۹۸/۱)

### تکلیب:

”کلب“ کتے کو کہتے ہیں۔ اسی سے تکلیب، بنالیا ہے جس کے معنی کتے کو شکار کی

ثرینگ دینے کے ہیں۔ ابتداء تو یہ لفظ اسی معنی کے لیے استعمال ہوا تھا مگر اس کا استعمال شکاری جانوروں کی تربیت کے لیے عام ہو گیا، خواہ کتاب ہو یا شکاری درندوں اور پرندوں میں سے کوئی اور جانور۔ (۳۲۰/۲)

### کلمہ (من الله):

کلمہ من الله، سے مراد حضرت علیہ السلام ہیں۔ (۸۰/۲)

### کلمہ (باقیہ):

‘کلمہ باقیہ’ سے مراد پائدار اور باتی رہنے والی روایت (tradition) ہے۔

(۲۲۳/۷)

**کلمہ (طیبة):** ‘کلمہ طیبة’ سے کلمہ توحید اور اس پرمنی عقائد و نظریات مراد

ہیں (۳۲۳/۲)

### الكلم (الطيب):

حضرت ابن عباسؓ نے ‘الكلم الطيب’ سے کلمہ ایمان ہی مراد لیا ہے<sup>(۳۱)</sup> اور یہاں اس کے پہلو بہ پہلو عمل صالح کا ذکر خود اس بات کی شہادت ہے کہ اس سے کلمہ ایمان ہی مراد ہے۔ لفظ طیب اس کلمہ کی زرخیزی و ثمر باری کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس لیے کہ فلسفہ دین کے نقطہ نظر سے یہی کلمہ تمام علم و حکمت کی جڑ ہے۔ جس نے اس کو پالیا اس نے تمام علم و حکمت کے خزانے کی کلید پالی اور یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں لازم و ملزم ہیں۔ جس طرح ایمان کے بغیر عمل کی کوئی بنیاد نہیں اسی طرح علم کے بغیر ایمان ایک

بے جان شے ہیں۔ (۳۶۳/۶)

## کلمات:

کلمات کلمہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی مفرد لفظ کے بھی آتے ہیں اور پوری بات کے بھی۔ یہاں کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہیں جو اس نے حضرت ابراہیمؑ کی عزیت و استقامت کے امتحان کے لیے ان کو دیے اور انہوں نے بے چون و چہ ان کی قبولی۔ (۲۲۲/۱)

چونکہ ہر نشانی اللہ کے کلمہ 'کن'، کامظہر ہے اور ہر نشانی اپنی زبانِ حال سے ناطق بھی ہے اس وجہ سے یہاں نشانیوں کو کلمات سے تبیر فرمایا ہے اور یہ تبیر نہایت ہی معنی خیز تبیر ہے۔ (۱۳۲/۵)

'کلمت الله' سے مراد خدا کے وعدے ہیں۔ (۶۶/۲)

## (علیہ) کم:

'علیکم' ضمیر مذکور جمع کا استعمال عربی زبان کے شائستہ انداز خطاب کی مثال ہے۔ عورتوں کے اس انداز خطاب پر پردہ داری اور احترام کی جوشان ہے وہ محتاج اطہار نہیں۔ قرآن مجید اور کلامِ عرب میں اس کی نہایت واضح اور لطیف مثالیں موجود ہیں۔ سورہ الحزاب میں ہے:

بِرِيدَ اللَّهِ لِيَنْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ      اللَّهُ چاہتا ہے کہ تم سے دور کرے ناپاکی کو  
أَهْلُ الْبَيْتِ وَيَطْهُرُكُمْ      اے اہل بیت نبی اور تم کو پاک کرے اچھی  
تَطْهِيرًا<sup>(۳۱۲)</sup>      طرح۔

امرِ القیس کا ایک شعر بھی قابل ذکر ہے:

قد کان اهل الدار فیها کعہدنا و جدت مقیلاً عندهم و معرساً<sup>(۳۲۳)</sup>

(۱۵۶/۳)

### (ک) مَا:

کما، عربی زبان میں 'کذا'ک، کدا'بک اور گما، بسا اوقات واقعہ کی مہاذکت واقعہ سے ظاہر کرنے کے لیے بھی آتے ہیں۔ ایسی صورت میں معین الفاظ کے اندر ان کا مشبہ اور مشبہ بنهیں ہوتا بلکہ بحیثیت مجموعی واقعہ کے اندر ہوتا ہے۔ 'کذا'ک'بقرہ کی آیت ۱۲۳ میں اسی نوعیت سے آیا ہے۔ امرالقیس نے اپنے مشہور قصیدہ میں پہلے اپنی ایک سرگزشت عشق بیان کی اس کے بعد 'کدا'بک من ام الحویرث قبلها،<sup>(۳۲۴)</sup> کہہ کر اپنی اسی طرح کی دوسری سرگزشتیوں کا ذکر شروع کر دیا کہ اسی طرح کامیاب اس کو فلاں اور فلاں کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے۔ (۳۲۳/۳)

### (ک) مَا:

'کما' میں 'ک' حرف تشبیہ ہے۔ اس وجہ سے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تشبیہ کس چیز کی دی گئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ "کما" تقریباً اسی موقع میں استعمال ہوا ہے جس موقع میں ہم "چنانچہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم نے یہ قبلہ کی تحویل اسی طرح اتمامِ نعمت اور ملکت ابراہیم کی طرف رہنمای کے لیے کی ہے جس طرح دعائے ابراہیم کے مطابق انہی مقاصد کے لیے ایک رسول تمہارے اندر بھیجا ہے۔ اس آیت پر آیت ۱۲۹ کے تحت ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔ یہ

بنی اساعیل پر ایک خاص فضل و کرم کا اظہار ہے کہ تم دین و شریعت سے نا آشنا امی لوگ تھے، خدا نے تمہاری تعلیم و ہدایت کے لیے اس پیغمبر کو بھیجا ہے تو تمہیں تو اس کی سب سے زیادہ قدر کرنی چاہئے۔ (ار ۷۷)

**کنسود:** 'کنسود' کے معنی ہیں ناشکرا، ناسپاس، تنہاخور، اپنے مالک اپنے مالک کی عنایتوں کا ناقدر را۔ (۵۰۲/۹)

### کنسس:

'کنسس'، جمع ہے 'کانس'، کی 'کنس الظبی' کے معنی ہوں گے ہر ان اپنے مامن میں چھپ گیا۔ 'کنسنت النجوم' کے معنی ہوں گے کہ ستارے اپنے مدار میں چلے اور چل کر اپنے ٹھکانوں میں روپوش ہو گئے۔ صاحب اقرب الموارد (۳۱۵) نے وضاحت کی ہے کہ یہ صفت تمام ستاروں کی مشترک صفت ہے۔ (۲۲۶/۹)

### اکنہ:

'اکنہ'، یعنی اور کنان کی جمع ہے۔ اس کے معنی پرده اور ڈھکنے کے ہیں۔ 'وقر'، بوجھ، ثقل اور گرانی کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے وہ گرانی مراد ہے جو کانوں کو بہرہ کر دے۔ (۳۲۳) 'اکنہ' 'کنان' کی جمع ہے جس کے معنی پرده کے ہیں۔ (۵۰۹/۳)

### کھل:

'کھل'، کے معنی اوہیز کے ہیں۔ موجودہ انجیلوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اوہیز ہونے سے بہت پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے لیکن قرآن کی اس

آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم کو ضمناً حضرت عیسیٰ کی کہوت تک پہنچنے کی بھی بشارت دی گئی تھی۔ رسولوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جوست رہی ہے اس کے لحاظ سے یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ انحصار میں بھی بعض اشارات اس کی تائید میں ہیں۔ مثلاً یوہنا ۸۷ء میں ہے:

”اور یہودیوں نے اس سے کہا تیری عمر تو ابھی پچاس برس کی بھی نہیں ہے پھر کیا تو نے ابراہام کو دیکھا ہے۔“

ظاہر ہے کہ یہ بات ایسے ہی شخص کو مخاطب کر کے کہی جاسکتی ہے جو پچاس سال کے

قریب پہنچ رہا ہو۔ (۹۲-۹۳ء)

## اکواب:

’اکواب‘، جمع ہے ’کوب‘ کی۔ ’کوب‘ اور ’کپ‘ (CUP) ایک ہی چیز ہے۔

یہ پیالے، آب خورے، جام سب کے لیے آتا ہے۔ (۳۳۳/۹)

## تکویر:

’تکویر‘ کے معنی کسی شے کو لپیٹ دینے یا ایک گھر کی صورت میں باندھ لینے کے

ہیں ’کوَرَ العمامةَ علَى رَاسِهِ‘ کے معنی ہیں اس نے عمامة اپنے سر لپیٹ لیا۔ (۲۱۹/۹)

## مکانة:

’مکانة‘ کے معنی جگہ، منزلت اور مقام کے ہیں۔ قرآن میں یہ جگہ ہی کے معنی میں

\* ’اکواب‘ کے معنی ’پیالوں‘ کے ہیں۔ (۲۵۲/۷)

’اکواب‘، ’کوب‘ کی جمع ہے اور ’کوب‘ اور ’کپ‘ (CUP) ایک ہی چیز ہے۔ (۱۶۳/۸)

استعمال ہوا ہے۔ مثلاً لونشاء لمسخنہم علی مکانتہم — یس ۷ (اگر چاہتے ان کی جگہ ہی پران کو مسخ کر دیتے) طریقہ کامفہوم اس لفظ کے لوازم میں سے ہے۔ جب ہم کہیں گے تم اپنی جگہ کام کرو، میں اپنی جگہ کام کرتا ہوں تو طریقہ کامفہوم اس کے اندر آپ سے آپ پیدا ہو جاتا ہے۔ (۱۶۹/۳)

### استکانۃ:

‘استکانۃ’ اور ‘تضرع’ میں ظاہر و باطن کا فرق ہے۔ ‘استکانۃ’ دل کی شکستگی و خشگی کی تعبیر ہے اور ‘تضرع’ سے مراد وہ گریہ وزاری اور دعا و فریاد ہے جو ‘استکانۃ’ کے نتیجے کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ (۳۳۸-۳۳۷/۵)

**تمکین:** تمکین فی الارض ’ سے مراد اقتدار و صولات و بد بہ ہے۔ (۶۵۷/۵)

### لات:

اصل میں ‘لا’ ہے البتہ اس کے ساتھ ‘ت’ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح کا اضافہ ‘ثم’ اور ‘رب’ کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ اس صورت میں یہ وقت کی نفی کے لیے خاص ہو جاتا ہے جس طرح یہاں ہے۔ (۵۱۲/۶)

**لبد:** ‘لبد’ جمع ہے ‘لبذۃ’ کی، جس کے معنی کسی تدبیرتہ اور حکم گھاشے کے ہیں۔ (۶۲۶/۸)

### لبس (الثوب):

لبس ثوب کے معنی ہیں اس نے کپڑا پہن لیا۔ لبس الامر علیہ کے معنی ہیں اس نے معاملہ کو گذرا دیا۔ لبسہم کے معنی ہوں گے، ان کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملٹ کر دیا یا ہمدرکھرا دیا۔ (۳۱۶) قرآن مجید میں ہے اور یلبسکم شیعًا (۳۱۷) (یا تمہیں گروہ دو

گروہ کر کے ایک دوسرے کے ساتھ مکارا دے)

لبس الشیء بالشیء کے معنی ہوتے ہیں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ خلط ملٹے اور گذٹ کر دیا۔ آیت زیر بحث<sup>(۲۸)</sup> میں حق پر باطل کوڑھا نک دینے کا مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے۔ لبس کے اصل معنی میں یہ دونوں مفہوم مضمون ہیں اور یہاں یہ دونوں ہی بتتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ اسلوب دوسری جگہ بھی استعمال ہوا ہے مثلاً فرمایا ہے:

الذین آمنوا ولم يلبسو ايمانهم	جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے
ظلم اولنک لهم الامن و هم	ایمان کو شرک سے آلووہ نہیں کیا ان کے
ليے ان ہے اور وہ راہ یاب ہونے والے	مهتدوں (الانعام ۸۲)
	ہیں۔ (۱۸۳/۱)

**لبس:** لبس کے معنی خلط، یعنی ملانے اور گذٹ کرنے کے ہیں۔ (۷۱/۳)

**اللات:** دیکھیں ”اللات“.

### الحاد:

الحاد کا الفظ یہاں صفات الہی کی بے حرمتی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ عربی میں اگر کہیں ”فَلَانَ الْحَدْفُ فِي الْحُرْمَ“ تو اس کے معنی ہوں گے ”استحل حرمتہ و انتهکھا“۔ بُلْهُدُون فِي اسْمَانَةٍ کے معنی ہوئے جو خدا کی صفات کی بے حرمتی و بے توقیری کرتے ہیں یعنی اس کے ساتھ ایسی صفات کا جوڑ لگاتے ہیں جو اس کی ذات و صفات کی اہانت کرنے والی ہیں اور جن سے وہ پاک و برتر ہے۔ (۲۹۹/۳)

### الحاف:

الحاف کے معنی پیٹ کر سوال کرنے کے ہیں۔ لا يسئلُونَ النَّاسُ الْحَافَ (وہ

وگوں سے پٹ کر سوال نہیں کرتے) میں اصل معقصود سوال کرنے کی نفی ہے، الحاقاً کی قید اس کے ساتھ صرف سوال کرنے والوں کی عام حالت کی تصویر اور اس کے گھونے پن کے اظہار کے لیے لگائی ہے۔ مثلاً فرمایا ہے کہ لا تقتلوا اولاد کم خشیہ املاق (۳۱۹) (انپی اولاد کو فقر کے اندر بیشے سے قتل نہ کرو)۔ (۶۲۳/۱)

**لَحْمٌ:** دیکھیں ”فَاكَهَة“۔

**لَحْنٌ:**

”لحن‘، توریہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی آدمی بات اس طرح کرے کہ اپنے دل میں تو اس کا مفہوم کچھ اور رکھے لیکن دوسرے کو اس کا کچھ اور مفہوم سمجھانے کی کوشش کرے۔ (۷۲۲/۷)

**الد (الخصام):**

”خصام‘، ”خصم‘ کی جمع ہے اور الد کے معنی شدید الخصومة کے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف سورہ منافقون میں هم العدوُ فاحذر هم (اصل دشمن وہی ہیں، ان سے نجع کر رہو) کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ مزید دیکھیں ”قوماً لَذَا“ (۳۹۵)

**لَازِبٌ:** دیکھیں ”طین لازب“۔

**لسان:**

”لسان صدق‘، میں ”لسان‘ سے مراد ذکر، چرچا اور شہرت ہے۔ لفظ ”صدق‘، کے اندر رسوخ، پائداری اور استحکام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہ اسی طرح کی ترکیب ہے جس طرح دوسرے مقام میں ”قدم صدق‘، کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ (۶۱۲/۳)

**لظنی:** ”لطی“ کے معنی شعلے کے ہیں۔ (۵۶۹/۸)

### لعل:

”لعل“ مختلف معنوں کے لیے آتا ہے جن میں سے کسی چیز کے ممکن و متوقع نتیجے کے بیان کے لیے بھی اس کا استعمال مشہور و معروف ہے، ہم نے اس کو اسی معنی میں یہاں لے لیا ہے اور جس سیاق میں یہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے ہمارے نزدیک اس کا بھی معنی صحیح ہے۔ (۱۳۷/۱)

**ملعونہ:** دیکھیں ”شجرۃ ملعونة“۔

**لغو:** ”لغو“ سے مراد وہ باتیں اور کلام ہیں جو ثقہ و نجیدہ لوگوں کے شایان شان نہ ہوں۔ (۳۹۰/۵)

### لقع:

”لقع“ کے معنی باردار اور حاملہ کرنے کے ہیں۔ اسی سے ”لاقحة“ اور اس کی جمع ”لواقع“ ہے ریاح، موئی ہواں کو کہتے ہیں جو بادوں کو باردار کرتی اور بارش کا سبب بنتی ہیں۔ (۳۵۲/۲)

### لقف:

”لقف“ کے معنی کسی چیز کو جلدی نکلنے اور ”افک یا فک“ کے معنی جھوٹی اور خلاف واقعہ بات کہنے یا کرنے کے ہیں۔ (۳۳۶/۳)

### لقمان:

یہ کون تھے؟ بعض لوگوں نے ان کو جبشی لنسل قرار دیا ہے لیکن یہ بات ہمارے

نہ دیکھ سچ نہیں ہے۔ محمد بن اسحاق نے ان کا نسب سیدنا ابراہیم سے ملایا ہے۔ لیکن یہ بات بھی سچ نہیں معلوم ہوتی۔ شعرائے جاہلیت میں سے طرف بن عبد اور سلٹی بن ربیعہ نے اپنے شعروں میں ان کا اور ان کے قبیلہ کا ذکر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہیں میں ان کو اور ان کی قوم کو بڑی شان و شوکت حاصل تھی اور یہ قوم عاد کے بقايا میں سے تھے۔

بعض لوگوں نے ان کو نبی قرار دیا ہے لیکن مذہب جمہور یہ ہے کہ یہ نبی ہیں بلکہ ایک حکیم تھے۔ عرب کے لٹریچر سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اور قرآن نے بھی ان کا ذکر ایک حکیم ہی کی حیثیت سے کیا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ بعض شعراء نے اپنے شعروں میں ان کی اس نصیحت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کا حوالہ قرآن نے دیا ہے لیکن دم تحریر میرے پاس حوالہ کی کتابیں نہیں ہیں اس وجہ سے میں اس باب میں کوئی بات دو حق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ (۲۲۰)

بعض سورخین نے ان کو بادشاہ مانا ہے۔ بادشاہ نہ سمجھ لیکن ان کو سرداری کا منصب ضرور حاصل تھا۔ شعرائے جاہلیت نے جس انداز سے ان کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہیں میں اپنے قبیلہ پر ایک پورسرانہ قسم کی سرداری حاصل تھی۔ (۱۲۵/۶)

### القاء:

”القاء“ عربی میں وسیع معنوں میں آتا ہے یہ جس طرح زمین پر کسی چیز کے ڈال دینے یا پھینک دینے کے معنی میں آتا ہے اسی طرح پانہ سے پھینکنے، کوئی ہنر دکھانے یا کوئی کرتب دکھانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اما ان تُلُقی و اما ان تكون اول من القی، ”ساحروں نے حضرت موسیٰ“ سے کہا کہ یا تو تم پہلے اپنا کرتب دکھاؤ یا پھر ہم ہی اپنا ہنر دکھاتے ہیں۔ (۷۸/۵)

‘القاء’ کا لفظ بہاں پیش کرنے اور دکھانے کے مفہوم میں ہے جس طرح پانے اور جوئے کے تیر پھیکلے جاتے ہیں اسی طرح سارے بھی کوئی چیز ناظرین کے سامنے پھینکتے ہیں اور اس پر اپنا جادو دکھاتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس کے لیے لفظ ‘القاء’ کا استعمال موزوں ہوا۔ (۳۲۶/۳)

### تلقیٰ:

‘تلقیٰ’ کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوبہ کے یہ الفاظ حضرت آدم علیہ السلام کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ان الفاظ کا حوالہ بھی ہے۔ قال ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنكون من الخسررين (الاعراف ۲۳) (اور ان دونوں نے دعا کی کہ اے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشنے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم بر باد ہونے والوں میں سے بن جائیں گے) (۱۶۹/۱)

### (یوم) التلاق:

‘یوم التلاق’ سے مراد روزِ قیامت ہے اس لیے کہ اس دن سب کی پیشی خدا کے آگے ہونی ہے۔ (۲۵/۲)

**لکن:** ‘لکن’ استدرائک کے لیے ہے اس وجہ سے اس کا موزوں ترجمہ ‘البٹہ’ ہو گا۔

(۵۷۶/۶)

**لہز:** ‘لہز’ کے معنی عیب اگانا، ہجکرنا، مذمت کرنا ہے۔ (۶۱۳/۳)

**لَمْ:** ‘لَمْ’ کے معنی جمع کرنے اور سمینے کے ہیں۔ (۳۵۹/۹)

## العام:

‘العام’ اور ‘الم’ کے اصل معنی کسی جگہ دیر کے لیے اترپڑنے کے ہیں۔ مجاہد اور ان عباس سے ‘لمم’ کا مفہوم یہ نقل ہوا ہے کہ آدمی کسی گناہ میں آلو دہ تو ہو جائے لیکن پھر اس سے کنارہ کش ہو جائے<sup>(۲۸۱)</sup>۔ (۱۷۸)

**لہٹ:** لہٹ، کے معنی زبان نکالنے کے ہیں اور اس کا غالب استعمال کتے کے لیے ہے۔ (۳۹۷/۳)

## (ذات) الواح (وذسر):

(اس) سے مراد ظاہر ہے کہ وہ کشتی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے، اللہ تعالیٰ کی خاص ہدایت کے تحت بنائی۔ (۹۸/۸)

## لوط:

حضرت لوٹ حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہیں۔ یہ جس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے وہ شام کے جنوبی علاقہ میں دریائے اردن کے ارد گرد آباد تھی۔ دعوت کے اعتبار سے تو یہ لوگ ان کی قوم تھے لیکن باعتبار نسب اور قبیلہ حضرت لوٹ ان سے الگ تھے۔ (۳۰۶/۳)

**(نفس) لواحہ:** ‘نفس لواحہ’ سے مراد کوئی علیحدہ اور مستقل نفس نہیں ہے بلکہ یہ نفس انسانی ہی کا ایک الگ پہلو ہے۔ (۷۹/۹)

## الوان:

‘الوان’ عربی میں صرف رنگوں ہی کے مفہوم میں نہیں آتا بلکہ انواع و اقسام کے

مفہوم میں بھی آتا ہے۔ (۳۷۵/۲)

## لئی:

‘لوی’ کے معنی کسی چیز کو بُٹنے، توڑنے مروڑنے اور اینٹھنے کے ہیں۔ یہ لئون  
الستہم بالکتب<sup>(۳۲۲)</sup> کے معنی یہ ہوئے کہ کتاب الہی کے بعض الفاظ ادا کرتے ہوئے  
وہ اپنی زبان اس طرح توڑتے موڑتے ہیں کہ الفاظ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ (۱۲۸/۲)

**لیلۃ:** دیکھیں ”لیلۃ القدر“۔

**لیالی:** لیالی، کا لفظ یہاں شب و روز دونوں پر حاوی ہے۔ (۶۳۸/۳)

**لینہ:** لینہ، کھجور کے مشہد رخت کو کہتے ہیں۔ (۲۸۹/۸)

## مثُل:

‘مثُل’ سے مراد یہاں عالم غیب اور آخرت کے وہ حقائق ہیں جو تمثیل کے رنگ میں  
اوپر لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے سنائے گئے ہیں۔ (۵۹۷/۳)

‘مثُل’ کے معنی مثال اور نمونہ کے ہیں۔ ‘مثال’ بھی اچھی اور بری دونوں ہو سکتی  
ہے۔ (۲۳۹/۷)

‘امثال’ سے اشارہ ان تمام امثال و واقعات کی طرف ہے جو اوپر مذکورہ ہوئے ہیں۔

## امثل:

‘امثل’ کے معنی افضل و برتر کے ہیں۔ یہاں<sup>(۳۲۳)</sup> یہ لفظ بطریق تعریض استعمال  
ہوا ہے یعنی ان کے اندر جو سب سے زیادہ لال بھکڑہ مانا جاتا ہو گا وہ اپنی اندازہ دانی کا یہ  
شبوت فراہم کرے گا! (۹۱/۵)

**مُثْلٰی:** 'مُثْلٰی'، 'امثل' کی مؤنث ہے۔ اس کے معنی اعلیٰ، عمدہ اور برتر کے ہیں۔  
(۶۳/۲)

**مُثْلٰت:** 'مُثْلٰه' کی جمع ہے۔ اس کے معنی عقوبت اور عبرت انگیز عذاب کے ہیں۔  
(۲۸۳/۳)

### تماثیل:

'تماثیل'، 'تمثال' کی جمع ہے۔ 'تمثال' کسی چیز کی مصور یا کندہ کی ہوئی صورت، شبیہ یا اس کے پیکر اور مجسمہ کو کہتے ہیں۔ یہ صورت بے جان چیزوں کی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً کسی دریا، پہاڑ، درخت، جہاڑی پھول وغیرہ کی اور حقیقی یا فرضی جاندار چیزوں کی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً انسان، فرشتے، جنات اور حیوانات وغیرہ کی۔ تورات کی کتاب سلاطین سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ان دونوں ہی قسموں کی تماثیل بناؤئیں۔ مثلاً اُن کے محل کے ذکر کے سلسلہ میں ہے:

”اور ان حاشیوں پر جو پڑوں کے درمیان تھے شیر و نیل اور کزوہبی بنے تھے۔“ سلاطین ارب ۷۔ ۲۹۔

اسی طرح یہیکل کی تعمیر کے بیان میں ہے:

”اور الہام گاہ میں اس نے زیتون کی لکڑی کے دو کزوہبی دس دس ہاتھ اوپنچ بنائے اور کزوہبی کا ایک بازو پانچ ہاتھ کا اور دوسرا بازو بھی پانچ ہاتھ کا تھا۔“

”اور اس گھر کے اندر دیوار تھا جس پر لو اور کھلے ہوئے پھول کندہ کیے گئے تھے۔“ سلاطین: باب ۶۔ ۱۸۔

”اس گھر کی دیواروں پر گرد اگرد، اندر اور باہر کڑویوں اور کھجور کے درختوں اور کھلے ہوئے پھولوں کی صورتیں کند کیں۔“ سلاطین: ب ۲۰-۶

جہاں تک بے جان چیزوں کی صورتوں اور مورتوں کا تعلق ہے ان کے جواز میں تو کوئی اختلاف رائے نہیں ہے، لیکن جاندار چیزوں، بالخصوص فرشتوں کی مورتوں کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو کس طرح جائز سمجھا۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے، جیسا کہ عام طور پر ہمارے مفسرین نے دیا ہے، کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں تو یہ جواب توارت سے ناداقیت پرمنی ہے۔ تورات میں ان چیزوں کی حرمت نہایت واضح الفاظ میں وارد ہوئی ہے۔ خروج ۲:۵۵-۲:۴۰ میں ہے:

”خداوند تیرا خدا جو تجھے زمین مصر سے، غلامی کے گھر سے، نکال لایا،  
میں ہوں۔ میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لیے  
کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت، جو اوپر آسان پر یا نیچے زمین پر یا پانی  
میں زمین کے نیچے سے، مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تیس مت جھکا اور  
نان کی عبادت کو کیوں کہ میں تیرا خدا عظیور خدا ہوں۔“

دیکھ لجھتے اس میں نہایت واضح الفاظ میں صورت یا مورت بنانے کی ممانعت ہے۔ اس وجہ سے یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ تجھلی شریعتوں میں یہ چیزیں جائز تھیں، صرف اسلام میں یہ حرام قرار دی گئی ہیں۔ (۲۰۲/۳)

**مجید:** ’مجید‘ کے معنی بزرگ، برتر اور باعظمت کے ہیں۔ (۷/۵۲۳)

### تمحیص:

تمحیص کے معنی کسی چیز کو میں کچیل اور کھوٹ سے بالکل پاک صاف کر دینا

ہے۔ م Hussn al-Zahab bil-Nur کے معنی ہوں گے سونے کو غل و غش اور کھوٹ سے پاک صاف کر دیا۔ (۱۸۱/۲)

### حق:

حق کے معنی گھٹانے اور منانے کے ہیں۔ اسی سے 'محق اللہ اشیٰ' نکلا جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اس چیز کی برکت منادی۔ (۶۳۵/۱)

حدّ: حد کے معنی ڈھیل دینے اور کسی کی رسی دراز کرنے کے ہیں۔ (۱۲۰/۱)

### فلیحمدہ:

آسمان میں رسی تانا آخربی اور انتہائی تدبیر کردیکھنے کے لیے اسی طرح کا ایک استعارہ ہے جس طرح ہماری زبان میں تھنگلی لگانے کا استعارہ ہے۔ سورہ انعام میں بھی آسمان میں تھنگلی لگانے کا استعارہ گذر چکا ہے۔ فرمایا ہے۔

وَإِن كَانَ كَبُرُ عَلَيْكَ أَعْرَاضُهُمْ فَإِنْ  
أَغْرِيَنَ لَوْگُوں کا اعراض تم پر ایسا ہی شاق  
گزر رہا ہے تو اگر تم زمین میں کوئی سرگ یا  
استبطعت ان تبتغى نفقاً فی الارض  
آسمان میں کوئی سیر ہی لگا کر ان کے لیے کوئی  
او سَلَماً فی السماءِ فتاتیہم بایہ ط  
نشانی لا سکوت لا دو! اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو  
ولو شاء اللہ لجمعہم على الهدی  
فَلَا تَكُونُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ (انعام: ۳۵)  
مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنو!

زہیر اور اعاشی نے بھی انتہائی اور آخری جدوجہد کے مفہوم کے لیے یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ زہیر کا مصرع ہے:

ولو نال اسباب السماء بسلم (۳۳۳)

اسی طرح اُشی کہتا ہے:

ورقیت اسباب السماء بسلم<sup>(۲۲۵)</sup> (۲۲۶-۲۲۵/۵)

**مَدِينَة:** 'مدينة' سے مراد اصل شہر ہے جو شرق اور عین کام رکز اور حکومت کا مستقر تھا۔ (۲۲۳/۵)

**مرج:**

'مرج' کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور فرات کے معنی ہیں غایت درجہ شیریں و خوشگوار۔ (۳۷۸۵)

**مارج:** 'مارج' کے معنی شعلہ کے ہیں۔ شعلہ آگ کا خلاصہ ہوتا ہے۔ (۱۳۲/۸)

**(امر) مربیع:**

'امر مربیع' کی تشریح اہل لغت 'امر مختلط' یا 'امر ملتبس' کے الفاظ سے کرتے ہیں، یعنی ایک ایسی صورت حال جس میں نہایت واضح قسم کا تناقض و تضاد ہو۔ 'مرج' کی معنی 'خلط'، یعنی گذمہ کر دینے کے ہیں۔ سورہ رحمان میں ہے۔ 'مرج البحرين یلتقین'، (۱۹) (اس نے کھاری اور شیریں دونوں قسم کے دریا چھوڑے جو آپس میں مٹکراتے ہیں)۔ (۷/۵۳۶)

**مرح:**

'مرح' کے معنی اکڑ کر اور اتر اکر چلنے کے ہیں۔ جو شخص اکڑ کر اور اتر اکر چلتا ہے وہ زمین پر پاؤں مارتا ہوا اور گردن کو اٹھا کر چلتا ہے۔ یہ متکبرین اور مغروف کی چال ہے۔ (۵۰۲/۳)

## مراد:

مراد علی النفاق، مرد و استمر علیہ، یعنی نفاق میں نہایت شاطر، مشاق اور پخت کار ہو گئے ہیں اور اس مہارت سے انہوں نے اپنے اوپر اسلام کا نمائش رنگ چڑھایا ہے کہ مسلمانوں کو بڑی کامیابی سے دھوکا دے دیتے ہیں۔ (۶۲۷/۳)

**مرید:** 'مرید' کے معنی شری و خبیث اور صحری عن الخیر یعنی لاخیر کے ہیں۔ (۲۰۹/۵)

## (ذو) مرد:

'ذو مرد' یعنی وہ اپنی عقل اور اپنے کردار میں نہایت محکم ہے<sup>(۳۲۱)</sup>۔ اس کا امکان نہیں ہے کہ وہ کوئی دھوکا کھاسکے یا کوئی اس کو دھوکا دے سکے یا وہ کسی کے ہاتھ بک سکے اور کوئی اس کو خرید سکے۔ یہ لفظ اخلاقی و عقلی برتری کے لیے آتا ہے۔ (۵۲۸)

## مرض:

مرض کا لفظ قرآن میں عموماً دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک کینہ اور حسد کے معنی میں۔ دوسرے نفاق کے معنی میں۔ جن مقامات میں یہ لفظ نفاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہاں تو یہ واضح طور پر کینہ اور حسد کے معنی میں ہے لیکن جن مقامات میں یہ تہا استعمال ہوا ہے وہاں یا تو دونوں معانی اس کے اندر جمع ہیں یا قرینہ اس کے دونوں معانی میں سے کسی ایک معنی کو تعین کرتا ہے۔ یہاں واضح قرینہ اس بات کے لیے موجود ہے کہ اس سے مراد حسد ہے کیوں کہ یہاں جس گروہ کا بیان ہے آگے چل کر واضح ہو گا کہ یہ یہودی کے اندر کا ایک گروہ ہے اور یہود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں سے جو

حد تھا وہ معلوم مشہور ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔ (۱۱۹/۱)

‘مرض’، قرآن میں حد کی تعبیر کے لیے بھی آیا ہے اور نفاق کی تعبیر کے لیے بھی۔ (۲۲۳/۵)

### امتراء:

امتراء، ‘مری’ سے ہے جس کے معنی مختہ، ملنے، نجوز نے کے ہیں ‘امتری اللین’ کے معنی ہوں گے اس نے تھن سے دودھ نجوڑا۔ یہیں سے یہ لفظ اس بحث و جدال کے لیے استعمال ہوا جس میں کوئی کٹ جھتی کرنے والا مناظر اس بات میں سے بھی شک و اعتراض کا کوئی پبلونکاں ہی لے جس میں اعتراض و بحث کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ (۱۹/۳)

‘امتراء’ کے اصل معنی بکری کے تھن کو اچھی طرح نجوز نے کے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ کٹ جھتی کر کے کسی بات کو بنتگڑ بنا نے اور اس میں طرح طرح کے اوہام و ٹکوک پیدا کرنے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ (۶۳۹/۳)

### مزاج:

‘مزاج’ کے معنی ملونی کے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بعض اوقات لذت، خوبصوریاں ان کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے بعض چیزیں ان کے استعمال کے وقت ملائی جاتی ہیں۔ شراب میں بھی اس طرح کی ملیبوں اور بعض دوسرے لوازم کا ذکر عرب شعراء کرتے ہیں۔ اہل جنت کی شراب میں یہ ملونی پشمہ کافور کے آب زلال کی ہوگی۔ (۱۱۰/۹)

### مسح:

‘مسح’ کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں اور حرف ‘ف’ اس طرح کے موقع میں

احاطہ کے مفہوم پر دلیل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کا مسلک تو معلوم ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کے قائل ہیں۔ اگرچہ عمامہ وغیرہ کی صورت میں رفع زحمت کے پہلو سے سر کے جزوی حصے کا مسح بھی کافی ہے۔ (۳۶۹/۲) 'مسح'، 'قتل کرنے' کے معنی میں بھی معروف ہے۔ (۵۳۲/۶)

### **مسیح:**

مسح حضرت عیسیٰ کا لقب ہے۔ لقب کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ نام سے پہلے اس کو لاتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں یہ روایت رہی ہے کہ ان کے ہاں جونبی ہونے والا ہوتا اس کے سر پر اس کا پیشوں نبی ایک قدم کا مقدس تیل مل کر اس کو اپنا جانشین بناتا۔ جب نبوت کے ساتھ ان کے ہاں بادشاہی کا سلسلہ شروع ہوا تو مسح کرنے کی بھی روایت بادشاہوں کے لیے بھی اختیار کی گئی۔ جو وقت کا نبی ہوتا ہو نے والے بادشاہ کے سر پر مقدس تیل ملتا۔ جس سے واضح ہو جاتا کہ یہ مستقبل کا بادشاہ بھی ہے اور خدا برگزیدہ بھی، تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ طالوت اور حضرت داؤد کو سوئل نبی نے اسی طرح مامور کیا تھا۔ حضرت مسح کے بارے میں انجیل سے یہ تو ثابت ہے کہ حضرت مسح نے ان کو پتھر دیا لیکن تیل ملنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ پیدائشی مسح تھے۔ بخاری شریف میں ان کا جو حلیہ بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سر کا حال یہ تھا کہ گویا اس سے تیل پک رہا ہے۔ (۳۳۷) ممکن ہے ان کی اس خصوصیت کی وجہ سے ان کو مسح کا لقب عنایت ہوا ہو۔ انجیل میں ان کے لیے "خدا مسح" کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ (۹۲-۹۱/۲)

### **مسن:**

'مسن'، کے اصل معنی چھونے کے ہیں۔ اس کا غالب استعمال کسی برائی، آفت اور

دکھ کے پہنچنے اور لاحق ہونے کے لیے ہوتا ہے۔ ہم نے موقع کے لحاظ سے اس کا ترجمہ چھوٹ کیا ہے۔ جو لفظی بھی ہے اور معنی خیز بھی۔ یوں تو دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے خدا ہی کے اذن سے ہوتا ہے لیکن شیطان کو جن کاموں کے لیے مہلت ملی ہوئی ہے ان کی نسبت بعض اوقات اس کی طرف کر دی جاتی ہے۔ جیسے حضرت ایوب کی دعائیں ہے ان سے مسنی الشیطان بنصب و عذاب ص ۲ (شیطان نے مجھے دکھ اور تکلیف میں بنتا کر دیا ہے) نیک بندوں پر تو اور اوح خبیث کا اثر اس سے زیادہ نہیں ہوتا کہ ان کی کوئی اذیت یا آزمائش پیش آجائے لیکن جن کی رو جیں خود خبیث ہوتی ہیں جس طرح ان کا قلب شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے اسی طرح کبھی کبھی ان کے عقل و دماغ سب پر شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے اور وہ ظاہر میں بھی بالکل پاگل ہو کر کپڑے پھاڑتے، گریبان چاک کرتے، منہ پر جھاگ لاتے اور پریشان حال، پر اگنہہ بال جدھر سینگ سمائے ادھر آوارہ گردی اور خاکہ بازی کرتے پھرتے ہیں۔ (۶۱/۲۳)

**(آن کہ) مساص:** 'ان لا مساص'، یعنی تو خود اپنی زبان سے پکارتا پھرے گا کہ میں ناپاک ہوں، نہ مجھے کوئی چھوئے نہ میں کسی کو چھونے کا مجاز ہوں۔ (۸۵/۲)

### تمسیک:

تمسیک اور تمسک، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا یا تھامنا۔ (۳۳۲/۳)

### امشاج:

لفظ 'امشاج' جمع ہے 'مشج' اور 'مشیج' کی۔ اس کے معنی ملی حلی اور مخلوط چیز کے ہیں۔ 'امشاج' اگرچہ جمع ہے لیکن یہ ان الفاظ میں سے ہے جو جمع ہونے کے باوصاف

مفرد الفاظ کی صفت کے طور پر آتے ہیں۔ نطفہ کے مخلوط ہونے سے اس کا مختلف قوی و عناصر سے مرکب ہونا بھی مراد ہو سکتا ہے اور مرد و عورت کے نطفوں کا امتزاج بھی۔ یہ امر یہاں مخواض ہے کہ جہاں مختلف عناصر اور متضاد طبائع اور مزاجوں کا امتزاج ہو وہاں ان کے اندر ایسا اعتدال و توازن برقرار رکھنا کہ پیش نظر مقصد کے مطابق صاف نتیجہ برآمد ہو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ کام ایک حکیم و قدیر کی گئرانی میں ہو۔ کسی اتفاقی حادثہ کے طور پر اس طرح کے حکیمانہ کام کا وقوع ممکن نہیں ہے۔ (۱۰۷/۹)

**مشاء (بضم الميم):** 'مشاء بنمیم'، 'نمیمة' اور 'نمیم' کے معنی چغلی اور لگانے بجانے کے ہیں۔ (۵۱۸/۸)

### مضفة:

'مضفة' گوشت کے لوحڑے کو کہتے ہیں۔ یہ 'علقة' کے بعد کا مرحلہ ہے جب جنین گوشت کے ایک لوحڑے کی شکل میں ایک جسم کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس 'مضفة' کی بابت فرمایا کہ ان میں سے بعض کا ذیر ائن بالکل مکمل ہوتا ہے اور بعض کو قدرت نامکمل ہی چھوڑ دیتی ہے اور کسی کے بس میں بھی نہیں ہے کہ اس کو مکمل کر دے۔ (۲۱۷/۵)

### ماعون:

لفظ 'ماعون'، روز استعمال کی ان چیزوں کے لیے آتا ہے جن کے عاریت لین دین میں کوئی قباحت خیال نہیں کی جاتی بلکہ ہر پڑوی اپنے پڑوی سے ان کو بعض اوقات مانگنے پر مجبور ہوتا ہے اور ان کا مانگنا اور دینا دونوں، اچھے معاشرہ میں حسن معاشرت کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی پڑوی کو آپ سے کسی ضرورت سے ایک چار پائی یا بستر، یا کوئی برتن یا چھری یا دیساں میں کسی طرح کی کوئی اور چیز مانگنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو

ہر شریف پڑوئی اس کی ضرورت نہایت خوش دلی سے پوری کرنے کو شش کرتا ہے۔  
(۵۸۵/۹)

### مقت:

‘مقت اور ممقوت، مبغوض اور نفرت انگیز شے یافل کو کہتے ہیں۔ باپ کی  
مکوند سے نکاح کے لیے ‘زواج المقت’ کی تجیر مشہور ہے۔ اسی طرح اس شخص کو  
‘مقتی’ کہتے تھے جو اس فعل شنج کا مرتكب ہوا ہو۔ (۲۷۱/۲)

**مقیمت:** مقیمت، کے معنی شہید و حفیظ اور مقدار کے ہیں۔ (۳۲۹/۲)

### مکر:

‘مکر، کے معنی ہیں کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے کوئی مخفی تدبیر کرنا۔ اس میں  
نمودت کا پہلو یہاں سے پیدا ہوا کہ مخفی تدبیر کا استعمال آدمی کی کمزوری کی دلیل ہے۔ چونکہ  
عام طور پر صورت سبھی ہوتی ہے کہ خفیہ تدبیریں کمزور لوگ ہی استعمال کرتے ہیں اس وجہ  
سے اس کی نمودت کا پہلو ذہنوں پر غالب ہو گیا اور یہ گمان کیا جانے لگا کہ کمکر لازماً موم ہی  
ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ خفیہ تدبیر بعض حالات میں کسی مکر کرنے  
والے کے مکر کے توڑیاں کی سزا کے طور پر بھی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ ایک خفیہ چالیں چلنے  
والے کے خلاف اگر کوئی علاوی انتقامی کارروائی کی جائے تو وہ اس کو ظلم و زیادتی قرار دے گا  
اور حالات سے ناواقف اس کو حق بجانب خبراء میں گے۔ اسی طرح کوئی مخفی تدبیر کسی سازشی  
دشمن کے خلاف بعض اوقات اس کو متنبہ کرنے کے لیے اختیار کرنی پڑتی ہے تاکہ اس پر یہ  
ظاہر ہو جائے کہ اس کی سازشیں مخفی نہیں ہیں، جن کے لیے وہ یہ جال بن رہا ہے وہ اس کے  
اس جال سے واقف ہیں۔ یہ چیز اس کو رسوا بھی کرتی ہے اور آئندہ کے لیے اس کو ایسی

حرکتوں سے باز رکھنے میں بھی مددگار ہوتی ہے بشرطیہ اس کے اندر سبق حاصل کرنے کی صلاحیت ہو۔ یہاں جس مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے مراد یہی مکر ہے جو حق کے دشمنوں کی سازشوں کے توڑیاں کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ اختیار فرماتا ہے۔ یہ تدبیریں ایسی تیربہدف ہوتی ہیں کہ دشمنوں کے چکلے چھوٹ جاتے ہیں اور ساتھ ہی ان سے خلق کو بے شمار برکتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ (۱۰۲/۱۰۱)

‘مسکر’ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم خفیہ تدبیر ہو جاتا ہے۔

(۳۹/۳)

**مکاء:** مکاء کے معنی شکار نے ارومنہ سے سیٹی بجانے کے ہیں۔ (۳۷۲/۳)

**ملاء:**

ملاء کا اصل لغوی مفہوم بھرنا ہے۔ اپنے اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ لفظ کسی قوم کے اشراف و اعیان اور اکابر و سادات کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی ہو گی کہ قوم کے اعیان و اشراف ہی ہوتے ہیں جو اس کی چوپاں، پنچاچوں، مخلسوں، کونسلوں اور اس کے درباروں کو پُر کرتے ہیں۔ (۵۶۸/۱)

‘ملاء’ سے مراد قوم فرعون کے وہ اعیان و اکابر ہیں جو اس کے دربار میں باریاب

(۲۳۵/۷)

**املاق:**

‘املاق’ کے معنی فقر و نگذتی کے ہیں۔ (۱۹۹/۳) ‘املاق’ بکے معنی مظلومی اور ناداری کے ہیں۔ (۳۹۹/۳)

## ملک:

ملک کے معنی صاحب اختیار و اقتدار کے ہیں۔ یہ اختیار و اقتدار مطلق قسم کا بھی ہو سکتا ہے جس طرح کا اختیار و اقتدار کسی جگہ و مطلق العنان بادشاہ کو حاصل ہوتا ہے اور محدود و مقید قسم کا بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک پابند آئین و قانون یا پابند شریعت بادشاہ کو یا کسی امیر لفکر یا پس سالار کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن میں یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۵۶۸/۱) ملک سے مراد یہاں خدا تعالیٰ اقتدار و اختیار ہے (۳۱۵/۲) 'ملک' کے معنی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ (۷۷/۵)

## ملکت:

'ملکت ایمانها' سے مراد لوٹی اور غلام دونوں ہیں۔ بعض فقہاء نے اس سے صرف لوٹیوں کو مراد لیا ہے لیکن اس تخصیص کا کوئی قرینہ الفاظ میں موجود نہیں ہے۔ اگر صرف لوٹیاں ہی مراد ہوتیں تو صحیح اور واضح تعبیر 'اوامائهن' کی ہوتی، ایک عام لفظ، جو لوٹیوں اور غلاموں دونوں پر مشتمل ہے، اس کے لیے استعمال نہ ہوتا۔ (۳۹۸/۵)

## ملکوتوں:

'ملکوتوں' جس طرح 'رہبہ' سے 'رہبوت' ہے اسی طرح 'ملک' سے 'ملکوتوں' ہے۔ 'ملکوتوں' کا لغوی مفہوم تو عزت و اقتدار، بادشاہی اور سلطنت ہے لیکن قرآن میں یہ لفظ خدا کی اس تکونی بادشاہی کے لیے استعمال ہوا ہے جو آسمان اور زمین بلکہ ہر چیز پر قائم و دامن ہے۔ اس 'ملکوتوں' کی دعوت مختلف اسلوبوں سے قرآن میں بار بار دی گئی ہے۔ اولم ینظر و افی ملکوتوں السموات والارض (الاعراف ۱۸۵) (کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین میں خدا کی بادشاہی پر غور نہیں کیا)

سُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مُلْكُوتٌ كُلُّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تَرْجَعُونَ (یس ۲۳) (پاک ہے) وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی زمام ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) (۹۰/۳) 'ملکوت' یہاں زمام اختیار و اقتدار کے مفہوم میں ہے۔ (۲۳۱/۵) 'ملکوت' کے معنی اختیار و اقتدار کے ہیں۔ (۲۳۶/۶)

### **ملیک:**

'ملیک' میں 'ملِک' کے بالقابل زیادہ زور ہے اس کے ساتھ مُقْتَدِر کی صفت اس کو مزید زور دار بنانے کے لیے ہے۔ (۱۱۶/۸)

### **ملکَة:**

ملک کی تجمع ہے۔ عربی زبان میں الکر کے معنی پیغام کے آتے ہیں اور ملک (جس کی اصل ملأ ک ہے) کے معنی رسول اور پیغامبر کے ہیں (۳۷<sup>۴۴</sup>)۔ یہ لفظ ان روحانی پیغام برؤں کے لیے مخصوص ہے جن کو ہم اپنی زبان میں فرشتہ کہتے ہیں۔ (۱۵/۱۷)

### **اصلاء (اصلال):**

اس آیت میں کوئی خاص لفظی یا نحوی اشکال نہیں ہے۔ لفظ اصلال کے معنی وہی ہیں جو اماء کے ہیں، یعنی لکھوانے کے۔ قرآن نے ان دونوں لفظوں کو استعمال کیا ہے اور بعضہ ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے۔ میں نے ان دونوں کے مادے اور مشتقات پر جہاں تک غور کیا ہے اس سے میرا رجحان اس بات کی طرف ہے کہ لکھوانے کے معنی میں اصل لفاظ تو اماء ہی کا ہے لیکن صوتی مشابہت کی وجہ سے اصلال، بھی اس معنی میں استعمال ہونے لگا ورنہ بجائے خود اصلال کے مادے میں لکھنے یا لکھانے کے مضمون کے لیے کچھ زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ صوتی مشابہت کی بنا پر ایک مادے سے دوسرے مادے کی طرف الفاظ کے منتقل

ہو جانے کی عربی زبان میں بکثرت مثالیں موجود ہیں لیکن اس قسم کی تفصیلات میں ہمارے لیے زیادہ گھنٹے کی محاجا ش نہیں ہے۔ (۶۳۰)

**تملیٰ:** ملتیٰ ملت العر اور زمانہ طویل کے معنی میں آتا ہے۔ (۶۵۹/۳)

### تملیٰ:

تملیٰ کے بعد علی کا صلہ اس بات کا تقریب ہے کہ یہ 'تلقیٰ علیہ' یا 'تقریء علیہ' کے مضمون پر مختص ہے۔ اس وجہ سے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ اس کو لکھوائے جاتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ اس کو لکھ کر تعلیم کیے جاتے ہیں۔ (۳۳۶/۵)

### مناع (اللخیر):

یوں تو عام ہے کہ وہ ہر نیکی اور بھلائی کی راہ میں ایک بھاری پتھر ہیں لیکن یہاں خاص اشارہ ان کی بجالت کی طرف ہے کہ وہ غرباء و مساکین کی امداد میں نہ خود کو کوڑی خرچ کرنے کا حوصلہ رکھتے اور نہ دوسروں کو خرچ کرتے دیکھ سکتے بلکہ چاہتے ہیں کہ دوسرا بھی انہی کی طرح مار گنج بنے پہنچ رہیں تاکہ ان کی بجالت پر پوہ پڑا رے۔ (۵۱۸/۸)

### منات:

'منات' میرے نزدیک 'منیۃ' کے مادہ سے بنایا ہوا نام ہے جس کے معنی ہوں گے وہ دیوی جس کے قرب کی آرزو کی جائے یا جو آرزوؤں کے برآنے کا ذریعہ ہو۔ (۶۲۸)

### من:

'من' کے اصل معنی فضل و احسان کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد وہ خاص غذا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے صحرائے سینا میں خاص اپنے فضل سے مہیا فرمائی، جس

کے لیے نہ انہیں مل چلانے پڑے، نہ تم ریزی اور آب پاشی کی زحمتیں اٹھانی پڑیں۔<sup>(۲۲۸)</sup>

تورات میں اس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے:

”اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بیشتر میں کر ان کی خیمدگاہ کوڈھائک لیا اور صبح کو خیمدگے کے آس پاس اوس پڑی ملی تھی اور جب اوس جو پڑی تھی سوکھ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول چیز، ایسی چھوٹی چیزے پالے کے دانے ہوتے ہیں، زمین پر پڑی ہے۔ بنی اسرائیل اس کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے مَن؟ کیوں کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے۔ تب موئی نے ان سے کہا یہ وہی روئی ہے جو خدا نے کھانے کو تم کو دی ہے..... اور وہ ہر صبح کو اپنے اپنے کھانے کی مقدار کے مطابق جمع کر لیتے تھے اور دھوپ تیز ہوتے ہی وہ پھل جاتا تھا۔“ خروج باب ۱۶۔

۲۱۔۱۳

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبتم کی طرح ایک چیز زمین پر پیکتی تھی اور پالے کے داؤں کی طرح وہ جم جاتی تھی۔ آفتاب کی تمازت بڑھنے سے پہلے پہلے اس کا جمع کر لیا ممکن ہوتا تھا۔ تمازت بڑھنے کے بعد یہ دانے پھل جاتے تھے۔ چونکہ یہ نعمت، جیسا کہ عرض کیا گیا، بغیر کوئی زحمت و مشقت اٹھائے حاصل ہوئی تھی اور ایک ایسے بے آب و گیاہ صحرائیں حاصل ہوئی تھی جہاں فراہمی غذا کے اساب و وسائل مفقود تھے اس وجہ سے اس کا نام من قرار پایا (یہ واضح رہے کہ عربی اور عبرانی دونوں قریب الماخذ زبانیں ہیں)

من کے وجہ تسلیہ سے متعلق یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے لیکن تورات کا مذکورہ بالا اقتباس یہ ظاہر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب اس عجیب و غریب چیز کو دیکھا تو

ان کے اندر یہ سوال پیدا ہوا کہ مَنْ ہُو یہ کیا ہے؟ ان کے اس سوال سے اس کا نام من پڑ گیا۔ ہمارے نزدیک یہ وجہ تسمیہ محض یہود بدعتی کی ایک ایجاد ہے، نہ لفظ اس کی تائید کرتا ہے، نہ عقل سلیم اس کو قبول کرتی ہے۔ (۲۱۷-۲۱۸)

### صنف:

‘من’ کے معنی جس طرح احسان کرنے کے آتے ہیں اسی طرح کسی چیز کو کاٹ دینے کے بھی آتے ہیں۔ سورہ قلم میں فرمایا ہے: ‘وَإِن لَكَ لَا جُرًا غَيْرَ مَمْنُونَ’ (۳) (اور بے شک تمہارے لیے ایک کبھی نہ منقطع ہونے والا صلح ہے) (۲۵/۹)

### منون:

‘المنون’ کے معنی ‘الدھر’، یعنی زمانہ کے ہیں۔ محاورہ ہے: ‘دار عليهم المنون، وَهُرَدِشِ روزگار کی نذر ہو گئے۔’ زَيْبُ الْمَنْوَنْ کے معنی ہیں حادث روزگار۔ (۳۳/۸)

### تمنی:

‘تمنی’ کا اصل لغوی مفہوم، صاحب اقرب الموارد کی تصریح کے مطابق یہ ہے<sup>(۳۴۰)</sup>۔ یطلاق عند اهل العربية على طلب حصول الشيء على سبيل المحبة وعلى الكلام الدال على هذا الطلب (عربی زبان کے ماہرین کے نزدیک یہ لفظ کسی شے کے بطريق محبت حصول کی طلب کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی طرح اس کلام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اس طلب پر دال ہو) میں نے اس قول کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ میرے نزدیک کلامِ عرب کی روشنی میں، اس لفظ کا صحیح مفہوم بھی ہے۔ قرآن میں اس کے مختلف صیغے سات آٹھ مقامات میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اسی

مادے سے 'امہنیہ' کا لفظ بھی، جمع اور واحد کی مختلف صورتوں میں، سات آٹھ جگہ آیا ہے<sup>(۳۳۱)</sup>۔ ہر جگہ، ہر شکل میں، لفظ کی اصل روح موجود ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم ہو گا، کسی چیز کی خواہش کرنا، ارمنان کرنا، تمبا کرنا، حوصلہ کرنا، یا کسی مقصد کے لیے اپیل یا استعمال کرنا۔ اسی طرح 'امہنیہ' کے معنی خواہش، ارمان، تمبا، حوصلہ اور اپیل کے ہوں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس لفظ کے اندر بعض لوگوں نے قرأت کرنے کے معنی کہاں سے گما دیے ہیں۔ مجھے اس معنی میں یہ لفظ، کلامِ عرب میں کہیں نہیں ملا حالانکہ یہ عربی زبان کے کثیر الاستعمال لفظ کو، اس کے معروف مفہوم سے ہٹانے کے لیے، ایک غیر معروف شعر کی سند کی وقعت کیا ہے۔ پھر وہ شعر بھی ہمارے نزدیک منحول ہے اور ہم اس کا منحول ہونا غایب کر سکتے ہیں لیکن ایک غیر مفید بحث کو طول دینے سے کیا حاصل؟ اس بات کی بھی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے کہ صاحبِ لسان<sup>(۳۳۲)</sup> نے لفظ کے اس مفہوم کا بھی حوالہ دیا ہے۔ صاحبِ لسان کی ساری خوبیوں کے اعتراف کے باوجود، ان کی اس خاتمی کی طرف مقدمہ تفسیر<sup>(۳۳۳)</sup> میں ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بسا اوقات وہ کسی لفظ کے تحت اہل تاویل کے بے سند اقوال بھی نقل کر دیتے ہیں اور چونکہ اس لغت کا بڑا پایہ ہے اس وجہ سے جوگ لغت کے نقادوں میں سے نہیں ہے وہ اس طرح کے اقوال کو لے اڑتے ہیں حالانکہ ان اقوال کی، جب تک زبان کے استعمالات سے تائید نہ ہو، کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک اس لفظ کے اندر قرأت یا تلاوت کے معنی کے لیے کوئی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے۔<sup>(۳۳۴)</sup>

**مهل:** 'مهل'، (پھلے ہوئے ہانے) کے لیے استعمال اس کی شدت و جدت کے اظہار کے لیے ہے۔<sup>(۳۳۵)</sup> (۵۸۲-۵۸۱/۳)

## فصل:

نہل کے مختلف معنی لوگوں نے بیان کیے ہیں۔ احتقاد کے پہلو کو سامنے رکھ کر میں نے تیل کے تچھٹ کے معنی کو ترجیح دی ہے۔ (۲۹۱/۷)

## ماء:

'ماء' سے مراد چشمہ بھی ہو سکتا ہے اور کنوں بھی۔ تورات میں کنوں ہی کا ذکر آیا ہے۔ ویسے پہاڑی چشمے بھی کنوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتے۔ بالعموم ان تک پہنچنے کے راستے نہایت سُلگ ہوتے اس وجہ سے ان پر پانی پینا اور پلانا کوئی سہل کام نہیں ہوتا بلکہ خصوص جب کہ پانی پینے پلانے والوں کی بھیڑ بھی ہو۔ (۲۶۷/۵)

'الماء' سے یہاں<sup>(۳۳۳)</sup> مراد چونکہ پانی والے بادل ہیں اس وجہ سے اس کے لیے لفظ 'سوق'، کا استعمال موزوں ہوا۔ 'ارض جرز، چھیل اور بچرز میں' کو کہتے ہیں۔ (۱۷۳/۶)

**ماء شجاج:** 'ماء شجاج' زوردار، کثیر اور موسلا دھار بارش کو کہتے ہیں۔ (۱۶۱/۹)

## موت:

اس صاعقہ اور زلزلہ سے ان ستر سرداروں پر جو اس موقع پر حضرت موثیؓ کے ساتھ طور پر گئے تھے جو حالت طاری ہوئی، قرآن مجید نے اس کو موت سے تعبیر کیا ہے۔ اس موت سے موت بھی مراد ہو سکتی ہے اور بطريق استعارہ بے ہوشی بھی۔ عربی زبان میں موت کا لفظ استعارہ کے طور پر نہیں اور بے ہوشی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سو کراٹھنے کے بعد کی جو مشہور دعا احادیث میں نقل ہوئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: الحمد

لله الذی احیاناً بعْدَ مَا امانتنا وَ إِلَيْهِ النُّشُورُ<sup>(۳۴۵)</sup> (اس اللہ کے لیے شکر ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹا ہے) اسی طرح بخشت کا لفظ بھی اصحاب کھف کے واقعہ میں ان کو نیند سے بیدار کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے\*-  
(۲۱۷/۱)

**میر:** مار یمیر میرا، کے معنی اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ اور ضرورت کی چیزیں فراہم کرتا ہے۔  
**مور:**

‘مور’ کے معنی تیزی سے حرکت کرنے کے ہیں، جیسا کہ یوم تمور السماء مورا (الطور ۹) سے واضح ہے۔ اس کے مختلف ترجیحے لوگوں نے کیے ہیں لیکن میراذ ہم

\* موت کے لفظ پر اسی سورہ کی آیت ۵۶ کے تحت ہم لکھے چکے ہیں کہ قرآن میں یہ لفظ جس طرح زندگی کے ذاہنے کے لیے استعمال ہوا ہے اسی طرح نیند، بے ہوشی اور اخلاقی و ایمانی موت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ وہاں ہم نے لسان العرب کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں قرآن کے بعض نظائر ملاحظہ ہوں۔ اللہ یتوفی الانفس حين موتها۔ الزمر ۳۲ (اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی نیند کے وقت) ثم بعثناکم من بعد موتكم لعلکم تشکرون۔ البقرہ ۵۶ (پھر ہم نے تمہاری بے ہوشی کے بعد تم کو اٹھایا تاکہ تم شکر کرو) انک لا تسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعااء۔ ائمہ ۸۰ (تم اپنی دعوتو مردہ دلوں اور بہروں کو نہیں سن سکتے) او من كان ميتا فاحسنه وجعلنا له نوراً يمشي به في الناس۔ الانعام ۱۲۲ (کیا وہ جو مردہ دل تھا تو ہم نے اس کو حیات ایمانی بخشی اور اس کو نور دہایت عطا کیا جس کو لے کر لوگوں کے درمیان چلتا ہے) اسی طرح حیات کا لفظ بھی مادی زندگی سے لے کر نیند سے بیداری اور ایمانی و اخلاقی زندگی تک سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک واضح نظر تو انعام کی مقدم الذکر آیت ۷۴ میں موجود ہے۔ دوسرا واضح تر نظر انفال سے ملاحظہ ہو۔ استحبسو الله ولرسول اذا دعاكم لما يحييكم۔ الاغفال ۲۳ (اللہ اور رسول کی دعوتو پر لبک کو جب کہ تمہیں باہتا ہے اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے) (۱۵۲۳)

باربار اس طرف جاتا ہے کہ یہاں یہ گٹھ چل پڑنے کے معنی میں ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ موز کے اصل معنی حرکت سر لمحے کے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اور اس زمین کونا قہ ذلول (فرمانبردار اوثقی) سے تشبیہ دی ہے۔ اس تعلق سے یکھیے تو یہ معنی یہاں زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ (۲۹۷/۸)

**مال (وبنین):** 'مال و بنین' دنیاوی رفاقتیت کی ایک جامع تعبیر ہے۔  
(۳۲۷/۵)

### ناً بجانبہ:

'ناً بجانبہ' سے وہی مضمون ادا کیا گیا ہے جو دوسرے مقامات میں تولیٰ بر کنہ، یا 'ثانی عطفہ' وغیرہ حاوارات سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ غور و اشکار سے اعراض کرنے اور منہہ پھیرنے کی تعبیر ہے۔ 'جانب' کے معنی پہلو کے ہیں۔ آدی جب کسی سے غرور کے ساتھ منہہ موزتا ہے تو مونڈ سے جھٹک کر اپنا پہلو بدلتا ہے اور وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی حالت کو یہاں 'ناً بجانبہ' سے تعبیر فرمایا ہے۔ (۷۷/۱)

### نبأ:

نبأ کسی اہم حدادتے اور واقعہ کی خبر کو کہتے ہیں۔ (۲۹۵/۲) 'نبأ' کسی بڑے واقعہ یا اہم خبر کو کہتے ہیں۔ (۱۵۷/۹)

### انتباذ:

'انتباذ' کے معنی لوگوں سے بالکل منقطع ہو کر ایک طرف ہو جانے کے ہیں۔  
(۶۳۳/۲)

## استنباط:

استنباط، کا اصل مفہوم کنوں کھو دکر اس سے پانی نکالنا اور کسی پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنا ہے۔ اپنے اسی مفہوم سے ترقی کر کے کسی بات کی تہبہ کو پہنچنے اور اس کی حقیقت کو پانے کے معنی میں یہ استعمال ہوا۔ (۳۲۸/۲)

## نجم:

”النجم“ سے بعض لوگوں نے زمین پر پیدا ہونے والے چھوٹے پودے، جھماڑ اور بیلوں وغیرہ کے قسم کی چیزیں مرادی ہیں۔ غالباً ”شجر“ کے ساتھ ستاروں کی مناسبت ان حضرات کی سمجھ میں نہیں آئی اس وجہ سے انہیں یہ تکلف کرنا پڑا حالانکہ ان دونوں کے درمیان نہایت واضح و صاف اشتراک موجود ہے۔ قرآن میں دونوں کے جدہ کا ذکر مختلف اسلوبوں سے بار بار آیا ہے۔ اسی اشتراک کی بنا پر یہاں بھی دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ اس سے آسمان وزمین دونوں کی ہم آہنگی واضح ہوتی ہے کہ ان کا رب ایک ہی ہے جس کو آسمان کے ستارے بھی جدہ کرتے ہیں اور زمین کے درخت بھی۔ یہ امر واضح رہے کہ مجاهد اور قادہ اور حسن وغیرہ ”نجوم“ کو اس کے معروف معنی ہی میں لیتے ہیں۔ ابن کثیر نے بھی انہی لوگوں کی تائید کی ہے اور آیت ”اللَّهُ يَسْجُدُ لِهِ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسِ وَالقَمَرِ وَالنَّجُومِ“ (آل عمران: ۱۸) (نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی کو جدہ الارض والشمس والقمر والنجم (۳۳۶)- (۱۲۹/۸)

## النجم:

”النجم“ سے عام طور پر مفسرین نے ثریا کو مرادیا ہے، لیکن اس کا کوئی قریئہ نہیں

ہے۔ اس سے زیادہ واضح قرینہ تو شعری کا ہو سکتا ہے جس کا ذکر اسی سورہ (۳۳<sup>۲۲</sup>) میں آگئے آیا ہے لیکن اس کو مراد لینے کا بھی، جیسا کہ وضاحت آئے گی، یہاں کوئی محل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اسم جنس کے مفہوم میں ہے جس طرح 'و بالنجم هم یهتدون'، (الخل: ۱۶) (اور ستاروں سے وہ رہنمائی حاصل کرتے ہیں) یا 'والنجم والشجر یسجدان' (الرحن: ۲) (اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں) اور اس نوع کی دوسری آیات میں جگہ جگہ قرآن میں آیا ہے۔ (۵۰/۸)

### نجوی:

'نجوی'، کے معنی سرگوشی اور رازداری کے انداز میں کسی سے بات کرنے کے ہیں۔ اس میں بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے اس لیے کہ ایسے موقع بہت ہو سکتے ہیں جہاں رازداری اور سرگوشی کا طریقہ ہی قرین مصلحت ہو۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر راذان دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ اس میں برائی یا بھلائی بات کی نویعت سے پیدا ہوتی ہے اگر بات نیکی اور تقویٰ کی ہے تو وہ نجواۓ خیر ہے اور اگر بات شرارت اور فتنے کی ہے تو وہ نجواۓ شیطانی ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کی وضاحت سورہ مجادلہ میں فرمادی ہے۔ یا ایتھا الذين آمنوا اذا تناجیتم فلا تناجوا بالاثم والعدوان و تناجوا بالبر والتقوی — ۹ (۱) اے ایمان والو، جب تم آپس میں رازداری کے ساتھ بات کرو تو گناہ اور تعدی کی مشورت نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی بات کرو (۳۸۲/۲)

### نجی:

'نجی'، راز اور سرگوشی کو بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں جس سے سرگوشی کے انداز میں بات کی جائے، اور اس کو محروم راز بنایا جائے۔ (۲۶۳/۳)

### نحب:

لفظ 'نحب'، وسیع معنوں میں آتا ہے۔ عزم و ہمت، عہد و پیمان، نذر، سب اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ امام بخاریؓ نے اس کی تفسیر 'عهد' سے کی ہے<sup>(۳۳۸)</sup> اور یہ تفسیر لفظ کی روح اور موقع محل کے مقتضیات کے بالکل مطابق ہے۔ (۲۱۰/۶)

### نحر:

'نحر'، کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اونٹ کی قربانی کے لیے معروف ہے لیکن یہ اپنے عام استعمال میں دوسرے بہائم کی قربانی کے لیے بھی آتا ہے۔ (۵۹۶/۹)

### نحاس:

'نحاس'، کے معنی عام طور پر ہمارے مفسرین و مترجمین نے دھوئیں کے لیے ہیں لیکن یہ لفظ اس معنی میں معروف نہیں۔ بعض اہل لغت نے اگرچہ ایک شاذ معنی کی حیثیت سے اس کا ذکر کیا ہے اور نابغہ کے ایک شعر کا بھی حوالہ دیا ہے<sup>(۳۳۹)</sup> لیکن اول تو وہ شعر محل نظر ہے دوسرے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ دھوئیں کے لیے معروف لفظ 'خان، چھوڑ کر، جو قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، ایک غیر معروف لفظ لانے کی وجہ کیا ہے جب کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے۔ اس وجہ سے ہم کو 'نحاس'، کے یہ معنی قبول کرنے میں تردید ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اپنے معروف معنی ہی میں استعمال ہوا ہے اور یہ انہی شہابوں کی ایک قسم ہے جن کا ذکر 'شواطِ من نار'، کے الفاظ سے ہوا ہے۔ (۱۳۰/۸)

### ایام نحسات:

'ایام نحسات'، سخت سردی کے ان دنوں کو بھی کہتے ہیں جن میں سردی کی شدت

کے سب سے ہر چیز پر ادا سی، افرادگی، خشکی اور ایک قسم کی نحوست چھا جاتی ہے۔ (۹۲/۷)

### نحل:

‘نحل’ کے معنی کسی کو کچھ دینے کے لیے اور جب عورت کے تعلق سے یہ لفظ استعمال ہو تو اس کے معنی مہر ادا کرنے کے ہوتے ہیں۔ (۲۵۲/۲)

### انداد:

انداد بند کی جمع ہے جس کے معنی ہم سر، ہم پایہ معدہ مقابل، مشابہ اور کفو کے ہیں۔ اہل عرب صفات باری سے متعلق ان تمام بنیادی مقدمات کو تسلیم کرتے تھے جن سے بدیہی طور پر توحید ثابت ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ خدا کے شریک بھی مانتے تھے اس وجہ سے یہ فرمایا کہ جب تم خود اس بات کو جانتے ہو کہ خدا ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے، اسی نے تمہارے الگوں کو پیدا کیا ہے، اسی نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا ہے، اسی نے آسمان کا شامیانہ تانا ہے، اسی نے آسمان سے پانی اٹارا ہے اور اسی نے تمہارے رزق کے لیے قسم قسم کے پھل اور میوے پیدا کیے ہیں تو پھر ان کو خدا ٹھہراتے ہو جنہوں نے ان کاموں میں سے کوئی ایک کام بھی نہیں کیا ہے؟ یہاں جانتے ہو، کام غبوم یہ ہے کہ ان ساری باتوں کو مانتے اور ان کا اقرار کرتے ہو۔ (۱۳۷-۱۳۸)

### نادی:

‘نادی’ کے اصل معنی محل اور سوہائی کے ہیں۔ یہاں مراد وہ افراد ہیں جو کسی رشتہ و عصیت کے تحت باہم دگروابستہ ہیں۔ موقع محل کا لحاظ کر کے اس کا ترجمہ ‘نوی’ یا پارٹی ہو سکتا ہے۔ (۲۵۹/۹)

## (یوم) التنداد:

'یوم التنداد' کے لغوی معنی ہیں ہاکپا کار کا دن یا اس یوم عذاب کی تعبیر کے لیے آیا ہے جس سے لوگوں کو ڈرایا جا رہا ہے۔ جب کوئی بڑی ہمچل برپا ہوتی ہے تو دوڑو، بھاگو، لچھو، چلیو کا ہر طرف شور ہوتا ہے اس وجہ سے یوم عذاب کی تعبیر کے لیے یہ نہایت موزوں لفظ ہے۔ (۳۲۷)

## انذار:

'انذار' کے معنی ڈرانے، ہوشیار کرنے اور خبردار کرنے کے ہیں۔ انہیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ ایک طرف تو نہایت ٹھوس نفسی و آفاقتی دلائل پرمنی ہوتی ہے۔ دوسری طرف اس میں انذار و تبیشر کا پہلو بھی ہوا ہے۔ تبیشر کا مفہوم مفہوم اس فوز و فلاح اور اس کا میابی کا مرانی کی بشارت دینا ہے جو نبی کی دعوت قبول کر لینے اور اس کی بتائی ہوئی صراط مستقیم اختیار کر لینے سے دنیا اور آخرت دونوں میں حاصل ہوتی ہے۔ انذار کا مفہوم ان خطرات و مہاک سے آگاہ کرنا ہے جن سے نبی کی بحذیب کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں ایزماً دوچار ہونا پڑتا ہے۔ (۱۰۹)

**نذر:** 'نذر' یہاں 'انذار' سے اسی ہے اور اس کے معنی ڈراوے، تنبیہ اور آگاہی کے ہیں۔ (۹۹/۸)

## نذر:

'نذر' کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی منت مانے کہ اگر میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں فلاں عبادت یا ریاضت یا اتنا صدقہ کروں گا۔ اسلام میں، جیسا کہ احادیث سے واضح ہے،

متن مانے کو سخت نہیں قرار دیا گیا ہے لیکن کوئی شخص اگر اس طرح کی منت مان بیٹھے اور اس میں کسی شرعی قباحت کا کوئی پہلو نہ ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا عہد ہے جو منت مانے والا اپنے رب سے کر رہا ہے اور عہد چھوٹا ہو یا بڑا اگر خلاف شریعت نہیں ہے تو اس کو پورا کرنا ضروری ہے اس لیے کہ خدا کے ہاں ہر عہد سے متعلق، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، پرش ہونی ہے۔ (۲۲۱/۱)

**نسفر:** 'نسفر' سے مراد خاص طور پر وہ نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے اندر اپنا خوف پیدا کرنے کے لیے ظاہر فرماتا ہے۔ (۹۲/۳)

### ناز عات:

'ناز عات' ان تند ہواؤں کے لیے استعمال ہوا ہے جو درختوں اور مکافنوں کا کھاڑ پھینکتی ہیں۔ اس کے ساتھ لفظ 'غرقۃ'، معنی کی شدت کے انہمار کے لیے بطور تاکید ہے۔ قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے باہت تند کا جوغزاد بسلطان فرمایا اس کی تصویر سورہ قمر میں یوں کھینچی گئی ہے:

انَا ارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرِصَرًا ۝ هُمْ نَزَّلُوا مِنْ جُنُونٍ وَّ خُوْسَتٍ كَزَانِ  
فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍ ۝ تَنْزَعٌ ۝ مِنْ بَادِ صَرِصَرٍ مُّسْلَطٍ كَرْدِيٍ جَوَ لوگوں کو اس  
النَّاسِ كَانُوهُمْ اعْجَازٌ نَخْلٌ ۝ طَرَحَ الْكَھَازٌ پھینکتی گویا وہ کھوکھلی کھبوروں کے  
منقعر (القمر ۲۰-۱۹)

یہاں فعل 'تَنْزَعٌ' استعمال ہوا ہے اسی سے اس سورہ میں 'ناز عات' بطور صفت استعمال ہوا ہے۔

### تنازع (فِي الْأَمْرِ):

تنازع فی الْحَدیث سے نکلا ہوا محاورہ ہے۔ تنازع فی الْحَدیث کا مطلب

یہ ہوتا ہے کہ ایک بات میں کوئی شخص کچھ رائے دے، دوسرا کچھ رائے دے۔ اسی طرح تنازع فی الامر کا مطلب اس موقع پر یہ ہے کہ نبی نے جو حکم دیا اس کی تعلیل میں کسی نے کچھ موقف لیا، کسی نے دوسرا موقف لیا۔ (۱۹۲۲)

### ‘تنازع (فی الحدیث)’

‘تنازع فی الحدیث’ اور ‘تنازع فی الامر’ کا معادرہ عربی میں آپس میں تبادلہ خیالات و آراء کے لیے آتا ہے۔ (۲۲۵)

### ‘تنازع’:

‘تنازعوا الكاس’ کے معنی ہیں ‘تعاطوها’، یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف شراب کے جام بڑھائیں گے۔ جیسیں جھپٹ اس لفظ کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ لفظ ‘کاس’، ظرف اور مظروف یعنی شراب اور جام شراب دونوں کے لیے آتا ہے۔ (۲۷۸)

**نزغ:** نرغ کے معنی چکانگانا، کچوکانگانا، زخم پہنچانا۔ (۳۱۳)

**نزف:** ‘نزف الرجل’ کے معنی ہیں ’ذهب عقله‘، آدمی کی عقل جاتی رہی۔ (۱۶۲/۸)

### ‘نزل’:

”کھولتے پانی“ کا ذکر یہاں بطور ‘نزل’، یعنی اولین سامانِ ضیافت کے ہے۔

(۸۱/۳)

### ‘نزل’:

‘نزل’ اس ضیافت و میزبانی کو کہتے ہیں جو کسی مہمان کی آمد پر سب سے پہلے پیش

کی جاتی ہے۔ (۲۳۲/۲)

**تنزیل:** تنسیل کے معنی کسی چیز کو نہایت اہتمام اور ترتیب و مدرج کے ساتھ اتنا نے کے ہیں۔ (۱۶/۵)

نزَل اور انْزَل کا فرق بھی قابل توجہ ہے۔ جو لوگ عربی زبان کی باریکیوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انْزَل کا مفہوم تو مجردا تاریخ ہے لیکن نُزُل کے اندر اہتمام اور مدرج کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ لفظوں کا یہ فرق تورات اور قرآن دونوں کے اتارے جانے کی نوعیت کو واضح کر رہا ہے۔ (۳۰۸/۲)

### نسخ:

نسخ کے اصل معنی ہٹانے اور مٹانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے فینسخ اللہ ما یُلْقَى الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحَكِّمُ اللَّهُ أَيَّاهُ (الجُّمُور ۵۲) (پس اللہ مٹادیتا ہے اس چیز کو جو شیطان داخل کر دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آئیوں کو محکم کرتا ہے) یہاں یہ ایک قانون کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا قانون لانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ انساء کے معنی فراموش کر دینے کے ہیں۔ (۲۹۶/۱)

### نسخہ:

کسی تحریر کی حرفاً نقل کو بھی کہتے ہیں۔ اصل تورات چونکہ انہی الواح کی نقل تھی اس وجہ سے تورات کو ان کے نہج سے تعبیر فرمایا۔ (۳۶۹/۳) ”نصر، قبیلہ تحریر کی ایک شاخ سے پچتا تھا۔ (۲۰۳/۸) یہاں ان ہتوں کا ذکر جس ترتیب سے آیا ہے اس سے گمان ہوتا ہے کہ قوم نوح میں ان کے مراتب کی ترتیب یہی تھی۔ یعنی وہ اور سواع کا مرتبہ

سب سے اوپر تھا اور بیغونہ، یعنی اور نسیم مرتبتہ میں ان سے نیچے تھے۔ (۲۰۳/۸)

### نصف:

‘نصف’ کے معنی ریزہ ریزہ کر دینے، پیس دینے، پر اگندہ کر دینے کے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ متعدد مقامات میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً وَانظِرْ إِلَيْهِ الْهَكَ الذِّی  
ظَلَّلَتْ عَلَیْهِ عَاكِفًا لَنْحَرْقَهُ ثُمَّ لَنْفَسَهُ فِی الْيَمِ نَسْفًا (طٰ: ۹۷) (اور اپنے  
اس دیوتا کو جس پر تو مختلف رہا ہے، دیکھو ہم اس کو جلا میں گے پھر اس کو ریزہ ریزہ کر کے  
سمندر میں بکھیر دیں گے)۔ خود پہاڑوں سے متعلق، مذکورین قیامت کے سوال کا جواب ان  
الفاظ میں دیا گیا ہے۔ وَيَسْنَلُونَكُ عنِ الْجَبَالِ فَقلْ يَنْسَفَهَا رَبِّيْ نَسْفًا فِيَنْدِرِهَا  
قَاعًا صَفَصَفَا<sup>(۲۳۰)</sup> (اور وہ تم سے پہاڑوں کی بابت سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو، میرا رب  
ان کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور زمین کو صفا چٹ چھوڑ دے گا)۔ بعض مقامات میں یہ بات بھی  
فرمائی گئی ہے کہ قیامت کے دن پہاڑ تو وہ ریگ (کشیب مہیل) اور سراب کے مانند  
ہ جائیں گے۔ (۱۳۵-۱۳۶)

‘نصف’ کے معنی ہیں کسی چیز کو جزو سے اکھاڑ دینا، غلہ کو چھاج میں رکھ کے پھٹکنا،  
کسی چیز کو خس و خاشک اور خاک اور را کھ بنا کر ہوا میں اڑا دینا۔ (۹۱/۵)

### مناسک:

منسک کی جمع ہے۔ ‘نسک’ کے اصل معنی دھونے اور پاک کرنے کے  
ہیں۔ نسک الشوب کے معنی ہیں کپڑے کو دھو کر پاک کیا۔ اسی سے نسک ہے جس کے معنی  
قربانی کے ہیں۔ قربانی بندے کو گناہ کی آلوگیوں اور آرائشوں سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کا

تقرب عطا کرتی ہے۔ پھر اس سے منک ہے، جس کے معنی قربانی کے طریقہ کے بھی ہیں اور قربان گاہ کے بھی۔ اس کی جمع مناسک ہے جو حج کے تمام سلسلہ عبادت و مراسم پر حاوی ہے۔ فرمایا ہے فاذا قضيتم مناسکم فاذکرو الله۔ البقرہ ۲۰۰ (جب تم حج کے مراسم ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو) (۳۳۹/۱)

### النساء:

نساء، کے معنی متوخر کرنے اور پیچھے ہٹانے کے ہیں۔ اسی سے ”نساء البعير“ دفعہ عن الحوض، ہے جس کے معنی ہیں اونٹ کو پانی کے گھاث پر پہنچنے سے روک دیا ”نساء الراعي في ظلم الابل“ چراہے نے اوتوں کے پانی پلانے کو چند دن پیچھے ہٹا دیا۔ اسی سے ”نسی“ کا اسم بنالیا گیا ہے جس سے عرب جاہلیت کی اصطلاح میں وہ مہینہ مراد ہوتا ہے جس کو چند دن پیچھے ہٹا کر اس کے دنوں میں اضافہ کر دیتے تھے۔ شش سال قمری سال سے تقریباً گیارہ دن زیادہ ہوتا ہے۔ قمری سال کی اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اہل عرب یہ کرتے تھے کہ اس میں کمی کے بعد راضافہ کر دیتے جس کی عملی شکل یہ تھی کہ ہر آٹھ سالوں میں تین ماہ بڑھائے جاتے گویا ہر دوسرے یا تیسرا سال کے خاتمه پر ایک ماہ کیسے کا ہوتا۔ اس طرح اپنے زعم کے مطابق انہوں نے قمری مہینوں بالخصوص اشهر حرم کا احترام بھی قائم رکھا تھا اور اپنے تجارتی فوائد و مصالح کے نقطہ نظر سے اس کوششی بھی بنالیا تھا۔ اہل عرب نے تو یہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اس تخلیل کے تحت کیا کہ اس طرح اشهر حرم کی تعداد بھی پوری ہو جاتی ہے جو دینداری کا مقتضی ہے اور ان کا کار و باری مفاد بھی محفوظ رہ جاتا ہے لیکن قرآن نے ان کی اس دینداری کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کو ان کے کفر میں ایک اضافہ قرار دیا جو راست اور دین قیم، ملت ابراہیم سے ان کے مزید انحراف کا

موجب ہوا۔ (۵۷۱/۳)

### نسی:

‘نسی’ کے معنی یہاں نظر انداز کرنے کے ہیں۔ (۱۰۷/۵) ‘نسی’ یہاں (۳۳)  
نگاہوں سے اچھل ہو جانے کے مفہوم میں ہے۔ (۹۷/۵)

**منسأة:** ‘منسأة’ عصا کو کہتے ہیں۔ (۳۰۶/۲)

### ناشثہ:

ہمارے نزدیک ‘نشا’ سے، جس کے معنی اٹھنے کے ہیں ‘عاقبۃ’ اور ‘عافیۃ’ کے وزن  
پر صدر یا حاصل مصدر ہے۔ ناشثۃ اللیل، کے معنی ہوں گے قیام لیل یا شب  
خیزی۔ (۲۵/۹)

### نشر:

‘نشر’ کے معنی پھیلانے، چھینٹنے، ابھارنے، اگانے کے ہیں۔ یہ لفظ ان تمام  
معانی میں قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ ہوا ہے کیسے ہیں جو ابراہیم رحمت لاتی  
ہیں۔ اس لیے کہ ان میں ‘نشر’ کے مختلف پہلو موجود ہیں۔ یہ بادلوں کو ابھارتی ہیں، پھر ان کو  
فضایں پھیلاتی ہیں، فرمایا ہے: وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَ يَنْشُرُ  
رَحْمَتَهُ (الشوریٰ ۲۸:۳۲) (اور وہی ہے جو نازل کرتا ہے باش بعد اس کے کل لوگ اس  
سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت)۔ (۱۳۲/۹)

‘انشِ الله الارض’، کے معنی یہ ہوں گے، خدا نے زمین کو اس کے خشک دبے  
آب دگیا ہو جانے کے بعد از سر نوزندہ و شاداب کر دیا۔ مثلاً فرمایا ہے۔ وَالَّذِي نَزَّلَ  
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدْرِ فَانْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مِيتَا (زخرف ۱۱) (اور جس نے اس اتارا

آسمان سے پانی ایک خاص اندازہ کے ساتھ پس ہم نے اس سے شاداب کر دیا خلک زمین کو)۔ (۱۳۵/۵)

### انشار:

‘انشار’ کے معنی کھولنے، پھیلانے، پھیلنے اور ازسرنواؤٹ کھڑا کرنے کے ہیں۔  
یعنی جب وہ چاہے گا اس کو اٹھا کھڑا کرے گا۔ (۲۰۷/۹)

### نشوز:

‘نشوز’ کے معنی سر اٹھانے کے ہیں لیکن اس لفظ کا غالب استعمال اس سرتاسری و سرکشی کے لیے ہوتا ہے جو کسی عورت کی طرف سے اس کے شوہر کے مقابل میں ظاہر ہو۔ اگر کسی عورت کے رویے سے ظاہر ہو کہ وہ سرکشی کی راہ پر جل پڑی ہے تو مرد چونکہ قوام ہے اس وجہ سے اس کو عورت کی تادیب کے بعض تاریخی اختیارات دیے گئے ہیں۔ لیکن یہ ملحوظ رہے کہ قرآن نے یہ اختیارات صرف اس صورت کے لیے دیے ہیں جب ‘نشوز’ کا اندیشہ ہو، نشوز جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، عورت کو ہر کوتاہی غفلت یا بے پرواںی یا اپنی شخصیت اور اپنی رائے اور ذوق کے اظہار کی قدرتی خواہش کو نہیں کہتے۔ نشوز یہ ہے کہ عورت کوئی ایسا قدم اٹھاتی نظر آئے جو مرد کی قوامیت کو چیلنج کرنے والا اور جس سے گھر کی مملکت میں بد امنی و اختلال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر ایسی صورت پیدا ہوتی نظر آئے تو مرد تین صورتیں اختیار کر سکتا ہے اور قرآن کا اندازہ بیان دیل ہے کہ ان تینوں میں ترتیب و مرتب ملحوظ ہے۔ (۲۹۳/۲)

### ناشطات:

‘ناشطات’، ‘نشط’ کے مادہ سے ہے جس کے معنی کسی کام کو زمی سے کرنے کے

بھی آتے ہیں اور کسی ری کی گرد یا کسی جانور کے بندھن کو چڑھنے کے لیے چھوڑ دینے کے معنی میں بھی۔ یہاں <sup>(۳۳۳)</sup> قرینة بتارہ ہے کہ یہ زمرو اور آہستہ خرام ہواؤں کے لیے آیا ہے جس طرح سورہ ذاریات میں 'فال جریات یُسرا' کے الفاظ آئے ہیں۔ (۱۸۶/۹)

### نُصب:

**نُصب**: جمع ہے 'نصیب' کی جس کے ایک معنی گاڑے ہوئے پھر کے ہیں۔ گاڑے ہوئے پھر سے مراد وہ پھر بھی ہو سکتے ہیں جو مشرکین اپنی نذریں اور قربانیاں پیش کرنے کے لیے گاڑتے تھے اور وہ پھر بھی ہو سکتے ہیں جو دوڑنے وغیرہ کے مقابلہ کے لیے نشان کے طور پر گاڑ دیے جاتے ہیں۔ این عبار، مجہد اور خحاک اس سے علم مراد لیتے ہیں جس کو دوڑ لگانے کے لیے ایک نشان کے طور پر گاڑ اجائے۔ (۵۸۰/۸)

**نُصب**، تھان اور استھان کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایسے تھان اور استھان بے شمار تھے جہاں دیویوں، دیوتاؤں، بھوتوں، جنوں کی خوشنودی کے لیے قربانیاں کی جاتی تھیں۔ قرآن نے اس قسم کے ذیعے حرام قرار دیے۔ (۲۵۶/۲)

**نُصب**: 'نصب' کے معنی تکان کے ہیں۔ یہاں غداء کا لفظ اس بات کا واضح قرینة ہے کہ مچھلی بھنی ہوئی تھی۔ بے بھنی یا زندہ مچھلی کے لیے 'غداء' کا لفظ کسی طرح موزوں نہیں۔ (۶۰۵/۳)

'نصب' کے معنی تکان، دُکھ اور مصیبت کے ہیں اور عذاب سے مراد وہ اذیتیں ہیں جو جسمانی امراض کی نوعیت کی ان کو پہنچیں۔ ان دونوں لفظوں نے ان تمام مصائب کو سمیٹ لیا ہے جن میں وہ بتلا ہوئے۔ (۵۳۰/۶)

**ناصبة**: 'ناصبة' کے معنی تھکے ہارے کے ہیں۔ (۳۲۹/۹)

**نصح: دیکھیں 'غلول'۔**

**نصر:** 'نصر' کے معنی دوسرے کی مدد کرنے کے ہیں (۵۲۷/۵) 'نصرنا' کے بعد 'من' کا صلہ اس امر کا قرینہ ہے کہ یہاں یہ لفظ 'انتقامنا' کے مفہوم پر مختص ہے۔ (۱۶۸/۵)

### **انتصار:**

'انتصار' کے معنی مدافعت کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کے عذاب سے اپنی مدافعت کرنے والے نہ بن سکے۔ اس معنی میں یہ لفظ معروف ہے۔ امر واقیں کا شعر ہے۔

فَانشَبِ اظْفَارَهُ فِي النَّسَاءِ فَقُلْتَ هَبْلَتِ الْأَنْتَصَرِ (۳۳۳)

(ئے نے اس نیل گاؤ کی ران میں اپنے پنج گاڑیے۔ تب میں نے اس سے کہا، کم بخت! اب تو اپنا بچاؤ کر!) (۷/۱۸) 'انتصار' کے معنی مدافعت کرنے اور انتقام لینے کے ہیں۔ (۹۷/۸) 'انتصار' کے معنی خود اپنی مدافعت کرنے کے ہیں۔ (۵۲۷/۵)

### **انصار:**

انصار، ناصر کی بھی جمع ہے و نصیر کی بھی۔ معنی واضح ہیں۔ ہمارے نزدیک معنی کے اعتبار سے انصار اور حواریین کے لفظ میں کچھ ایسا فرق نہیں ہے۔ چنانچہ اسی اشتراک معنوی کے پہلو سے حواریین کو قرآن نے سورہ صف (۳۳۴) میں انصارِ مدینہ کے سامنے بطور مثال پیش کیا ہے۔ (۹۸/۲)

### **نصاریٰ:**

لفظ نصاریٰ کی تحقیق استاذ امام رحمة اللہ علیہ نے اپنی کتاب مفردات القرآن (۳۳۵)

میں مندرجہ ذیل بیان فرمائی ہے:

نصاریٰ نصرائی جمع ہے جس طرح ندایی ندمان کی جمع ہے۔ شروع شروع میں نصاریٰ کا یہی نام تھا اور ان کے متقدمین میں اس نام کو پسند کرتے تھے لیکن متاخرین نے اپنے متقدمین کے برخلاف اس کو اپنی تحریر سمجھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نصاریٰ بعد کے دور میں دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ نے خلیفہ برحق شمعون (پیغمبر) کی پیروی کی، اس نے اپنے آپ کو نصاریٰ سے موسم کیا۔ اس گروہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے۔ یہی گروہ ہے جس کی قرآن نے مختلف مقامات میں تعریف فرمائی ہے: مثلاً وَتَجَدُّنَهُمْ أَقْرَبُهُمْ مُوَذَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا إِذْنَنَا إِنَّ الْمُصَارِىٰ (اور تم اہل ایمان کی دوستی میں ان لوگوں کو زیادہ قریب پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو نصاریٰ کہا) اس آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ قرآن کا محدود گروہ وہی ہے جس نے اپنے آپ کو نصاریٰ سے موسم کیا۔

ان کے دوسرے فرقہ نے مبتدع بولوس (پال) کی پیروی کی، موجودہ عیسائی اسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہیں ان لوگوں کے نزدیک نصاری کا لفظ ایک تحریر کا لفظ ہے۔ ان کے خیال میں یہ ایک گاؤں کی طرف نسبت ہے جو ایک نہایت حیر سا گاؤں تھا۔ چنانچہ یوحناباب ارجمند میں ہے:

”فلپس نے نئن ایل سے مل کر ان سے کہا کہ جس کا ذکر موئی نے توریت

میں اور نبیوں نے کیا ہے وہ ہم کوں گیا۔ وہ یوسف کا بیٹا یوسع ناصری ہے۔ غن نائل نے اس سے کہا، کیا ناصرہ سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے۔“ یہ بات اس گروہ کے تکبر کی ایک دلیل ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ کا مولد ناصرہ ہی ہے تو اس کی طرف منسوب ہونے میں خمارت کا کون سا پہلو ہے۔ جب کہ ان لوگوں کا دعوئی بھی ہے کہ ناصرہ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش ہے اور یہ کہ وہ ناصری کے لقب سے پکارے جائیں گے۔

چنانچہ تجھی باب ۲-۲۲ میں ہے:

”اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کر وہ ناصری کہلائے گا“ بعض مخالفین قرآن نے اس لفظ کو بھی قرآن پر اعتراض کا بہانہ بنایا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ چوں کہ قرآن کو اس وجہ تسلیم کا پتہ نہیں تھا اس وجہ سے اس نے نصاریٰ کو نصرت سے ماخوذ کھما ہے اور سورہ صاف کی اس آیت میں اسی پہلو سے ان کا ذکر کیا ہے واد  
 قال عیسیٰ ابنُ مریم للحواریین من انصاری اللہ قال  
 الحواریون نحن انصار اللہ<sup>(۳۳۱)</sup> (اور یاد کرو جب کہ عیسیٰ بن مریم  
 نے حواریوں سے کہا کہ خدا کی راہ میں میرا مددگار کون بتتا ہے، حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں) ہمارے نزدیک ان مخالفین کا یہ اعتراض آیت کے مفہوم سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یہاں قرآن مجید نے نصاریٰ کی وجہ تسلیم نہیں بیان کی بلکہ ایک امر واقعی بیان فرمایا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات اس آیت سے نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں

ایک لطیف تہجیع اس بات کی طرف ہے کہ جو لوگ فشاری کے نام سے  
موسوم ہیں انہیں حق کا مددگار ہونا چاہئے کیون کہ اس کا اشارہ خود ان کے  
نام کے اندر موجود ہے۔ اس قسم کی لطیف تہجیعات انبیاء علیہم السلام کے  
کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت عیینی علیہ السلام نے شمعون  
سے جن کا لقب صفا تھا فرمایا کہ ”اور میں بھی تمھرے سے کہتا ہوں کہ تو پھر سن  
ہے اور میں اس پتھر پر اپنی کلیسا بناؤں گا“ باب ۱۸، ۱۶ (۲۲۹/۱-۲۲۰)

### نضخ:

”نضخ“ کے معنی جوش مارنے اور ابلتنے کے ہیں۔ یہ پہاڑی چشموں کی تصویر  
ہے۔ میدانی علاقوں کے جشے تو، جیسا کہ اوپر لفظ تصریحین<sup>(۲۲۲)</sup> آیا ہے، صرف بتتے ہیں  
لیکن پہاڑی چشمے جوش کے ساتھ ابلتنے ہیں۔ (۱۲۹/۸)

### منضود:

”منضود“ اس کے بھلوں کی تصویر ہے کہ وہ تباہتہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہوں  
گے۔ ان کی ترتیب اور ان کے چناؤ کا خُن گواہی دے گا کہ خالق نے خاص اہتمام سے  
اپنے بندوں کی ضیافت کے لیے ان کو چنائے۔ (۱۲۷/۸)

**نَطِيْحَةُ:** جو کسی جانور کی سینگ سے زخمی ہو کر مر جائے۔ (۲۵۶/۲)

### ناظرة:

”نظر“ کے بعد جب ”الى“ کا مصل آتا ہے تو اس کے معنی جس طرح کسی چیز کی  
طرف دیکھنے کے آتے ہیں اسی طرح کسی کی رحمت و عنایت کے موقع و نظر ہونے کے بھی

آتے ہیں۔ ماہرین لغت نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص سے، جس سے اس کو عنایت کی توقع ہو، یہ کہے کہ اَنَّمَا نَنْظَرُ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ إِلَيْكُمْ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اللہ کے فضل اور اس کے بعد آپ کی عنایت کے متوقع ہیں۔  
(۹۰/۹)

**نعاس:** اونچھا اور نیند کو کہتے ہیں۔ (۱۹۵/۲)

### نفع:

نفع یعنق کے معنی چینخ اور آواز دینے کے آتے ہیں۔ نفع المؤذن کے معنی ہیں مؤذن نے اذان دی۔ نفع الراعی بضمہ کے معنی ہیں چوادا ہے نے اپے گلکو لکارا یا پکارا۔ (۳۱۲/۱)

**انعمت علیہم:** میں نعمت سے مقصود دراصل بدایت و شریعت کی نعمت ہے جس سے انسان دنیا اور آخرت دونوں کی فلاج کا رستہ معلوم کرتا ہے۔ فعل انعام یہاں اپنے کامل اور حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد درحقیقت وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کی نعمت عطا فرمائی اور انہوں نے دل و جان سے اس کو قبول کیا، اس نعمت کے دیے جانے پر وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہے، اس کی خوبی بھی قدر کی اور دوسروں کو بھی اس کی قدر کرنے پر ابھارا، اس کے تحفظ کے لیے انہوں نے اپنی قوتیں اور قابلیتیں بھی صرف کیں، مال بھی قربان کئے اور اگر ضرورت پیش آئی تو اس کی راہ میں جان قربان کرنے سے بھی دربغ نہ کیا۔ یہاں بات اجمال کے ساتھ کہی ہے اس وجہ سے واضح نہیں ہوتا کہ یہ اشارہ کس گروہ کی طرف ہے لیکن ایک دوسری آیت میں اس انعام یا فتح گروہ کی وضاحت ہو گئی ہے۔

فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصَّدِيقِينَ الشَّهِداء

والصالحين، (النساء: ۶۹) پس یہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا نام فرمایا، انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔ (جلد، اصحیح ۲۰)

آدمی جس چیز سے جتنا ہی گہرا لگا و رکھتا ہے اس کو اسی قدر وضاحت کے ساتھ خود بھی سمجھنا چاہتا ہے اور دوسرے کو بھی سمجھنا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے صرف اتنے ہی پر بس نہیں کیا کہ ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت بخش بلکہ اس کی پوری وضاحت بھی کر دی ہے اور یہ وضاحت ثابت اور منفی دونوں پہلوؤں سے ہے۔ ثابت پہلو یہ ہے کہ رستہ ان لوگوں کا ہو جن پر تیر انعام ہوا اور منفی پہلو یہ ہے کہ جونہ تو مغضوب ہوئے ہیں اور نہ گمراہ۔ اس وضاحت کے بعد مدعی اس طرح آئینہ ہو کر سامنے آگیا ہے کہ کسی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی ہے۔ (۵۹/۱)

اس ساری وضاحت کی ضرورت اس وجہ سے نہیں تھی کہ (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو دعا کا مدعا سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش آنے کا امکان تھا، بلکہ صرف یہ ہے کہ طالب اپنے مطلوب حقیقی کی طلب کے ساتھ ساتھ ان لوگوں سے اپنی بیزاری کا اظہار بھی کر رہا ہے جنہوں نے اس محجوب و مطلوب سے منہہ موڑایا اس سے بھلک گئے نیز اپنے لیے استقامت واستواری کا بھی طلب کا رہے کہ اس راستے کو پا جانے کے بعد اس پر قائم رہنا نصیب ہو، ان لوگوں کا حشر نہ ہو جن کو یہ رستہ ملنے کو تو ملا لیکن وہ اس کو پا جانے کے بعد اس پر قائم رہنا نصیب ہو، ان لوگوں کا حشر نہ ہو جن کو یہ رستہ ملنے کو تو ملا لیکن وہ اس کو پا لینے کے بعد یا تو دیدہ دانستہ اس سے مخرف ہو جانے کے سبب سے خدا کے غضب میں مبتلا ہوئے، یا اپنی بدعت پسند یوں کی وجہ سے اس کو پا کر اس سے محروم ہو گئے۔

## انعام:

‘انعام’ کا لفظ، پالتو چوپا یوں میں سے جو گوشت یا دودھ ویرہ کے لیے عرب میں پالے جاتے تھے، چار کے لیے معروف ہے۔ چھوٹے چوپا یوں میں بھیز بکری، بڑے چوپا یوں میں اونٹ اور گائے کے لیے۔ جب اس کی طرف لفظ ‘بھیمۃ’ کی نسبت ہو جاتی ہے تو اس میں وہ وحشی چوپائے بھی شامل ہو جاتے ہیں جو اگرچہ پالتو نہیں لیکن شامل انعام ہی کی جنس میں ہیں۔ مثلاً ہرن، جنگلی بکرے، پاڑ ہے، نسل گاؤ، گور خروغیرہ۔ (۱۸۷/۳)

عرب میں انعام کا لفظ اونٹ، گائے، بھیز، بکری کے لیے معروف تھا۔ اس کی طرف ‘بھیمۃ’ کی اضافت نے اس میں وسعت پیدا کر دی اور وہ سارے جانوروں بھی اس میں شامل ہو گئے جو انعام کی جنس سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ پالتو ہیں یا وحشی، مثلاً بھینس، چھترے، دنبے، نسل گاؤ، ہرن، چیل، پاڑ ہے، وغیرہ۔ البتہ وہ جانور اس سے نکل جائیں گے جو درندوں کے حکم میں داخل ہیں اس لیے کہ وہ ‘بھیمۃ الانعام’ کے تحت نہیں آتے مثلاً شیر، ریچھ، بھیز یہ، گئے وغیرہ۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وزندہ جانوروں کو حرام قرار دیا۔ اسی طرح مردار، خنزیر، بہایا ہوا خون اور غیر اللہ کے نام یا تھان اور استھان کا ذبح بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ ان میں نجاست و خباثت ہے۔ بعض کے اندر ظاہری نجاست ہے بعض کے اندر عقلی۔

یہی ضابطہ پرندوں پر بھی لا گو ہو گا۔ ان میں سے بھی جو درندوں کی نوعیت کے ہیں۔ مثلاً چیل، باز، عقاب، شکرے وغیرہ یا ان کے اندر کوئی اس نوع کی خباثت پائی جاتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی وہ حرام ہیں باقی جائز۔

یہی ضابطہ دریائی جانوروں اور ہوام و حشرات پر نافذ ہو گا۔ ان میں سے بھی خبیث

وطیب کے اسی اصول کو سامنے رکھ کر فرق کیا جائے گا جو اور پرمند کرو ہوا۔

اسی ضابطہ پر وہ چیزیں بھی پرکھی جائیں گی جو نباتات میں سے ہیں یا نباتات کی ترکیب و تخلیل سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً شراب خواہ کسی چیز سے تیار کی جائے حرام ہے اس لیے کہ اس میں عقلی و اخلاقی خباثت ہے۔ اسلام میں حلت و حرمت کا اصل ضابطہ یہی ہے۔ اس ضابطہ کی روشنی میں حلال بین اور حرام بین کا معین کر لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

(۱۹۵/۳)

### آنعام:

آنعام کا لفظ عربی میں بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے بیل کے لیے معروف ہے۔ اس کی تصریح خود قرآن نے سورہ آنعام کی آیات ۱۳۳، ۱۳۴ میں فرمادی ہے۔ 'بھیمه' کا لفظ اس سے عام ہے۔ اس میں 'آنعام' کی نوع کے دوسرے چوپائے بھی داخل ہیں۔ آنعام کی طرف اس کی اضافت سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ اونٹ، گائے، بکری اور اس قبیل کے سارے ہی چوپائے، خواہ گھریلوں یا وحشی، تمہارے لیے جائز شہرائے گئے۔ (۲۵۸/۲)

### نفت:

'نفاتات فی العقد' کے معنی گر ہوں میں پھونک مارنے والوں کے ہیں۔ اگرچہ یہ مونٹ ہے لیکن اس سے عورتوں کو مراد لینا لازم نہیں ہے۔ عربیت کے قاعدہ سے آپ اس سے ارواحِ خبیث اور نفوسِ خبیث مراد لے سکتے ہیں۔ عام اس سے کہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور قطع نظر اس سے کہ ان کا اشارہ یہود و مجوہ کی طرف ہو یا عرب کے ساحروں اور کاہنوں کی طرف۔ (۶۶۱/۹)

**نفس:** 'نفس' کے معنی بکریوں یا مویشیوں کا شب میں چڑنا ہے۔ (۱۷۲/۵)

## انفاق:

‘انفاق’ کے معنی واضح ہیں۔ یہ غربات دنیا کی اس محبت کی ضد صفت ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت (۲۵۷)<sup>(۲۵۷)</sup> میں ہوا۔ اگر مرغوبات دنیا کی محبت دل پر اس طرح چھا جائے کہ وہ خدا اور بندوں کے حقوق سے انسان کو روک دے تو یہی وہ چیز ہے جس کو قرآن نے ‘ذین للناس’ سے تعبیر کیا ہے۔ انفاق کی خصلت اس امر کی شہادت ہے کہ صاحب انفاق کی نظر میں اصلی قدر و قیمت دنیوی خZF ریزوں کی نہیں بلکہ آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں کی ہے۔ بر عکس اس کے جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے وہ اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ اس کی نگاہوں میں ساری قدر و قیمت بس اس قابل دنیا کی قابل لذتوں عی کی ہے، آخرت کی زندگی کا اس کے ذہن میں سرے کوئی تصور ہی نہیں۔

(۲۲۹/۲)

## نفل:

نفل کے معنی اضافہ اور زیادتی کے ہیں۔ جو چیز کسی کو اس کے حق سے زیادہ دی جائے تو جتنی حق سے زیادہ دی گئی وہ نفل ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے حق واجب سے زیادہ ادا کیا تو اس حصہ مزید کو نفل، کہیں گے۔ (۲۲۹/۳)

**نافلة:** ‘نافلة’ اصل پر جو شے زائد ہواں کو کہتے ہیں۔ اس کا استعمال کسی نعمت و محبت پر زیادتی کے لیے ہوتا ہے، کسی بار اور مصیبت پر زیادتی کے لیے نہیں ہوتا۔ (۵۳۱/۳)

## تنقیب:

‘نَقْبَ فِي الْأَرْضِ’ کے معنی ہیں ’سار فیها طلبًا للمهرب‘ (اور وہ زمین

میں کسی جانے پناہ کی طلاش میں جل کرڑا ہوا) (۵۶۲/۷)

### نقیب:

نقیب کے معنی ہیں کھو جانے والا، معاملات کی ثوہ میں رہنے والا، لوگوں کے حالات کی جستجو کرنے والا۔ یہی سے یہ قوم اور قبیلہ کے سردار، مگر ان، ذمہ دار افسروں اور مائنٹر کے معنی میں استعمال ہوا۔ اس لیے کہ انوں اور مائنٹروں کا اصلی کام لوگوں کے حالات کی مگر انی اور ان کی محافظت ہی ہوتا ہے۔ (۳۷۳/۲)

**نقم:** نقم، کے معنی انتقام لینے، بدل لینے اور کسی پر غصہ نکالنے کے ہیں۔ (۵۵۱/۲)

### استنکاف:

استنکاف، کے معنی ہیں کسی چیز سے غیرت، حمیت، خود داری یا اخبار کے سب سے اعراض کرنا۔ (۳۳۷/۲)

**نکال:** نکال کے معنی نمونہ عبرت کے ہیں۔ (۲۲۵/۱)

**نظر:** نظر بینظر کے معنی جس طرح دیکھنے کے آتے ہیں اسی طرح اس کے معنی انتظار کرنے کے بھی آتے ہیں۔ (۱۰۰/۱)

**انفاض:** ”انفاض“، کے معنی سر ہلانے کے ہیں۔ (۵۱۰/۳)

**نفع:** ”نفع“، کے معنی گرد و غبار کے ہیں۔ (۵۰۱/۹)

**انکاش:** ”انکاش“ کی جمع ہے جس کے معنی ادھیزی ہوئی رسی یا زار تار کیے کپڑے یا سوت کے ہیں۔ (۳۳۲/۳)

**نکد:** دیکھیں ”خبیث“۔

### **منکر:**

معروف کا ضد ہے۔ معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کا ہر اچھی سوسائٹی میں چلن ہو۔ مثلاً مہمانداری، مسافرنوازی اور اس قبیل کی دوسری نیکیاں۔ منکر اس کا ضد ہے تو اس سے مراد باتیں ہوں گی جو معروف اور عقل و عرف کے پسندیدہ طریقہ اور آداب کے خلاف ہوں۔ (۲۳۹/۲)

**نکس:** ’نکس‘ کے معنی کسی چیز کو اس طرح الٹ دینے کے ہیں کہ اس کے پاؤں اور ہوجائیں اور اس کا سر نیچے۔ (۱۶۳/۵)

### **تنکیس:**

’تنکیس‘ اور ’نکس‘ کو عام اہل لغت بالکل ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ یعنی کسی شے کو چیچپے کی طرح لوٹا دینا۔ لیکن میرے نزدیک تنکیس میں تدریج کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ یعنی درجہ درجہ کسی چیز کو چیچپے کی طرف لوٹانا۔ قرآن میں یہ دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں اور دونوں جگہ یہ فرق ملاحظہ ہے۔ (۲۳۶/۶)

### **انکال:**

”انکال، جمع ہے نکل، کی۔ اس کے معنی بیڑی کے بھی ہیں اور آئندی کام کے بھی۔ دوسرے مقام (۳۳۹) میں ’سلامل‘ اور ’اغلال‘ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (۲۹/۹)

**نمارق:** ’نمارق‘، ’تالینوں‘ اور ’غایچوں‘ کے معنی میں آتا ہے۔ (۳۳۲/۹)

**نهر:** 'نهر' کے معنی ڈانٹنے اور جھوڑ کرنے کے ہیں۔ (۳۹۶/۳)

### نور:

'نور' کے معنی روشنی کے ہیں۔ روشنی اشیاء کو نمایاں کر دیتی ہے جس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ انسانی فطرت کرتے بہت پردوں کے اندر علم و حکمت کے جو حل و گھر چھپے ہوتے ہیں۔ کتاب الہی کی روشنی نمودار ہو کر ان کو آنکھوں کے سامنے کر دیتی ہے۔ (مبارکہ قرآن، ۱۳۲)

'نور' سے مراد عقلی و ایمانی روشنی۔ ظلمت کی جمع لانے میں، جب کہ لفظ مقابل 'نوز' واحد استعمال ہوا ہے، ایک لطیف نکتہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ عقلی و اخلاقی مفاسد کے ظہور میں آنے کے راستے اور دروازے مختلف ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں لیکن عقلی و اخلاقی روشنی کا دروازہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ۔ (۲۷۹/۳)

'نور' سے مراد یہاں (۳۵۰) عقلی، ایمانی، عملی اور اخلاقی روشنی ہے۔ اسی طرح ظلمت سے یہاں مراد عقلی و اخلاقی ظلمت ہیں۔ چونکہ حق کی روشنی کا منبع ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ، نیز حق میں انتشار نہیں بلکہ وحدت پائی جاتی ہے اس وجہ سے یہ لفظ واحد استعمال ہوا۔ بر عکس اس کے ظلمت، جمع استعمال ہوا اس لیے کہ اس کے ظہور میں آنے کے راستے بھی مختلف ہیں اور اس کے مزاج میں انتشار و اختلاف بھی ہے۔ (۵۹۸/۱)

'نور' (نہک روشنی) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ (۲۵۱/۳)

**منیر:** دیکھیں 'کتاب منیر'۔

**نوى:** نوى گھٹھلی کو کہتے ہیں (۱۱۷/۳)

## ہارون:

ہارون سے مراد یہاں حضرت موسیٰ کے بھائی ہارون نہیں ہیں بلکہ حضرت مریم کے خاندان ہی کے لوگوں میں سے کسی نیک شہرت رکھنے والے شخص کا نام ہے۔ حدیثوں سے بھی ایسا یہ معلوم ہوتا ہے۔ (۶۲۷/۳)

## ہامان:

’ہامان‘ کا ذکر گزر چکا ہے۔ یہاں (۳۵۲) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو فرعون کے وزیرِ اعظم یا کم از کم وزیرِ تعمیرات کی حیثیت حاصل تھی۔ (۶۷۶/۵)

## ہبط:

ہبط کے اصلی معنی گرنے کے پیش اور استعمال میں یہ کسی مسافر کے کسی منزل میں اترنے کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہیں گے هبطنا الوادی (ہم وادی میں داخل ہوئے) کہیں سے اہبظوا مصر ا کا محاورہ رانج ہوا اور ہبوط کا لفظ نزول کے مراد ف کی حیثیت سے استعمال ہونے لگا۔ اس استعمال کی وجہ غالباً یہ ہوئی ہوگی کہ مسافر جب کسی مقام پر قیام کا ارادہ کرتا ہے تو وہاں وہ اپنے مرکب سے اترتا ہے۔

اس خاص موقع پر اس لفظ میں یہ موزونیت بھی ہے کہ بنی اسرائیل نے جن چیزوں کا مطالبہ کیا تھا وہ کسی ہموار نشیبی اور زرخیز علاقہ ہی میں مل سکتی تھیں۔

(۱۲۵/۱)

**تہجد:** ’تہجد‘ کے معنی لغت میں تو شب میں کچھ سونے کے بعد اٹھنے کے ہیں لیکن قرآن میں اس سے مراد وہ نماز ہے جو شب میں کچھ سونے کے بعد اٹھ رپڑھی جائے۔

(۵۳۱/۲)

**ہدّہ:** 'ہدّہ' کے معنی کسی دیوار وغیرہ کے دھاکے کے ساتھ گرنے کے ہیں۔ (۶۸۶/۲)

### ہدی:

ہدی کا لفظ عربی میں بھی اور قرآن مجید میں بھی کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے<sup>(۳۵۱)</sup>۔ جن معانی کے نظائر خود قرآن میں موجود ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ قلبی نور و بصیرت۔ مثلاً وَالذِينَ اهتَدُوا زادُهُمْ هُدًى (محمد ۷۱) (اور جو لوگ ہدایت کی را اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی قلبی بصیرت میں اضافہ فرماتا ہے)۔
- ۲۔ دلیل و وجہ اور نشان راہ۔ مثلاً او اجَدَ عَلَى النَّارِ هُدًى (طہ ۱۰) (یا مجھے آگ کے پاس پہنچ کر کوئی نشان راہ مل جائے) بغیر علم ولا هدی ولا کتاب منیر (انج ۸) (بغیر کسی علم بغیر کسی دلیل اور بغیر کسی روشن کتاب کے)۔
- ۳۔ سیدھا اور صاف راستہ۔ مثلاً انكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ (انج ۶۸) بے شک تم ایک سیدھے راستے پر ہو۔ یہیں سے یہ لفظ طریقہ اور شریعت کے معنی میں استعمال ہوا۔ اس معنی کی مثالیں بھی قرآن میں موجود ہیں۔ مثلاً فَبِهِدَاهُمْ أَقْدَهُ (الانعام ۹) (پس ان کے طریقہ کی پیروی کرو)۔ انَّ الْهُدَىٰ لِلَّهُ (آل عمران ۷۲) (او شریعت تو بِاللَّهِ كَيْ شریعت ہے)۔
- ۴۔ فعل ہدایت۔ مثلاً لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكُنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (البقرہ ۲۷۲) (تمہارے ذمہ ان کی ہدایت دینا نہیں ہے بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے)۔

قرآن مجید ظاہر ہے کہ ان چاروں معنوں کے اعتبار سے ہدی ہے۔ (۱/۸۷)

‘ہدی یہدی’ کسی مقصد میں با مراد کرنے کے مفہوم کے لیے بھی قرآن میں  
جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ (۶/۵۶۳)

‘هدایہ’ یہاں ہدایت یا فتنہ بنادینے کے مفہوم میں ہے۔ (۵/۱۹۱)

### **اہد :**

اہدنا کا مطلب صرف اسی قدرنہیں ہے کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے بلکہ اس کا  
مفہوم اس سے بہت زیادہ ہے۔ اس میں یہ مفہوم بھی ہے کہ اس راستے کی صحت پر ہمارے  
دل مطمئن کر دے، اس پر چلنے کا ہمارے اندر ذوق و شوق پیدا کر دے اس کی مشکلیں ہمارے  
لیے آسان کر دے اور اس پر چلا دینے کے بعد دوسرا پگڈا ٹھیوں پر بھکلنے سے ہمیں محفوظ  
رکھ۔ یہ سارا مضمون یہاں صلک و حذف کر دینے سے پیدا ہوتا ہے۔ (۱/۵۹)

### **ہدی:**

ہدی، قربانی کے جانوروں کو کہتے ہیں جو بطور ہدی یہ خدا کے حضور پیش کرنے کے  
لیے بیت اللہ لے جائے جاتے ہیں۔ (۲/۲۵۳)

### **ہش:**

‘ہش’ کے معنی درخت سے پتے جماڑنے کے ہیں۔ عکیری نے ‘اہش بھا علی  
غمی’ کے معنی ‘اقوم بھا علی غمی’ کے لیے ہیں (۳۰۳)۔ یعنی اس لحیا سے میں  
اپنے رویڑ کی چروانی اور حفاظت کرتا ہوں۔ اگر نفت سے اس معنی کی شہادت مل جائے تو  
بہت خوب ہے لیکن عکیری نے کوئی شہادت نہیں پیش کی ہے۔ اس وجہ سے میں نے معروف  
ہی کی پیروی کی ہے۔ (۵/۳۳)

**ہشیم:** 'ہشیم' اسی طرح کی ریزہ ریزہ چیز کو کہتے ہیں۔ (۱۰۷/۸)

**ھضیم:** 'ھضیم' یعنی 'داخل بعضها فی بعض' وہ کبھو جس کے خوشنے آپس میں  
حکمت کھا ہوں۔ (۵۲۲/۵)

**اھطاع:** کسی طرف تیزی سے بڑھنے اور لپکنے کے معنی میں آتا ہے بالخصوص جب کہ یہ  
بڑھنا اور لپکنا خوف و دہشت کی بنا پر ہو۔ (۳۳۹/۳) 'اھطاع' کے معنی کسی طرف تیزی  
سے بڑھنے اور لپکنے کے ہیں۔ (۵۷۷/۸)

**ھلوع:** 'ھلوع' کے معنی جلد باز، بے صبرے اور خود لے کے ہیں۔ (۵۷۰/۸)

### اھلہ:

اھلہ هلال کی جمع ہے۔ هلال شروع ماہ کے چاند کو بھی کہتے ہیں اور اس سے  
مراد ہمینہ بھی ہوتا ہے۔ خاص طور پر جمع کی صورت میں تو اس کا استعمال ہمینہوں ہی کے لیے  
معروف ہے۔ (۳۷۱/۱)

### ھمن:

'ھمنز' کے معنی اشارہ بازی کرنے اور 'الْمُنْزَ' کے معنی عیب لگانے کے ہیں۔  
'ھمنزہ' اور 'الْمُنْزَہ' مبالغہ کے صیغہ ہیں اور اسی سورہ میں آگے 'حُكْمَة' بھی اسی وزن پر آیا  
ہے۔ 'ھمنزہ' کے معنی اشارہ باز اور 'لُمَزَہ' کے معنی عیب نہ اور عیب جیسے کے ہیں۔  
اشارة بازی کا تعلق زیادہ تر حرکتوں اور داؤں سے ہے۔ اور عیب جوئی کا تعلق زبان سے۔  
یہ دونوں ایک سی کردار کے دو پہلو ہیں۔ جب کسی کاذب اڑانا، اس کا تہذیک کرنا اور اس کو  
دوسروں کی نگاہوں سے گرا نا مقصود ہو تو اس میں اشارہ بازی سے بھی کام لیتے ہیں اور زبان

سے بھی۔ اشارہ بازی سے کسی کی تفحیک و تحریر کے جو پہلو پیدا کیے جاسکتے ہیں بسا اوقات وہ زبان کی تقریبہ بازیوں سے زیادہ کارگر ہوتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے 'ہمزة' کو مقدمہ رکھا ہے۔ (۵۸۷)

**ہمس:** 'ہمس' کے معنی باریک اور پست آواز کے ہیں جو کان پھوسی کی نوعیت کی ہو۔ (۹۲۵)

**ہنیس:** 'فعیل' کے وزن پر صفت ہے۔ اس کے معنی ہیں راس آنے والی چیز۔ (۲۲۸)

### مَهِيمَنْ:

'مَهِيمَنْ' اصل میں 'مُأْمِنْ' ہے دوسرا ہمزرہ ی سے اور پہلا ہ سے بدل گیا ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے (الحضر ۲۳) اور قرآن کی صفت کے طور پر بھی۔ 'هیمن الطائر علی فراخه' کا مطلب یہ ہو گا کہ پرندہ اپنے بچوں کے اوپر پر پھیلانے ہوئے منڈلا رہا ہے، گویا ان کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے 'هیمن فلان علی کذا' فلاں اس چیز کا محافظ اور گران بن گیا۔ اپنے سے سابق صحیفہ پر قرآن کے نہیں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن اصل معتمد نسخہ کتاب الہی کا ہے اس لیے دوسرے صحیفوں کے حق و باطل میں امتیاز کے لیے کسوٹی ہے۔ جو بات اس کسوٹی پر کمری ثابت ہوگی وہ کمری ہے، جو اس پر کھوٹی ثابت ہوگی وہ محرف ہے۔ (۵۳۳/۲)

**هاج البقل:** 'هاج البقل' کے معنی ہوں گے 'اخذ فی اليبس' سبزی خشک ہونے لگی۔ (۵۸۱/۶)

## ہاد:

ہاد ریہود رہو دا کے معنی رجوع کرنے اور تو بہ کرنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ان الفاظ میں نقل و تی ہے، وَا نَحْبَلُ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدُنَا إِلَيْكَ (الاعراف ۱۵۶) (اور ہمارے لیے اس دنیا میں اور آخرت میں بھلائی لکھ دے۔ ہم نے تیری طرف رجوع کیا) پھر ہاد اور تھوڑا یہوی ہونے کے معنی میں استعمال ہوئے اور یہ استعمال عربی زبان کے عام قاعدے کے مطابق ہے، جس طرح تھوڑا نصرانی ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس لفظ کی اصل حقیقت بھی ہے لیکن بعض مخالفین اسلام نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ قرآن نے یہ لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہود کا لفظ ہود کے مادہ سے نہیں ہے بلکہ یہ یہودا کی طرف نسبت ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے تھے۔ اس اعتراض کے سبب سے اس لفظ کی تحقیق ضروری ہے۔ مولانا فراہی نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں اس لفظ کی جو تحقیق بیان کی ہے، ہم اس کے ضروری حصہ کا اقتباس یہاں درج کرتے ہیں (۳۵۰)۔ مولانا لفظ کے انتقاد پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہم یہاں اس لفظ کے انتقاد پر گفتگو کریں گے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ جن لوگوں نے قرآن مجید کے خلاف یہ اعتراض اٹھایا ہے انہوں نے نہ تو قرآن مجید ہی کو سمجھا ہے اور نہ خود اپنے صحیفوں ہی کو سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے یہ لفظ جو استعمال کیا ہے تو اپنی طرف سے ایجاد کر کے نہیں کہا ہے بلکہ عربی زبان کے ایک عام استعمال کردہ لفظ کو استعمال کیا ہے۔ اہل عرب

ہاد یہود کا فعل یہودی ہونے کے معنی میں استعمال کرتے آئے ہیں اور قرآن مجید نے بہ ناکا لفظ جو استعمال کیا ہے تو لفظ یہود کا اختلاف بیان کرنے کے لیے نہیں کیا ہے بلکہ یہ لفظ اپنے اصل معنی یعنی توبہ کرنے اور رجوع کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خاص اس لفظ کے استعمال میں بلاعثت کا ایک نکتہ ہے۔ وہ یہ کہ یہ یہود کو ایک ایسی حقیقت کی طرف متوجہ کر رہا ہے جس کو وہ بالکل فراموش کر بیٹھے تھے۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

اس اعتراض سے انہوں نے خود اپنے صحیفوں سے جس بے خبری کا ثبوت دیا ہے اس کی حقیقت اس تفصیل سے واضح ہو گی جو ہم آگے پیش کر رہے ہیں:

”یہود احضرت یعقوب علیہ السلام کے ان بارہ بیٹوں میں سے چوتھے بیٹے تھے جن سے نبی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کا ظہور ہوا ہے۔ یشواع کے زمانہ میں مفترضہ علاقہ انہی لوگوں کے درمیان تقسیم ہوا اور اس تقسیم میں ارشلیم سے لے کر اس کے جنوب کا تمام علاقہ نبی یہودا کے حصہ میں آیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اسی خاندان سے تھے۔ ان کے زمانہ میں تمام سلطنت نبی اسرائیل ان کے قبضہ میں آئی جس سے اس خاندان کی عظمت و شوکت کو چارچاند لگ کر گئے۔ ان کے بعد ان کے وارث ان کے بیٹے حضرت سليمان علیہ السلام ہوئے جنہوں نے اپنے وارث السلطنت میں ہیکل کی تعمیر کی۔ اس سے نبی یہودا کی عظمت میں مزید اضافہ ہوا۔“

”حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کے اندر اختلافات پیدا ہوئے اور یہ پوری قوم دھسوں میں بیٹھ گئی۔ ایک حصہ یہودا کے نام سے موسوم ہوا اور دوسرانی اسرائیل کے۔ بقیہ خاندانوں کے نام اس کے بعد بالکل غیر معروف ہو کر رہ گئے۔ بعد کی تاریخ میں یہود اور اسرائیل دونی نام آتے ہیں۔ پھر جب یہ لوگ کلدانیوں کی اسیری میں جلا ہوئے ہیں تو تمام نبی اسرائیل کے لیے یہود کا لفظ ایک مشترک نام کی خیثیت سے استعمال ہونے لگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یہود اور یہود میں کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔“

لفظ یہودا کے اختراق میں یہود کو یہ الاستباہ پیش آیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ لفظ یہوا و رہا سے مرکب ہے۔ یہو کے معنی اللہ کے اور رہا کے معنی ہذا کے ہیں۔ چوں کہ اس طرح یہو کے ساتھ ترکیب پائے ہوئے نام ان کے ہاں موجود ہیں اس وجہ سے ان کو یہ غلط فہمی پیش آئی اور یہودا کی وجہ تیریہ کے بارے میں کتاب پیدائش میں جو عبارت موجود ہے اس کو یہ لوگ نہ سمجھ سکتے۔ سفر حکوین کی عبارت یہ ہے۔

اور وہ (یہ زوجہ یعقوب علیہ السلام) پھر حاملہ ہوئی اور اس کے بیٹا ہوا۔ تب اس نے کہا کہ میں اب خداوند کی ستائش کروں گی۔ اس لیے اس کا نام یہودا رکھا۔ (پیدائش ۳۵:۱۸)

اس سے یہود نے یہ سمجھا کہ یہ لفظ اس واقعہ اور یہود کے لفظ کی طرف اشارہ کر رہا ہے حالانکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی حمد کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

الفاظ اس تاویل کے محتمل ہیں، اور مندرجہ ذیل امور اس کی تائید میں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے ناموں کے معانی کی طرف جس طرح ان کی ولادت کے ذکر کے سلسلہ میں اشارہ ہوا ہے اسی طرح اس موقع پر بھی اشارہ ہوا جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے۔ مثلاً ولادت کے بیان کے سلسلہ میں کتاب پیدائش باب ۱۹، ۲۰ میں ہے۔

اور لیاہ پھر حاملہ ہوئی اور یعقوب سے اس کے چھٹا بیٹا ہوا۔ تب لیاہ نے کہا کہ خدا نے مجھے اچھا مہر بخشنا۔ اب میرا شوہر میرے ساتھ رہے گا کیوں کہ میرے اس سے چھ بیٹے ہو چکے ہیں سو اس نے اس کا نام زبولون رکھا۔

پھر اس کتاب میں دعائے برکت کے سلسلہ میں یہ الفاظ وارد ہیں:

زبولون سمندر کے کنارے بے گا ۳۹

غور کر کے دیکھو، ان دونوں مواقع پر سکونت کے معنی کی طرف اشارہ موجود ہے۔

اسی طرح یہودا کے متعلق اس کتاب میں جو دعاء کو رہے اس کے الفاظ یہ ہیں:  
اے یہودا! تیرے بھائی تیری مدح کریں گے۔

تیرا ہاتھ تیرے دشمنوں کی گردان پر ہو گا  
تیرے باپ کی اولاد تیرے آگے سرگوں ہو گی۔

اس سے واضح ہوا کہ یہودا کے تسمید میں درحقیقت حمد و طاعت کا مفہوم

لحوظ ہے۔ اور لفظ یہودا یہوا اور ذا سے مرکب نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہی لفظ ہے اور اس کا مادہ ہو دے ہے۔

دوسرایہ کہ کلدانیوں کی اسیری کے بعد سے ان کے لیے مشترک طور پر جو نام استعمال ہوا ہے وہ یہود اور یہودی کا ہے۔ اس کے ثبوت عزرا، نحیم، استیر، اشعیا، ارمیا، دانیال اور انجیل سب میں موجود ہیں یہاں تک کہ یہی نام زبانِ زد عوام و خواص ہو گیا۔ اگر اصل نام یہودا ہوتا، جیسا کہ ان لوگوں کا دعویٰ ہے تو پھر اس کی طرف نسبت یہودی (ذال کے ساتھ) ہونی چاہئے نہ کہ دال کے ساتھ۔

تیسرا یہ کہ لفظ یہو کے ساتھ کسی ایسے ہی لفظ کو ملا یا جاسکتا ہے جس کا مالیا جانا اس کے ساتھ موزوں ہو۔ لفظ ذا کوئی ایسا موزوں لفظ نہیں ہے جو کسی مخلوق کا نام رکھنے کے لیے اس کے ساتھ ملا یا جائے، کیوں کہ اس کے ملانے جو معنی بنتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اللہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے لیے اس لفظ کا استعمال ایک نہایت ہی مکروہ ہی بات ہے۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ قرآن مجید نے یہاں اپنے عام قاعدے کے مطابق، یہود کو ان کی ایک غلطی پر متذہب کیا اور یہ واضح کیا ہے کہ لفظ یہودا جس کی طرف وہ اپنے کو منسوب کرتے ہیں اس کی اصل مادہ ہو دے ہے اور اس میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کے نام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

## ہور:

ہار، ہار یہور ہو رہا، سے ہے۔ ہارِ البناء، کے معنی عمارت پھٹ کر مائل بہ سقوط ہے۔ اسی سے فاعل 'ہانر' بھی آتا ہے اور قلب ہو کر 'ہار' بھی آتا ہے جس طرح شانک السلاح اور شاکی السلاح دونوں آتا ہے۔ (۲۲۲/۳)

**ہون:** 'ہون' کے معنی خاکساری اور فروتنی کے ہیں۔ (۲۸۵/۵)

## عذاب مھین:

'عذاب مھین' سے مراد ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ یہ ذلیل کرنے والا عذاب ان کو اس لیے دیا جائے گا کہ ان کے جرائم کا اصل محرك اخبار تھا جیسا کہ فرمایا: افکتما جان کم رسول بما لا تھوئ انفس کم است کب و تم (۳۵۵) (کیا جب جب کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی بات لے کر آئے گا جو تمہاری خواہشوں کے خلاف ہوئی تو تم اخبار کے ساتھ اس کا انکار کر دو گے)۔ (۱۷۱-۲۷۲)

## ہوئی:

'ہوئی یہوئی' کے اصل معنی کسی چیز کے اوپر سے گرنے کے ہیں۔ یہ لفظ ستاروں کے افق سے غائب ہونے اور ڈوبنے کی تعبیر کے لیے موزوں ہے اور اس آتش بازی کے لیے بھی موزوں ہے جو غیب کی نوہ لگانے والے شیاطین پر ستاروں سے ہوتی ہے اور جس کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہوا ہے۔ (۵۰/۸) (۳۵۱)

## ہوی!

'ہوی' هدی اللہ کی ضد ہے یعنی اگر تم نے اللہ کی یہ ہدایت، چھوڑ کر اپنی

خواہشوں اور بدعتوں کی پیروی کی تو تم اس قطع سے ہٹ جاؤ گے جس پر اللہ تعالیٰ نے تم کو  
قاوم کیا ہے اور جس کی دعوت اور شہادت پر تم ماسور کیے گئے ہو۔ (۲۰۷)

اهواء سے مراد بدعات ہیں۔ بدعات جس قدر بھی ہیں سب خواہشوں سے پیدا  
ہوتی ہیں۔ انسان جب اپنی کسی خواہش کو دین بنانا چاہتا ہے تو اس کے لیے کوئی بدعۃ ایجاد  
کرتا ہے اور اس پر دین کا ملائم پڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔ (۵۶۹/۲)

### استہواء:

‘استہواء’ کے معنی کسی کی عقل گم کر دینا، ہوش اڑا دینا، حیران و درماندہ کر دینا۔

(۸۲/۳)

**ہیت لک:** کے معنی ‘ہلم لک و تعالیٰ یعنی آؤ۔ (۲۰۵/۳)

### ہیهات:

‘ہیهات’ اسہم فعل ہے۔ یہ عربی میں مختلف شکلوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس  
موقع پر بولا جاتا ہے جب کسی چیز کو نہایت مستجد اور یعید از امکان ظاہر کرنا ہو۔ ہماری کی  
صورت میں اس کے اندر تاکید اور شدت کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ استفہام یہاں استکار  
کے مفہوم میں ہے۔ (۳۱۸/۵)

### ہیم:

‘ہیم’ جمع ہے ‘اہیم’ کی۔ اہیم اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کو ہیام، یعنی تو نس کی  
بیماری لاحق ہو۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ پانی پیتا چلا جاتا ہے لیکن اس کی پیاس کی طرح  
نہیں بھتی۔ (۱۷۲/۸)

## مہیمن:

‘المہیمن’ کے معنی خلیل (۲۰۴) اور ابو عبیدہ (۲۰۸) کے نزدیک گیرانی کے ہیں۔ ابن الابناری (۵۹) کے نزدیک القائم علی النامی یعنی لوگوں کے مخلفت کے ہیں۔ امام فراہی کے نزدیک اس کے معنی معتد او روکیل کے ہیں (۲۰)۔ میرے نزدیک ان معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ جو مخالف و مگر ان ہوتا ہے وہ درحقیقت معتد او روکیل ہوتا ہے۔ قرآن مجید مہیمن، ہے اس لیے کہ تمام آسمانی صحیفوں کے لیے قابلِ معنا و کسوٹی وہی ہے۔ (۳۱۳/۸) ‘مہیمن’ کے معنی کسوٹی کے ہیں۔ (۲۳۰/۸)

## مَوْثِل: ‘موتل’ کے معنی پناہ گاہ کے ہیں۔ (۶۰۵/۳)

موبق: ‘موبق’ کے معنی ہلاکت کا کھڑ، جنای کا گڑھ۔ (۵۹۶/۳)

وابل: وابل کے معنی ہیں زور کی بارش۔ زور کا دو گڑا۔ (۶۱۶/۱)

وَتَر: ‘وتر’ کے معنی طاق کے ہیں۔ (۲۳۸/۹)

تتری: دیکھیں ”تتری“ ماذہت تر میں۔

## مُوشِق:

مُوشِق اور جثاث کے معنی عہد و بیان کے ہیں۔ اس لفظ کی روح و ثوق اور استحکام ہے اس وجہ سے یہ خاص طور پر اس عہد و بیان کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی اہل معاملہ کے لیے پورے شور اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ بانیز ہا گیا ہو اور جس کی وفاداری کا تائید کے ساتھ اٹھا رہا اور اکیلہ گیا ہو۔ (۲۳۲/۱)

**وجہ:**

‘وجہ’ کے معنی یافت کے ہیں۔ آدمی کا معاشرہ زندگی اس کی آمدی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ (۳۳۳/۸)

**توجیہ:**

‘وجہت’ کا لفظ ‘اسلمت’ کے مضمون پر بھی مشتمل ہے۔ یعنی میں نے اپنے آپ کو بالکلیہ آسمان و زمین کے خالق واللک کے حوالہ کر دیا۔ یہ تو حید اور اسلام کی عظیم آہت اور ملیٹ ابراہیم کا کلمہ جامعہ ہے اور ہم چونکہ اپنی نمازوں میں اسی حقیقت کا اظہار و اعتراف کرتے ہیں اس وجہ سے ان کا آغاز اسی کلمہ جامعہ سے کرتے ہیں۔ (۹۶/۳)

**وجیہ:**

وجیہ کے لفظ سے اس سرداری کی شان کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جس کا ذکر اور حضرت یحییٰ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ لوقا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ سال کی عمر میں حضرت مسیحؐ نے پہلی بار یہیکل میں تعلیم دی لیکن اس کم سنی کے باوجود ان کی تعلیم کی حکمت و معرفت، کلام کی بلاغت و جزالت اور لب و لہجہ کی عظمت و جلالت کا عالم یہ تھا کہ فقیرہ اور فریسی، سردار کا، ہن اور یہیکل کا تمام عملہ دم بخود رہ گیا۔ وہ حیرانی کے عالم میں ایک ایک سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ کون ہے جو اس شکوہ سے بات کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اس کو اختیار ملا ہوا ہے۔ یہودیہ کی بستیوں میں جب انہوں نے تبلیغ شروع کی تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہچل بچ گئی۔ خلقت ان پر ٹوٹی پڑتی تھی۔ فقیرہ اور فریسی سب پر ایک سرائیگمگی کا عالم تھا، وہ ان کو زیچ کرنے اور عوام میں ان کی مقبولیت کرنے کے لیے ان سے طرح طرح کے سوالات کرتے لیکن سیدنا مسیح دو دو لفظوں میں ان کو ایسے

دنداں شکن جواب دیتے کہ پھر ان کو زبان کھونے کی جرأت نہ ہوتی۔ تھوڑے ہی دنوں میں ان کی وجہت کا یہ غلظہ ہوا کہ عوام ان کو اسرائیل کا بادشاہ کہنے اور ان کی بادشاہی کے گیت گانے لگے، یہاں تک کہ روئی حکام—ہیرودس اور پیلا طوس—کے سامنے بھی یہ مسئلہ ایک نہایت اہم مسئلہ کی حیثیت سے آگیا لیکن وہ بھی اپنی تمام قوت و جبروت کے باوجود سیدنا مسیح کی علت و صداقت اور ان کی بے پناہ مقبولیت سے مرعوب ہو گئے۔ (۹۲۲)

### وحى:

‘وحى’ سے مراد یہاں <sup>(۳۹۱)</sup> ظاہر ہے کہ وہ اصطلاحی وحی نہیں ہے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ بلکہ الہام والقاء یا رؤیا کے ذریعہ سے اس طرح دل میں کوئی بات ڈال دنیا ہے جس سے دل کو اس پر فی الجملہ اطمینان ہو جائے۔ (۶۵۸/۵)

‘وحى’ سے یہاں <sup>(۳۹۲)</sup> مراد وہ جملی اور فطری وحی ہے جو ہر خلق کو اپنے اندر دیعت کرده صلاحیتیں استعمال کرنے کے لیے قاطر فطرت و جلت کی طرف سے ہوتی ہے۔ (۳۲۸/۲)

‘وحى’ سے مراد دل میں بات ڈال دینے کے ہیں۔ اسی کو احادیث میں ‘القاء فی الرُّوْعِ’ یا ‘نفث فی الرُّوْعِ’ سے تعبیر کیا گیا ہے <sup>(۳۹۳)</sup>۔ (۱۹۱/۷)

وَدَّ: وَدَّ قبیل بن قفاعة کی شاخ بنی کلب کا نام تھا۔ (۶۰۳/۸)

**مستودع:** دیکھیں ‘مستر’۔

### ورد:

یہ ‘ورد برد’ سے اسی ہے۔ اس کی معنی گھاث پر اترنے کے ہیں جس طرح

پیاسے اونٹ لگھاٹ پر جاتے ہیں۔ (۲۸۳/۳) 'ورد' کے معنی کسی گھاٹ پر پانی پینے پلانے کے لیے اترنے کے ہیں۔ (۱۶۵/۳)

### ورود:

'وارد' کے اصل معنی تو گھاٹ یا چشمہ پر اترنے والے کے ہیں۔ عرب میں قافلے والے یوں کرتے کہ جس کنوں میں اترنا ہوتا ذرا پسلے اپنا ایک آدمی اس پر بھیج دیتے کہ وہ پانی وغیرہ کا انتظام کر سکے۔ یہاں 'وارڈ' سے وہی مراد ہے۔ (۲۰۰/۳)

### ورق:

'ورق' کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے سکہ یا روپیہ کیا ہے لیکن ہم نے رقم کیا ہے اس لیے کہ ورق کے معنی چاندی کے ہیں اور یہ بجائے خوبی سکہ کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ہم نے ایسا لفظ اختیار کیا ہے جس کا اطلاق مسکوک اور غیر مسکوک دونوں پر ہو سکتا ہے۔ (۵۷۳/۲)

**ایراء:** 'مُورِيَات'، 'ایراء' سے ہے جس کے معنی چھتاق یا کسی چیز سے آگ نکالنے کے ہیں۔

(۵۰۰/۹)

**وزع:** 'وزع' کے اصل معنی روکنے، تھانے اور سنبھالنے کے ہیں۔ (۵۹۳/۵)

### وسط:

وسط لفظ ولد کی طرح مذکور اور موئٹ، واحد اور جمع سب کے لیے آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ شے جو دو طرفوں کے درمیان بالکل وسط میں ہو۔ یہیں سے اس کے اندر

بہتر ہونے کا مفہوم پیدا ہو گیا اس لیے کہ جو شے دو کناروں کے درمیان ہو گی وہ نقطہ وسط اعتدال پر ہو گی اور یہ اس کے بہتر ہونے کی ایک فطری دلیل ہے۔ امت مسلمہ کو امت وسط کہنے کے وجہ یہ ہے کہ یہ امت تھیک تھیک دین کی اس نیچ شاہراہ پر قائم ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلق کی رہنمائی کے لیے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے کھولی ہے اور جوابتداء سے ہدایت کی شاہراہ ہے۔ (۳۶۲/۱)

### الوسطی: دیکھیں "الصلة الوسطی"۔

#### وسق:

'وسق' رات کے بعد یہ ان چیزوں کی قسم کھائی ہے جن کورات اپنے اندر سمیت لیتی ہے۔ اس کی تشریح اہل لغت نے 'ما جمیع و ضم الیہ' سے کی ہے۔ یعنی وہ چیزیں جن کورات اپنے اندر جمع کر لیتی ہے۔ ہمارے مفسرین نے اس سے عام طور پر حیوانات وغیرہ کو مراد لیا ہے اس لیے کہ رات میں وہ آرام کے لیے اس کے دامن میں پناہ گیر ہو جاتے ہیں۔ بعض نے اس سے دریاؤں، پہاڑوں اور درختوں وغیرہ کو مراد لیا ہے کہ رات ان سب پر اپنی چادر اڑھادیتی ہے لیکن ان چیزوں کا تعلق اس مقسم علیہ سے سمجھ میں نہیں آتا جو اور پر مذکور ہوا در آں حالیکہ قسم کھائی جاتی ہے نہ قسم علیہ کو ثابت کرنے کے لیے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک اس سے وہ کواکب و نجوم مراد ہیں جو رات میں نمودار ہوتے اور جن سے اس کی بزم آراستہ ہوتی ہے۔ یہ چیزیں اول تورات ہی کے مخصوصات میں سے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے 'ما واقع' کی تعبیر نہایت موزوں ہے۔ دوسرے قرآن نے جگہ جگہ ان کے طلوع و غروب، ان کے عروج و حلق اور ان کے تحدور کو عکس حقیقت کی شہادت میں پیش کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سحر ہیں، اسی کی حکم سے طلوع ہوتی ہیں، پھر ایک

میں راستہ پر ایک خاص مدرج کے ساتھ ان کا ارتقاء ہوتا ہے، پھر بالآخر تج ان کا زوال شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ بالآخر وہ اپنے اسی خالق کی طرف لوٹ جاتی ہیں جس کے حکم سے وہ نمودار ہوتی ہیں۔ گویا ان کے اندر اس قانون الٰہی کی بے پناہ گرفت کی نہایت واضح شہادت موجود ہے جس سے انسان کو اُنک کا دخ ای ربک کدھا، کے الفاظ سے آگاہ فرمایا گیا ہے۔ (۲۷۷/۹)

### وسیلہ:

'وسیلہ' کے معنی قربت کے ہیں اور الٰہی کی تقدیم سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے یعنی خدا ہی کا قرب اور اسی کا تقریب ڈھونڈو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کے احکام و حدود کی پوری پابندی کرو، اور ان کی خلاف ورزی کے نتائج سے ڈرتے رہو۔ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ۔ کتاب اللہ اور شریعت ہی ہے۔ اس وجہ سے کتاب اللہ اور شریعت کو مفہومی سے تھامنا ہی خدا سے قربت کا واسطہ ہے۔ (۵۱۰/۲)

### سنۃ:

سنۃ کے معنی اوّلگہ اور نوم کے معنی نیند کے ہیں۔ ان دونوں کی نفی سے مراد نیند کی ابتداء اور انتہا دونوں کی نفی ہو گئی جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ عقلت کے تمام اثرات سے کمال درج پاک ہے۔ (۱/۸۷)

**وسواس:** 'وسواس' و سوہ ڈالنے والے۔ (۶۷۵/۹)

**واصب:** 'واصب' کے معنی وائم کے ہیں۔ (۳۱۷/۳)

### مؤصدة:

'اوصد الباب' کے معنی ہیں دروازہ بند کر دیا، مطلب، ہوا کہ ان کو آگ میں موند

کراوپر سے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ (۳۷۸/۹)

### وصیلہ:

وصیلہ، بکری مادہ جنتی تو اس کو اپنا حصہ سمجھتے، زجنتی تو اس کو اپنے معبد کا حصہ سمجھتے اور اگر نر مادہ دونوں ایک ساتھ جنتی تو اس کو وصیلہ کہتے اور ایسے زکوبتوں کی نذر کے قابل نہ سمجھتے۔ (۶۰۲/۲)

### وصیہ:

‘وصیہ’ کا صحیح مفہوم عربی زبان میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر یہ ذمہ داری ڈالے کہ جب فلاں صورت پیش آئے تو وہ فلاں طریقہ یا فلاں طرز عمل اختیار کرے۔ اس میں وصیت کرنے والے کی پیش بینی، خیرخواہی اور شفقت کا پہلو بھی مضر ہوتا ہے اور اس کے اندر ایک عہد اور معاهدے کی ذمہ داری بھی پائی جاتی ہے۔ لفظ کے ان تمام مضرات کو ادا کرنے کے لیے اردو میں کوئی لفظ مجھے نہیں ملا۔ میں نے جو لفظ اختیار کیا ہے وہ اس کے مفہوم پر پوری طرح حاوی نہیں ہے۔ (۲۶۰/۲)

### توصیہ:

‘توصیہ’ کے معنی تعلیم و تلقین کرنے کے ہیں، عام اس سے کہ تعلیم و تلقین کوئی شخص اپنی وفات کے وقت کرے یا زندگی کے کسی دوسرے مرحلہ میں۔ (۳۳۲/۱)

**موضوعۃ:** ‘موضوعۃ’ کے معنی ہیں قرینہ سے رکھے ہوئے۔ (۳۳۲/۹)

### موضوعۃ:

‘موضوعۃ’ کے معنی بعض لوگوں نے دوسرے بھی لیے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا

صحیح مفہوم وہی ہے جو ہم اپنی زبان میں لفظ 'بڑا' سے ادا کرتے ہیں۔ قدیم زمانے کے شاہانِ عجم اپنے درباروں میں اسی طرح کے زرنگار، سونے، ہیرے اور جواہرات بڑے ہوئے تخت پر جلوہ افروز ہوا کرتے تھے۔ (۱۶۳/۸)

### وطر:

'وطر' کے معنی ضرورت و حاجت کے ہیں۔ یہیں سے اس کے اندر تعلق اور وابستگی کا مفہوم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان کو جس چیز کی ضرورت ہواں کے ساتھ لازماً وابستگی بھی ہوتی ہے۔ قصی زید منہا و طرا، کے معنی ہوں گے، زید نے اس سے اپنا تعلق بالکل منقطع کر لیا۔ لفظ طلاق سے اس مضمون کو ادا کرنے کے بجائے اس اسلوب سے ادا کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے زمانہ عدت کے گزرنے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جس کے گزر جانے کے بعد طلاق دینے والے کا ہر تعلق عورت سے منقطع ہو جاتا ہے۔ (۲۳۶/۶)

### وتد:

'وَعْدٌ يَعْدُ' یہاں ڈرانے کے معنی میں ہے۔ جس طرح 'الشیطان یعد کم الفقر'، (۳۶۳) میں ہے۔ یعنی شیطان تمہیں غربی سے ڈراتا ہے۔ (۳۱۸/۵)

### موعد:

'موعد' ظرف زمان اور ظرف مکان، یعنی وقت موعدہ اور مقام موعدہ، دونوں معنوں میں آتا ہے۔ اس آیت (۳۶۵) میں یہ دونوں معنوں کو متحمل ہے اور بعد واہی آیت میں ظرف زمان کے معنی میں ہے۔ (۶۱/۵)

**وعظ:** 'وعظ' کے اندر رز جر اور نبی کا مفہوم خود مضر ہے۔ (۳۸۵/۵)

**موعظة حسنة:** سے مشقانہ انداز میں تذکیر و تنبیہ۔ (۳۶۳/۳)

**وفد:**

وفد، وفد: اس کے معنی کہیں عزت و اکرام کے ساتھ جانے کے ہیں جس طرح سفیر اور  
قادس بادشاہ اور امیر کے پاس جاتے ہیں۔ (۶۸۲/۳)

**توفی:**

توفی کے اصل معنی عربی لغت میں 'الأخذ بال تمام' کی شے کے پورا پورا لے  
لینے یا کسی چیز کو اپنی طرف قبض کر لینے کے ہیں۔ موت دینے کے معنی میں اس لفظ کا استعمال  
ھی نہیں بلکہ مجاز آ ہوا ہے۔ ایسے الفاظ جو اپنے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں استعمال  
ہوتے ہیں، اپنے سچے مفہوم کے تعین میں قرآن کے مقام ہوتے ہیں۔ (۱۰۳/۲)

**وقب:** دیکھیں 'غاسق'۔

**میقات:** میقات کے معنی وقت مقررہ کے ہیں۔ (۲۶۰/۳)

**توقیت:**

'افت'، دراصل 'وقت' کی بدلتی ہوئی صورت ہے۔ عربی زبان میں الفاظ کے اندر اس  
طرح کا تصرف ہو جایا کرتا ہے۔ 'الرمل افت' کے معنی ہوں گے رسولوں کے لیے وقت  
مقرر کیا جائے۔ یہ اسی طرح کا اسلوب ہے جس طرح کہتے ہیں 'الخنی خادما' یعنی ابیخ  
لی خادما۔ (۱۳۵/۹)

**موقودۃ:** جو چوت سے مر جائے۔ مثلاً کسی جانور پر دیوار گر پڑی یا وہ کسی ٹرک کے

نیچے آگیا۔ (۲۵۵/۲)

وقر: دیکھیں "اکنہ"۔

### مواقع:

'موقع' جمع ہے 'موقع' کی جس کے معنی کسی چیز کے واقع ہونے یا اگرنے کی جگہ کے ہیں۔ یہاں یہ ان مٹھکانوں یا کمین گاہوں کے لیے آیا ہے جن پر ان شیاطین کے تعاقب کے لیے شہاب ثاقب پھیلے جاتے ہیں جو ملا اعلیٰ کے بعد معلوم کرنے کے لیے ان میں چھپ کر کان لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین جن نے کچھ خاص کمین گاہیں ایسی منتخب کر کچھ تھیں جن میں وہ ملا اعلیٰ کی باتوں کی سُن گُن لینے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ (۱۸۲/۸)

### تقویٰ:

"تقویٰ" \* عربی زبان میں 'وقیٰ یقیٰ' کے معنی ہیں کسی شے کے ضرر سے اپنے

\* 'تفقاء' کا لفظ قرآن مجید میں متوتوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہم مٹلوں سے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

۱۔ جس چیز سے نقصان پہنچ کا خطروہ ہوا سے چنان۔ خلاف کیف تتفقون ان کفیر تم یوماً یجعلُ الولدان شیا (المرسل ۱۷) (اگر تم نے کفر کیا تو اس دن سے کیسے کوئی جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا)۔  
۲۔ کسی آفت کے ظہور سے اندر شناک رہتا۔ خلاف انتقا فتنۃ لا یتصینَ الذین ظلموا منکم خاصۃ (الانفال ۲۵) (اور اس آفت سے چوکتے رہو جو خاص طور پر انہی پر نہیں آئے گی جنہوں نے تم میں سے علم کا ارتکاب کیا ہوا گا)۔

۳۔ اس رب قدوں سے برادرتے اور کا پینتے رہنا جو اپنے شکرگزار اور وقار بندوں پر حرم فرماتا ہے جو کفر و معصیت کو تاپندا کرتا ہے اور جو ہر ظاہر و پوشیدہ سے باخبر ہے۔ وَمِيقَ الَّذِينَ اتَّقُوا رَبَّهِمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمْرًا (الزمر ۲۷) (اور جو لوگ اپنے پروردگار سے برادرتے رہے ان کو گرد و در گرد جنت کی طرف لے جایا جائے گا)۔

تیس بچاٹا<sup>(۳۶۱)</sup>)۔ اسی سے اقاء ہے جو قرآن مجید میں کئی معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے:

۱۔ جس چیز سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہواں سے محفوظ رہتا۔ مثلاً "الا ان تَقْوُا مِنْهُمْ

تَقْدِطٌ" (آل عمران: ۲۸) (مگر یہ کہ تم ان سے پھو جیسا نہ کا حق ہے)۔

۲۔ کسی آفت سے ڈرتا۔ مثلاً "وَاتَّقُوا فَتُوْةً لَا تَصِيْنُ الَّذِينَ ظَلَّمُوا مِنْكُمْ

خَاصَّةً" (الانفال: ۲۵) (اور ڈرتے رہواں فتنے سے جو مخصوص طور پر انہی

لوگوں کو نہیں لاحق ہو گا جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہو گا)۔

۳۔ خدا نے پاک و نعم کے حضور اظہار خشیت، جو اپنے شکر گزار بندوں پر حرم فرماتا

ہے، کفر و ناسی کو ناپسند کرتا ہے اور تمام ذکر کے چھپے سے واقف ہے۔ مثلاً:

ان تَقْوُا اللَّهُ يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيَكْفُرُ عَنْكُمْ مَا تَكُونُمْ (الانفال: ۲۹)

(اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لیے فرقان نمایاں کروے گا اور تم سے

تمہارے گناہ جماعت دے گا)۔

۴۔ چوچا مفہوم ان تینوں کا جامع ہے۔ یعنی اس کے حد کو توڑنے، اس کی امانتوں میں

خیانت کرنے اور اس کے عہد کی بے حرمتی کرنے سے، اس کے برے ستائیگ اور خدا

کے غصب کے اندیشہ کی بنی اپر بچتا۔ قرآن میں جہاں کہیں مفعول کے بغیر یہ لفظ آتا

ہے بالعموم یہی جامع معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی کی دوسری تعبیر تقویٰ ہے۔ اس

مفہوم پر آگے چل کر ہم مفصل بحث کریں گے، یہاں صرف اس قدر یاد رکھنے کی

۵۔ اس کا چوتا مفہوم نہ کہ وہ تینوں مفہوموں کا جامع ہے۔ یعنی گناہ سے اس کے نزدے ناگ اور خدا کے غصب کے ذر سے

بچت رہتا۔ جب یہ لفاظ مفعول کے بغیر استعمال ہوتا ہے تو عموماً یہی معنی مراد ہوتے ہیں اور اسی چیز کو تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا

ہے۔ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَقْوُا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ (آل عمران: ۲۹) (اگر تم ایمان لاوے کے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو

تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے)۔ (۸۸/۱)

ضرورت ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے تحقیق وہ شخص ہے جس کے دل میں خدا کی تعظیم اور اس کے غصب کا اندر یہ ہو اور وہ خدا کے قائم کیے ہوئے حدود کو توڑنے، اس کے عہدو بیانات کے خلاف ورزی کرنے اور اس کی امانتوں میں خیانت کرنے سے ڈرتا ہو۔ (حقیقت تقویٰ، ص ۱۵-۱۶)

”تقویٰ“ اور ”خشیہ“ کا باہمی تعلق و فرق کے لیے دیکھیں ”خشیہ“۔  
 تقویٰ: میں عمل کی نسبت کیفیت اور حال کا پہلو اور فعل کے بالقابل ترک کا پہلو  
 اگرچہ زیادہ نمایاں ہے اور اس پہلو سے کہہ سکتے ہیں کہ اس میں نبی اثبات پر غالب ہے لیکن  
 چونکہ یہ دل کی تدرستی کی دلیل ہے اور دل تدرست ہو تو سب کچھ تدرست ہے اس وجہ سے  
 اس سے علم اور عمل دونوں کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ (۸۹/۱)

### وکیل:

- لفظ وکیل، کے ساتھ جب ”علیٰ“ ہو تو موقع کے لحاظ سے یہ تین معنوں میں آتا ہے:  
 ۱۔ مسئول اور ذمدار کے معنی میں۔ مثلاً وما جعلنک علیهم حفيظاً و ما  
 انت علیهم بوکیل — الانعام ۱۰۷۔ (ہم نے تم کو ان پر گمراہ نہیں بنایا ہے  
 اور تم ان کے ایمان کے باب میں مسئول نہیں ہو)  
 ۲۔ گمراہ کے معنی میں۔ مثلاً خالق کل شیء فاعبده و هُو علیٰ کل شیء  
 وکیل — الانعام ۱۰۲ (وہ ہر چیز کا خالق ہے، پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر  
 چیز پر گمراہ ہے)  
 ۳۔ ضامن کے معنی میں۔ مثلاً ایما الاجلین قضیث فلا غدوان علیٰ ط والله  
 علیٰ ما نقول وکیل — القصص ۲۸ (دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری

کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہم جو قول و اقرار کر رہے ہیں اس پر اللہ  
ضامن ہے) (۳۸۰/۲)

**ولیجۃ:** بطانۃ الانسان و خاصہ او من یتخدہ معتمداً علیہ من غیر اہله.  
یعنی حرم راز، دوست اور معتمد۔ (۵۲۷/۳)

**ولد:** 'ولد' کے معنی اولاد کے ہیں۔ یہ لفظ واحد، جمع، مذکر، موئث سب کے لیے آتا  
ہے۔ (۳۰۳/۱) 'ولد' کے معنی اولاد کے ہیں۔ یہ واحد، جمع، مذکر، موئث سب کے لیے  
آتا ہے۔ (۶۸۵/۳)

**اللہ:**

اللہ<sup>(۳۶۴)</sup> کا نام لفظ اللہ پر الف لام داخل کر کے بناتے ہے۔ یہ نام ابتداء سے صرف اس  
خداۓ بر تک لئے خاص رہا ہے جو آسمان و زمین اور تمام خلوقات کا خالق ہے۔ نزول  
قرآن سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی اس کا بھی مفہوم تھا۔ اہل عرب مشرک ہونے کے  
باوجود اپنے دیوتاؤں میں سے کسی کو بھی خدا کے برابر قرار نہیں دیتے تھے۔ ان کو اس بات کا  
اقرار تھا کہ آسمان و زمین اور تمام خلوقات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی نے سورج اور چاند  
بنائے ہیں اسی نے ان کو محرک کیا ہے اور وہی پانی بر سانے والا اور روزی دینے والا ہے۔  
دوسرے دیوتاؤں کی پرستش وہ محض اس غلط گمان کی بناء پر کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے  
مقرب ہیں اور اس کے ہاں ان کی سفارش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے یہ خیالات  
نہایت تفصیل کے ساتھ نقل ہوئے ہیں۔ ہم اختصار کے خیال سے یہاں صرف دو تین  
آیتیں نقل کرتے ہیں۔

مَنْ أَعْبَدُهُمْ إِلَّا لِيَقُرَّ بُوْنَا إِلَى اللَّهِ هُمْ نَهِيُّنَ بِمَا حَتَّى أَنْ كَوَّمْرَاسْ لَنَّهُ كَهْ يَاهَدِ سَهْم  
زَلْفِي ط (الزمر: ۳)

وَلَكُنْ سَأْلَتْهُمْ مِنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ أَكْرَمْهُمْ أَنْ سَهْ پُوچْمُوكْسْ نَهْ بَنْيَا آسَانُوں اور زَمِينَ  
وَالْأَرْضِ وَسَخْرَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ كَوَارْمَخْرَ کِیَا سُورَجْ اور چَانَدْ کَوْ؟ کَہیں گے اللَّهُ نَهْ  
لِيَقُولَنَّ اللَّهُ جَ فَائِنَیْ بُوْفَکُونَ ○ اللَّهُ پُھِرْ کِہاں ان کی عَقْلَ الْثَّ جَاتِیَ ہے! اللَّهُ ہی رُوزِی  
بِسْطِ الرِّزْقِ لَمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ مِنْ دَعْتِ دَيْتاَ ہے جِسْ کَے لَیِے چَاهِتاَ ہے اپنے  
يَقْدِرُ لَهُ طَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيمٌ ○ بَنْدُوں مِنْ سَے اوْنَھِکْ کِروْ دَيْتاَ ہے اس کَے لَئِے -  
وَلَكُنْ سَأْلَتْهُمْ مِنْ نَزْلِ مِنَ السَّمَاءِ مَآءَ اللَّهُ ہِرْجِیْزِ سَے باخْرَ ہے۔ اور اگر ان سَے پُوچْمُوكْسْ  
فَاحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ نَے اَتَارِبَادِلَ سَے پَانِی، پُھِرِزِندِہ کِی اس سَے زَمِينَ  
الله ط (العنکبوت: ۲۱. ۲۳) اس کے خَلَکْ ہونَے کَے بعد؟ کَہیں گے اللَّهُ نَهْ -  
اسی طرح تمام قوتوں اور قابليتوں، تمام زندگی اور موت اور کائنات کے تمام انتظام  
وانصارِ امام کا حقیقی منع اور مرکز بھی وہ اللَّهُ تَعَالَیٰ ہی کو مانتے تھے۔

فَلِمَنْ يَرْزَقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ سَے پُوچْمُوكْمَ کَوْکُنْ رُوزِی دَيْتاَ ہے آسَان  
وَالْأَرْضِ اَمَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ اور زَمِينَ سَے یا کون اخْتِيَارِ رَکْتَاَ ہے تمَہارَے  
وَالْأَبْصَارِ وَمَنْ يَخْرُجُ الْحَيَّ مِنْ سَعْ وَبَصَرِ پَر اور کون نَکَاتَاَ ہے زَنْدَہ کُومِرَدَہ سَے  
الْمَيَّتِ وَيَخْرُجُ الْمَيَّتِ مِنَ الْحَيَّ اور نَکَاتَاَ ہے مَرْدَہ کُوزَنْدَہ سَے اور کون سَارَے  
وَمَنْ يَذْبَرُ الْأَمْرَ فَسِيَقُولُونَ اللَّهُ جَ مَعَالِمَه کا انتظام کرتاَ ہے؟ جواب دَیِں گے اللَّهُ  
فَقْلَ اَفْلَاتِقُونَ ۵ (يونس: ۳۱) پُھِرْ پُوچْھُو تو اس اللَّهُ سَے ڈُرْتے نَہِیں؟ (۳۸)

### الْلَّتْ:

‘الْلَّتْ’، ‘الْأَلْهَةُ’ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس طرح معبوِدِ عظیم کے لَیِے اللَّهُ تَعَالَیٰ

اسی طرح بڑی دیوی کے لیے انہوں نے 'اللہ' اختیار کیا جس کو عوام نے اپنے کثرت استعمال سے 'اللہ' بنادیا۔ بعض لوگوں نے اس کو 'لٹ' کے مادہ سے لیا ہے۔ جس کے معنی گوند ہے اور لٹ کرنے کے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ ایک شخص تھا جو زمانہ حج میں حاجیوں کو ستون گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کی قبر کی پوجا شروع کر دی اور اس نام سے وہ ایک معبد بن گیا۔ یہ رائے انتقاۃ کے قاعدے کی زو سے بھی غلط ہے اور قرآن کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ قرآن کے بیان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ دیویوں کے بُت تھے اور یہ دیویاں فرشتوں کے نام عورتوں کے نام پر رکھ کر بنائی گئی تھیں۔ (۲۲/۸)

### ولی:

'ولی' کے معنی کارساز، حمایتی، ساتھی، دوست اور مددگار کے ہیں۔ جس کی طرف ضرورت کے وقت رجوع کیا جائے اور جس کا حمیت و حمایت کے جذبے سے ساتھ دیا جائے۔ (۶۷/۲) 'ولی' کے معنی مددگار، کارساز، ساتھی اور حمایتی کے ہیں۔ (۵۹۸/۱)

### مولیٰ:

جامعیت میں عرب خاندانوں اور قبیلوں کے ساتھ وابستہ ہونے کا ایک طریقہ حلف اور ولاکان کے ہاں موجود تھا۔ خاندان یا قبیلہ سے باہر کا کوئی شخص اگر کسی خاندان یا قبیلہ میں شامل ہوتا چاہتا اور اس خاندان والے اس کو شامل کر لیتے تو وہ اس خاندان کا سمجھا جاتا اور جملہ حقوق اور ذمہ داریوں میں شریک خاندان و قبیلہ بن جاتا۔ اگر وہ قتل ہو جاتا تو جس خاندان یا قبیلہ کا وہ مولیٰ ہوتا اس کو یہ حق حاصل ہوتا کہ وہ اس کے قصاص کا مطالبہ کرے۔

اسی طرح اگر وہ کوئی اقدام کر بیٹھتا جس کی بنا پر کوئی ذمہ داری عائد ہونے والی ہوتی تو اس ذمہ داری میں بھی پورے خاندان و قبیلہ کو حصہ لینا پڑتا۔ 'مولیٰ القوم نہم' (قوم کا مولیٰ انہی کے اندر کا ایک فرد شمار ہوگا) عربوں میں ایک مسلم سماجی اصول تھا۔ (۱۸۹/۲)

مولیٰ عربی میں بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ زیادہ تر اس کا تعین موقع محل اور قرینے سے ہوتا ہے۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد ہر مورث کے ورثہ ہیں۔  
 (۲۸۹/۲) 'مولیٰ' کا صحیح مفہوم مرجع ہے۔

'موالی' سے مراد کسی شخص کے بنی امام، بھائی بند اور اس کے نسبتی اعزہ و اقرباء کے ہیں۔ (۶۳۶/۳)

**تولیۃ:** ولی، 'ولی فلانا الامر'، کے معنی ہیں فلاں کو اس پر حاکم، والی اور قابض بنا دیا اور اس پر مسلط کر دیا۔ (۱۲۳/۳)

**تولی:** 'تولی'، یہاں 'انتظر' کے مفہوم میں ہے۔ (۹۲۸)

**تولیٰ:**

'تولیٰ' کبرہ، یعنی جو اس فتنہ کا اصل برپا کرنے والا ہوا ہے۔ یہ اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف ہے۔ یہ نہایت خبیث منافق تھا۔ اس سے پہلے بھی یہ متعدد فتنے برپا کر چکا تھا اور اس فتنے کی تو ساری ذمہ داری اصلاً اسی پر چی۔ (۳۸۳/۵)

### وهن:

وہن کے معنی ضعف کے ہیں۔ عام اس سے کہ ضعف عمل کا ہو یا ارادے کا، جسم کا ہو یا کروار و اخلاق کا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے

فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ تم سیلا ب کے خس و خاشک کے مانند ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا۔ یار رسول اللہ! اس کا کیا سبب ہو گا؟ آپ نے فرمایا تمہارے اندر وہ ہن پیدا ہو جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا، یار رسول اللہ! وہن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: حب الدنيا و کراہة الموت، دنیا کی محبت اور موت کا ذر،<sup>(۳۱۸)</sup> اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزم و حوصلہ اور عمل و ارادہ کی وہ پستی جو دنیا اور دنیا کی زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے پیدا ہوتی ہے اور انسان کو راہ حق میں جہاد سے روکتی ہے وہ 'وہن' ہے۔ یہ حدیث اس لفظ کی بہترین تشریح ہے۔ (۱۸۰/۲)

### ویل:

'ویل' اگرچہ لغت کے الفاظ میں سے ہے لیکن بعض موقع میں یہ دل سوزی، شفقت اور دردمندی کے اظہار کے لیے بھی آتا ہے۔ کلامِ عرب میں اس کی نہایت عمدہ مثالیں موجود ہیں (۳۶۹)۔ (۷۶۱/۷)

### اولیٰ:

"اولیٰ" لفظ 'ویل' سے ہے جو زجر، اظہار حرمت و ملامت اور اظہار نفرت و غصب کے لیے آتا ہے<sup>(۳۷۰)</sup>۔ اس معنی میں یہ کلامِ عرب میں بکثرت آیا ہے۔ خباء کا مشہور شعر ہے:

هممت بنفسی کل الہموم      فاولی لنفسی اولی لہا<sup>(۳۷۱)</sup>  
 (میں نے اپنے نفس کے بارے میں طرح طرح کے ارادے کرڈا ہے۔  
 پس افسوس ہے میرے نفس پر، افسوس ہے!)

معلوم نہیں بعض متزلجمین نے اس کا ترجمہ سزاوار کس طرح کر دیا ہے۔ یہ عربیت

کے بھی خلاف ہے اور سیاق و سماق سے بھی بے جوڑ ہے۔ (۹۵/۹)

### پنسوا:

یہاں 'حromo' اور 'بعدوا' کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ لوگ ہمیشہ کے لیے خدا کی رحمت و عنایت سے مر جوم ہوئے۔ اس لفظ میں 'حromo' کے بالتفاہل زیادہ زور ہے۔ بعض اوقات کسی چیز سے محرومی اس کے دوبارہ حصول کی امید کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ محرومی زیادہ دل شکن نہیں ہوتی۔ کفار کو آخرت میں خدا کی رحمت سے جو محرومی ہوگی وہ کامل مایوسی کے ساتھ ہوگی۔ ان کے لیے امید کے دروازے ہمیشہ کے واسطے بند ہو جائیں گے۔ (۳۲/۶)

### یتیم:

'یتیم' اور 'یتمی' کا لفظ ان تابان الغوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو، عام اس سے کہ وہ نابالغ بڑ کے ہیں یا لڑکیاں۔ صرف نابالغ لڑکیوں کے لیے اس کا استعمال نہ عربی زبان میں معلوم ہے، نہ قرآن مجید اور حدیث میں۔ قرآن میں یہ لفظ کم از کم پندرہ جگہ اسی جمع کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن کسی جگہ بھی صرف یتیم بچیوں کے معنی میں نہیں استعمال ہوا ہے۔ (۲۵۲-۲۵۱/۲)

### یشرب:

'یشرب' مدینہ منورہ کا سابق نام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اس کا نام مدینۃ النبی اور پھر مدینہ ہو گیا۔ لیکن دیہاتوں کے لوگ بالخصوص مخالفین، عرص تک اس کو شرب نہیں کہتے رہے۔ (۲۰۲/۲)

**یحموفہ:** 'یحموفہ' سیاہ دھواں۔ (۱۷۰/۸)

## تیسیر:

‘یسر’ کے معنی اصل لفظ میں زری اور فرمانبرداری کے ہیں\*۔ اسی سے تیسیر ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کو کسی مقصد کے لیے بالکل موزوں، صالح موافق اور سازگار بنا لینا مثلاً کہیں گے: یہ الفرس، اس کے معنی ہوں گے گھوڑے کو زین، رکاب اور لگام سے آراستہ کر کے سواری کے لیے بالکل تیار کر لیا۔ یہ سونا للسفر إذا رحلها و یہ الفرس للغزو اذا أسرجه والجمد۔ اعرج معنی کا شعر ہے:

قامت اليه باللجمام ميسرا

هنا لك يجزيني الذي كنت اصنع<sup>(۲۴۲)</sup>

میں اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور حال یہ تھا کہ وہ لگام کے ساتھ بالکل تیار کھڑا تھا ایسے ہی وقوں میں وہ میرے احسانات کا حق ادا کرتا ہے۔

یعنی جس چیز سے جو کام لینا ہے یا جو مقصد حاصل کرنا ہے اس مقصد کے لیے اس کو اس قدر سازگار اور مناسب بنالیا جائے کہ اگر کوئی شخص اس سے وہ مقصد حاصل کرنا چاہے تو

\* تیسیر: عربی میں کسی چیز کو کل کائنے سے درست کرنے، پوشش نظر مقصد کے لیے اس کو اچھی طرح موزوں بنانے اور جملہ لوازم سے اس کو آراستہ و ہیئت کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً یہ الفرس للركوب، کے معنی ہوں گے گھوڑے کو تربیت دے کر، اس کو کھلا پا کر، زین، لگام، رکاب سے آراستہ کر کے سواری کے لیے بالکل ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ تینی سے یہ لفظ کسی شخص کو کسی بہم کے لیے تیار اور جملہ لوازم سے مسلح کر کے اس کا اہل بنادیئے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

ونعین فاعلنا اذا مانابه حتى نیسره لفعلم السيد  
(اور جب ہمارے سر براؤ کار کو کوئی بہم پیش آتی ہے تو ہم اس کی مدد کرتے ہیں یہاں تک کہ سردار کی ذمہ دار یوں سے عمدہ برآہونے کی راہ اس کے لیے ہمار کر دیتے ہیں)۔ (۹۹/۸)

بہتر سے بہتر طریقہ پر حاصل کر سکے۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اس سے زیادہ قریبی اور آسان راہ کوئی دوسرا باتی نہ رہ جائے۔ یہیں سے اہل اور لائق بنانے کا مفہوم بھی اس لفظ میں پیدا ہو گیا ہے، مضرس بن ربی کا شعر ہے:

و نعین فاعلنا علیٰ مانا بہ

حتیٰ نیسرہ لفعل السید <sup>(۲۴۲)</sup>

(ہمارے سردار کو جو مشکلیں پیش آتی ہیں ہم اس میں اس کی مدد کرتے ہیں

یہاں تک کہ اس کو سرداری کے کام کا اہل بنادیتے ہیں)۔ (مبادیٰ مدرقر قرآن

ص ۱۲۹-۱۳۰)

‘تیسیر’ کے معنی کسی شے کو کسی مقصد کے لیے موزوں، سازگار اور ہر پہلو سے مشکل و استوار بناتا ہے۔ ‘سیر الفرس لدر کوب’ کے معنی ہوں گے ’گھوڑے کو زین، رکاب، لگام اور دوسرے تمام لوازم سے آراستہ کر کے سواری کے لائق بنادیا۔ اسی طرح ’یسرونا القرآن للذکر‘ کے معنی ہوں گے ’قرآن کو تعلیم و تذکیر کے مقصد کے لیے تمام ضروری لوازم سے آراستہ کر کے نہایت موزوں بنایا ہے۔ (۲۹۳/۷)

### یُسْرٌ:

‘یُسْرٌ’ کے معنی آہستہ اور نرم کے ہیں۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ پہلے شند اور غبار انگیز ہوا میں چلتی ہیں جو مختلف سماں سے بادلوں کو ہاٹ کر لاتی اور جس علاقہ کو سیراب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ اس پر ان کو تہ بڑتے جمادیتی ہیں۔ پھر ہوا کی رفتار نرم ہو جاتی ہے اور مینہ بر سنا شروع ہو جاتا ہے۔ (۵۷۹/۷)

## الیاسین:

‘الیاسین’ میرے نزدیک ‘الیاس’ کی جمع ہے اور اس سے مراد ان کے تمام آل واباع ہیں۔ عربی میں اس طرح جب کسی اسم کی جمع آتی ہے تو اس سے اس کے تمام اجزاء و فروع مراد ہوتے ہیں۔ قرآن میں ’طور سینین‘، طور کی جمع اسی اصول پر استعمال ہوئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ نبی پر جو برکت و سلامتی نازل ہوتی ہے اس میں اس کے تمام جاں شارستھی بھی شامل ہوتے ہیں۔ (۳۹۱/۲)

**یعوق:** ‘یعوق، قبیلهٗ ہمدان کی ایک شاخ کا دیوتا تھا۔ (۶۰۳/۸)

**یغوث:** ‘یغوث، قبیلهٗ طے کی بعض شاخوں کا بت تھا۔ (۶۰۳/۸)

**تیمُم:** تمم کے معنی تصد و اور زخ کرنے کے ہیں۔ (۳۰۲/۲)

## یمین:

‘یمین’، داہنے بائیں کے مفہوم سے محمد ہو کر صرف ہاتھ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ کلامِ عرب میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ (۳۲۳/۳)

**ایمن:** ‘ایمن’ کے معنی داہنے کے بھی ہیں اور مقدس و مبارک کے بھی۔ (۲۶۳/۲)

## آیمان:

آیمان، سے مراد وہ عام عہد و پیمان ہیں جن پر اجتماعی و تحدی فی زندگی کی بنیاد ہوتی ہے اور جن سے معاشرتی زندگی اور معاملات میں اعتماد اور حسن نظر کی فضائیتی ہے۔ (۱۲۳/۲)

**میمنة:** ریکھیں ”اصحاب المیمنة۔“

## ایام:

‘ایام’ سے مراد یہ ہمارے چوبیں گھنٹے والے دن نہیں ہیں بلکہ اس سے خداوی دن مراد ہیں۔ خدا کی ایکیمیں اس کے اپنے دونوں کے حساب سے بروئے کار آتی ہیں جو ہمارے حساب سے، جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے، ہزار سال کے برابر بھی ہوتے ہیں اور پچاس ہزار سال کے برابر بھی۔ (۲۷۶/۳)

## اکیاں:

الایام جب اس طرح (۳۴۴) جمع کی شکل میں آتا ہے تو اس سے مراد تاریخ کے وہ دن ہوتے ہیں جن میں بڑے بڑے واقعات وحوادث پیش آئے ہوں۔ ایام العرب سے مراد اہل عرب کی جنگیں ہیں (۳۴۵)۔ قرآن میں ہے وَذَكْرِ يَوْمِ الدِّينِ لِيُنَذِّرَ مَنِ اتَّبَعَ زُوْمِيْدَه سے لوگوں کو یاد دہانی کرو۔ (۱۸۰/۲)

**یوم التغابن:** دیکھیں ‘تغابن’۔

**یوم الفرقان:** دیکھیں ‘فرقان’۔

**یوم التلاق:** دیکھیں ‘اللقاء’۔

## حوالہ جات

- ۱۔ تفسیر نظام القرآن ص ۲۷۰-۲۶۹، نیز مفردات القرآن (۲) ص ۲۹۵-۲۹۶
- ۲۔ تصحیح الکبیر، مادہ (اُبل)
- ۳۔ اقرب الموارد، ماذہ (اُثر)
- ۴۔ الصحاح، مادہ (اٹم)
- ۵۔ سورۃ الانعام
- ۶۔ سورۃ الأنعام، آیت ۷
- ۷۔ حرف "إذ" کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرہ للفراءہی ص ۱۹۸-۱۹۷
- ۸۔ سورۃ الأعراف ۱۰
- ۹۔ سورۃ الأنعام ۷
- ۱۰۔ سورۃ یوسف ۵۵
- ۱۱۔ سورۃ الروم ۳
- ۱۲۔ سورۃ المائدہ ۳۸
- ۱۳۔ تفسیر سورۃ البقرہ للفراءہی ص ۲۱۷-۲۱۸، نیز مفردات القرآن (۲) ص ۳۳۶-۳۳۷
- ۱۴۔ حرقت بنت اصمان دنیا کی بے شباتی کے بارے میں یوں کہتی ہے:  
 بیان سوس الناس والأمر امرنا      إذا نحن فيهم سوقة نتصف  
 فاف لدنیا لا يدوم نعيمها      تقلب تاریث بنا و تصرف
- ۱۵۔ لسان العرب، مادہ (اف ک)
- ۱۶۔ تفسیر سورۃ البقرہ للفراءہی ص ۹۶-۹۹، ۵۲-۵۳، ۲۸-۲۷، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں میر احمدون "حروف مقطعات، علماء و محققین کی آراء کا ایک جائزہ" خدا بخش لابن ریزی جزیل شمارہ: ۱۰۸-۱۳۸

- ۱۷۔ لفظ "آل" کی تحقیق کے لیے دیکھیں "تفصیر سورۃ البقرہ للغایہ" ص ۲۳۶ نیز مفردات القرآن (۱) ص ۱۳۲، (۲) ص ۱۳۱۔
- ۱۸۔ مفردات القرآن (۱) ص ۱۲۵، (۲) ص ۱۲۳۔
- ۱۹۔ سورۃ الشوری: ۲۱
- ۲۰۔ درید بن المصری کا شعر دیوان الحماسۃ: ۳۳۷
- ۲۱۔ شاعر خلید مولیٰ بن محمد بن علی ہے۔ یہ پہلا مصری ہے۔ درِ مصری ہے:
- مُرِيْبِهِمْ فِي أَحْبَتِهِمْ بِذَكِّ  
دیوان الحماسۃ: ۱۳۵/۲

ایک درِ شاعر کہتا ہے:

إِذَا قَالَ مَرْنَى : أَنْتَ مَا شَتَّ فَافْعُلْ  
(الأَسَاسُ، مَادَةُ أَمْرٍ)

بُشِّرَ بِنْ سُلَوَةَ کہتا ہے:

وَلَقَدْ أَمْرَتِ اخْعَكْ عَمْرَأَ أَمْرَهْ  
فَعَصَى وَضَيَّعَهُ بِذَاتِ الْعَجْرَمِ  
الْمَعْجَمُ الْكَبِيرُ، مَادَةُ (أَمْرٍ)

۲۲۔ سورۃ القاریع: ۹

۲۳۔ سورۃ حمود: ۸

۲۴۔ سورۃ یوسف: ۲۵

۲۵۔ صحیح البخاری، الصوم: ۱۳، صحیح مسلم، الصیام: ۱۵، مسن داہم بن حبیل: ۳/۳۳، ۵۲/۵۶ وغیرہ

۲۶۔ سورۃ البقرہ: ۸

۲۷۔ اختلاف مسلم کے لیے دیکھیں۔ اسالیب القرآن للغایہ تحقیق: اور گنگ زیب اعظمی۔ وہاں ہم نے پچاس سے زائد مثالیں دی ہیں۔

۲۸۔ یہ حضرت موسیٰ کا تذکرہ ہے

۲۹۔ سورۃ الفرقان

۳۰۔ الکتاب: ۱/۳۲۲-۳۲۳

۳۱۔ رسائل الامام الفراہیدی فی علوم القرآن ص ۱۵۵ مع حاشیہ  
اصلائیہ بحث مفردات القرآن میں ہے دیکھیں (۱) ص ۲۵-۲۷، (۲) ص ۱۵۲-۱۵۸

- ۳۲۔ الودي من طرق متعددة رتارخ اخلاقه للسيطي، ص ۹۲
- ۳۳۔ آیت لاحظ فرمائیں: وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكُورَةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔
- ۳۴۔ آل عران: ۵۵
- ۳۵۔ آیات: آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہیں۔ (۵۰/۳)
- ۳۶۔ سورۃ طہ: ۷۷
- ۳۷۔ سورۃ الحج: ۳۶
- ۳۸۔ لفظ ”بُرٌّ“ کی تحقیق کے لیے دیکھیں دیکھیں تفسیر سورۃ البقرہ للفراہید میں ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ نیز مفردات القرآن (۲) ص ۲۶۹۔ ۲۷۰
- ۳۹۔ سورۃ المائدۃ: ۲۸
- ۴۰۔ لسان العرب، مادہ: ب طا
- ۴۱۔ ابو داؤد، علم: الترمذی، قرآن: ۱۰، سنن ابن ماجہ، مقدمة: ۱، مسند احمد بن حنبل: ۳۰۷، ۲۵۲/۳ وغیرہ
- ۴۲۔ دیکھیں مفردات القرآن (۱) ص ۷۶۔ (۲) ص ۷۶۔ ۳۱۹۔ ۳۲۱
- ۴۳۔ سورۃ الحج: ۳۶ میں بلکہ سورۃ الكف آیت ۵۰ میں ہے۔
- ۴۴۔ سورۃ الأنبیاء: ۱۰۶
- ۴۵۔ دیوان حاتم الطائی: ۵۰، دوسر اصرع یوں منقول ہے:  
إذا حشرت نفس وضاق بها الصدر

۴۶۔ سورۃ القاف: ۲

۴۷۔ امرؤ اقصیس کا شعر ہے:

تمحت من لہو بها غیر معجل  
وبیضة خلر لا یرام خبازها  
شرح القصائد العشر ص ۲۷۱

التاخد الذياني کہتا ہے:

لقد دخلت على الفتاة  
ة الخدر في اليوم العطير  
التاخد الذياني ص ۲۷۱

امرأة اقصیس ایک اور جگہ کہتا ہے:

كبکر المقامۃ البیاض بصفرة  
غذا هانمیر الماء غیر محلل  
شرح القصائد العشر ص ۲۹

۴۸۔ کتاب شعراء التصريیہ: ۲۳۳

پہلے مصرع میں "نفرا" کے بجائے "قفراء" ہے

۳۹۔ سورۃ الدایم: ۳۳

۵۰۔ دیوان النابغۃ الذیانی ۱۰۲

۵۱۔ مفردات القرآن (۱) ص ۳۲-۳۱ (۲) ص ۲۷۰-۲۷۶

۵۲۔ سورۃ حمود: ۵

۵۳۔ دیوان امریٰ لقیس (اب رایم) ص ۱۳

۵۴۔ آیت‌ام ۸۳، دوسری مصرع ہے:

وأوجههم عند المشاهد غران

مساور بن ہند کا شعر ہے:

عذرت جذيمة غير انى لم اكن ابداً لأولئك عنزة اثوابي

دیوان الحماسة ۱۶۵/۱

۵۵۔ سورۃ الاعراف: ۱۳۳

۵۶۔ سورۃ لقمان: ۳۳

۵۷۔ ابو جبل کا شعر ہے:

يا حسنه إذا سبّني مدبراً مسترأعني بجلباب

اس طرح کی چیزیں عرب خواتین او زمی تھیں۔ تابغہ کہتا ہے:

سقط النصيف ولم ترد إسقاطه فثارته وانقذنا باليد

دیوان النابغۃ الذیانی ص ۹۳

عبدیہ بن الأبرس اسدی کا شعر ہے:

فيهن هند وقد هام الفؤاد بها

مکحورة كمهاة الجو ناعمة

محترات شعراء العرب ص ۹۶

طیبہ کہتا ہے:

طربت إلى من لا تؤتيك داره

إلى طفلة الأطراف زين جدها

دیوان الحمیۃ ص ۲۸

- ۵۸۔ اس کی قائل جنوب خواہ عمر و ذی المکب ہیں۔ لسان العرب، مادہ (جلب)  
 ۵۹۔ سورۃ الجل (جبل):
- ۶۰۔ سرار بن سعید کا شعر ہے۔ دیوان الحماسۃ: ۲۲
- ۶۱۔ شرح القصائد المشرقة: ۲۸۸
- ۶۲۔ معانی القرآن: ۸۲/۳
- ۶۳۔ دیوان امریٰ نقیس (ابراہیم) ص ۹۶
- ۶۴۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔ مفردات القرآن (۲) ص ۳۲-۳۳ (۲) ص ۱۶۲-۱۶۵
- ۶۵۔ شاعر ریدہ بن عرورم الحضی ہے۔ دیوان الحماسۃ: ۱۲۲
- اہن میادہ کا قول ہے:

کان فؤادی فی يد خبت به      محاذرة ان يقضب العجل قاضبة      اینما ۲۲  
 متوك لیش کہتا ہے:

احسن وصال السالیم ان له      عضها إذا حبل وصله انقطعها      اینما ۲۲  
 معن بن اوس کا شعر ہے:

و في الناس ان رلت حمالک واصل      وفي الأرض عن دار القلی متحول      اینما ۲۲  
 مجون لیلی کا شعر ہے:

حججت ولم أحجج للنلب جنبه      ولكن العدد لى على قاطع العجل  
 دیوان مجون لیلی ص ۱۶۰

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

الا إن لملي العامرية أصبحت      تقطع إلا من ثقیف حمالها      اینما ص ۱۵۶

اس نے کئی بھروس پر اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ دیکھیں صفحات ۹، ۱۷، ۱۸۶، ۲۱۸ اور ۲۱۷۔

۶۶۔ زہیر بن أبي سلمی کا قول ہے:

هلا سالت بنی الصیداء كلهم      باي حجل جوار كنت امتسك  
 (دیوان زہیر بن أبي سلمی ص ۵۱)

ایک درسی جگہ آیا ہے:

ولست بلقی بالحجاج مجاوراً ولا سفراً إلا له منهم حل ایناں ۶۶

حسان بن ثابت انصاری کا شعر ہے:

أصحابهم الغباء بحجل قوم تخون عقد حبلهم بغدر

دیوان حسان بن ثابت ص ۲۹

۶۷۔ سورۃ آل عمران: ۱۱۳

۶۸۔ مثلاً سورۃ النساء: ۱۷

۶۹۔ ایناں: ۱۰۲

۷۰۔ سورۃ الأتحام: ۱۱۵

۷۱۔ سورۃ آل عمران: ۲۷

۷۲۔ سورۃ الزمر: ۱۰

۷۳۔ تیرین کیش: ۳-۵۰۰، ۳-۵۰۱

۷۴۔ الکشاف: ۲۲۲

۷۵۔ سورۃ اقصم: ۵۳

۷۶۔ سورۃ البقرہ: ۸۳

۷۷۔ احسان کی حقیقت حدیث شریف میں یوں بیان ہوئی ہے..... ان تخشی اللہ کانک تراہ فانک  
إن لم تكن تراہ فباته يراک ..... مسلم۔ کتاب الایمان۔ رقم الحدیث: ۳۔ ایک درسی روایت میں  
”..... ان تعبد“ ہے۔

۷۸۔ دیکھیں، حواشی لامام الفراہی علی القرآن الکریم: متعلقہ آیات۔ سورۃ الأنبياء و سورۃ الحجیریم، نیز مفردات  
القرآن (۲) ص ۲۲۲-۲۲۳

۷۹۔ سورۃ اقصم: ۱۱

۸۰۔ الکشاف: ۱۸۳

۸۱۔ اقرب الموارد، مادہ (حقیقہ)

۸۲۔ سورۃ الحلق: ۱۱۵

- ۸۳۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ہماری کتاب Shukr, Its Reality (حقیقت شکر)
- ۸۴۔ لسان العرب، مادہ حج لعل
- ۸۵۔ تفسیر نظام القرآن ص ۳۹۸، ۳۰۰، نیز اسالیب القرآن ص ۱۸۷-۱۸۹
- ۸۶۔ دیکھیں: البقرہ: ۲۲، آل عمران: ۹۵، ایضاً: ۹۵، النساء: ۱۲۵، الاعمام: ۱۲۱، اتحل: ۱۲۰، ایضاً: ۱۲۳، وغیرہ
- ۸۷۔ تفسیر ابن کثیر: ۱۱۹/۳
- ۸۸۔ سورۃ القلم: ۲۸
- ۸۹۔ لسان العرب، مادہ حج و ر
- ۹۰۔ مفردات القرآن (۱) ص ۲۲-۲۱ (۲) ص ۱۳۹-۱۳۶
- ۹۱۔ دیوان الحماسة: ۱۶۲/۲
- ۹۲۔ سورۃ آل عمران: ۱۱۸
- ۹۳۔ لفظ "خُمُّ" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ، للفراءی ص ۱۲۸-۱۲۹، نیز مفردات القرآن (۲) ص ۳۳۹، تفسیر تدبر قرآن: ۱۱۵-۱۱۵
- ۹۴۔ لفظ "خَلِيفَةٌ" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للفراءی ص ۱۹۹
- ۹۵۔ سورۃ التوبۃ: ۶۵
- ۹۶۔ سعی بن زید کا شعر ہے۔ دیوان الحماسة: ۲۷۲
- ۹۷۔ سورۃ الرروم: ۲۸
- ۹۸۔ سورۃ الحادیات: ۸
- ۹۹۔ ابو داؤد، الصلاۃ: ۲۳۰، مسند احمد بن حنبل: ۱۳۷/۳، و ۲۳۳، النساءی، مناسک: ۲۰۱؛ احادیث میں اوقات نماز کی کافی تاکید آتی ہے، مثلاً فرمایا:
- ”من جحافظ على الصلوات الخمس على وضونها ومواقعها.....“ احمد: ۲۶۷/۳
- ”من جاء بحافظ علیہن لو قتهن أدخلته الجنة.....“
- ابوداؤد: باب المحافظة على الصلوات، رقم الحدیث: ۲۳۰
- ۱۰۰۔ سورۃ السراء: ۸
- ۱۰۱۔ سورۃ یوسف: ۱۶

۱۰۲۔ سورۃ النحل: ۳۳

۱۰۳۔ سورۃ الأنباراء: ۵۰

۱۰۴۔ سورۃ حسین: ۱

۱۰۵۔ اس بنیادی معنی کی طرف جزو بن ضرار نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں اشارہ فرمایا ہے:

ذلولهم صعب القياد وصعبهم ذلول بحق الراغبين رکوب

دیوان الحماس: ۱۲۸/۱

مجنون لیلی کا شعر ہے:

وقد كت قبل اليوم أحسب أنى ذلول ب أيام الفراق أديب

دیوان مجنون لیلی ص: ۳۰

۱۰۶۔ کتاب شرح اشعار البندجین: ۱۰۳/۱

ذنوب بھرے ہوئے ڈول کے معنی میں:

اوشك ماء الحوض أن يعرها

إن الذنوب أدرك الذنوب

كتاب شرح أشعار..... ۱۰۳/۱

فعق لشأس من نذاك ذنوب

وفي كل حي قد خبطن بنعمة

اساس البلاغة مادة ذن ب

— بھرے ہوئے ڈول ہی کے معنی میں: حضن بن آخیف کتابی کہتا ہے:

لا يعدن ربعة بن مكتم و سعى الفوادی قبره بذنوب

دیوان الحماس: ۳۷۵/۱

— ریحہ بن مقردم کا شعر ہے:

مخضت بدلوه حتى تعسى ذنوب الشر ملائی او قرابا دیوان الحماس: ۲۱۱/۱

۱۰۔ اس خیال کے تکلیف میں این عباس، سعید بن جبیر، مجاهد، ابراہیم، طاؤوس، قادہ، الصحاک وغیرہ ہیں،

ویکیسیں تغیر طبری ۵۵-۵۳/۲۱

۱۰۸۔ سورۃ یوسف: ۳۲

۱۰۹۔ ویکیسیں: سورۃ ہود: ۹۳، ۶۷

المؤمنون: ۳۱

القمر: ۳۴ وغیره

۱۰۔ سورۃ فصلت: ۱۳

۱۱۔ سورۃ الحجۃ: ۵

۱۲۔ تفسیر نظام القرآن: ۱۳۳

۱۳۔ سورۃ النازعات: ۶

۱۴۔ لفظ کی اس طرح ترکیب کے لیے دیکھیں: سورۃ الانعام: او ۵۳

۱۵۔ انقل: ۷

۱۶۔ الاراء: ۱۱۱

۱۷۔ الکہف: ۱

۱۸۔ المؤمنون: ۲۸

۱۹۔ انقل: ۱۵، ۵۹، ۹۳

۲۰۔ اقصص: ۷

۲۱۔ الحکیم: ۶۳

۲۲۔ الروم: ۱۸

۲۳۔ القمان: ۲۵ وغیرہ

۱۵۔ سورۃ الانعام: ۱۲

۱۶۔ سورۃ الفرقان: ۳۸

۱۷۔ دیکھیں سورۃ الروم: ۵۰

سورۃ الاعراف: ۵۷

سورۃ انقل: ۶۳، وغیرہ

۱۸۔ دیکھیں سورۃ طہ: ۲۹

سورۃ الفرقان: ۳۵

۱۹۔ انجلیل متی، الاصحاح الرابع: ۳-۲

۱۲۰۔ تفسیر طبری: ۱۹/۱۹

۱۲۱۔ الکشاف: ۹۲/۳

۱۲۲۔ ارض القرآن: ۳۳/۲

۱۲۳۔ پہلا مصروع ہے: فیین ملئی للطیف و منظر

اس مصروع کی دوسری روایات یہ ہیں:

دیوان زہیر بن ابی سلمی ص ۷۷

فہن و وادی الرمن کالید للفم

شرح القصائد العشر ص ۱۳۳

فہن لوادی الرس کالید للفم

۱۲۴۔ سورۃ همود: ۲۹

۱۲۵۔ سورۃ المرسلات: ۱

۱۲۶۔ زہیر بن ابی سلمی کا شعر ہے:

ولا خالداً إلا الجبال الرواسیا

الا لازی على الحوادث باقیاً

وأیامنا معدودة واللبالیا

وإلا السماء والبلاد وربنا

دیوان زہیر بن ابی سلمی ص ۷۷

مجنون لیلی کہتا ہے:

عليه ضباب مثل رأس المعصب

حلفت بمن أرسى ثيراً مكانه

دیوان مجذون لیلی ص ۲۲

حتمس کا شعر ہے:

تطیف به الأيام مایتایس

الم تر أن الجون أصبح راسياً

دیوان الحکماء: ۲۶۹/۱

حسان بن ثابت کا قول ہے:

ويقين ما تبقى الجبال الغوالد

فيشفين من لا يستطيع شفاعه

دیوان حسان بن ثابت الانصاری ص ۳۰

۱۲۷۔ سورۃ الکھف

۱۲۸۔ اہل کتاب کی تحریفات کے لیے دیکھیں، الرانی الصحيح فیمن هو الذبیح للإمام الفراہی

- ۱۲۹۔ سورۃ النور: ۳۶  
 ۱۳۰۔ تفسیر ابن کثیر: ۲۷۷، ۲۷۸  
 ۱۳۱۔ مسیحہ بن عین کثیر: ۲، ۲۳۱، ۲۳۲ و سلیل الہدی والرشاد: ۲۷۳، ۲۷۵  
 ۱۳۲۔ سورۃ فی اسرائیل: ۸۵  
 ۱۳۳۔ انجلیقی، الاصحاح الرابع: ۲  
 ۱۳۴۔ ترجیہ یوسف ہے: ”..... حالانکہ اگر یہ عربی میں ان کو ملے تو بھی وہ اپنے آپ کو خدا کے عذاب سے بچانے والے نہیں بن سکتے.....“ دیوان الحجاست: ۲۶۱  
 سورۃ آل عمران: ۱۳  
 ۱۳۵۔ سورۃ الروم: ۳۹  
 ۱۳۶۔ لیاں بن القاف کا شعر ہے: دیوان الحجاست: ۱۱، ۱۲  
 ۱۳۷۔ سورۃ آل عمران: ۷  
 ۱۳۸۔ دیکھیں: سورۃآل نعیم: ۳۳، ۳۷  
 ”الأنفال: ۲۸  
 ”الجیل: ۶۳  
 ”النمل: ۲۲  
 ”الحکیم: ۲۸ وغیرہ  
 ۱۳۹۔ سورۃ حم: ۲۲  
 ۱۴۰۔ سورۃ الکھف: ۸۳  
 ۱۴۱۔ جبل بن معمر عذری کا شعر ہے:  
 و من هو إن تحدث له العين نظرة يقضب لها أصابع كل قرين  
 دیوان الحجاست: ۱۱۹، ۱۲۰  
 سید بن مقردم فضی کا شعر ہے:

وضمرة إن ضمرة خير جار علقت لـه بأسباب متن

ایضاً ۱۶۲

لبید بن ربيعة کا قول ہے:

بل مانذکر من نوار وقدنات وقطعت أسبابها ورميها

شرح القصائد الخضر ص ۱۶۳

۱۶۲۔ لفظ "تنبیع" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للفراء مص ۲۰۰ نیز مفردات القرآن (۲) ص

۲۸۲۔ ۲۸۳

۱۶۳۔ لفظ "گمنک" کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للفراء مص ۲۰۱۔ ۲۰۰ نیز مفردات القرآن (۲) ص

۲۸۳۔ ۲۸۴

۱۶۴۔ سورۃ نہمان: ۲۰

۱۶۵۔ سورۃ آل عمران: ۷۵

۱۶۶۔ شرح القصائد الخضر ص ۲۸۸

۱۶۷۔ سورۃ ہود: ۸۳

۱۶۸۔ سورۃ الذاریات: ۳۳

۱۶۹۔ سورۃ المطففين: ۷

۱۷۰۔ سورۃ القصص: ۲۸

۱۷۱۔ سورۃ زمر: ۳۹

۱۷۲۔ سورۃ الکوثر: ۲۷

۱۷۳۔ سورۃ الحدید: ۱۳

۱۷۴۔ لفظ "سلوی" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر البقرۃ للفراء مص ۲۵۰۔ ۲۵۱ نیز مفردات القرآن (۲) ص ۳۶۰

۱۷۵۔ ایک حمای شاعر کہتا ہے:

قد کان قبلک اقوام فجعث بهم خلی لنا فقدم سمعاً و ابصاراً

دیوان الحماسة ۱۵۹

مزید فرمایا:

أنت الذي لم تدع سمعنا ولا بصرنا إلا شفافاً فامر العيش إمارة  
الإضاة ۳۵۹

حسان بن ثابت الأنصاري کا قول ہے:

هلا وفitem عندها بعهدكم وفديتم بالسمع والأبصار

دیوان حسان بن ثابت ص ۲۶

۱۵۶۔ لفظ "سماء" کی تحقیق کے لیے دیکھیں۔ تفسیر سورۃ البقرۃ ملک رائی ص ۱۸۹-۱۹۰

۱۵۷۔ حسان بن ثابت نے اس معنی کا استعمال کیا ہے: وہ فرماتے ہے:

عفت ذات الأصابع فالجواء إلى عنزراء منزلها خلاء

ديار من بنى الحسحاس قفر تعفيفها الروامس والسماء

دیوان سیدنا حسان بن ثابت الأنصاري ص ۸

زہیر بن الی سلی بارش کے لیے اس کا استعمال کرتے ہیں:

فنو هاشم فميث عريتات عفتها الربيع بعدك والسماء

دیوان زہیر بن الی سلی ص ۷

۱۵۸۔ سورۃ النازعات: ۱۳

۱۵۹۔ سورۃ التوبۃ: ۲

۱۶۰۔ لسان العرب، مادہ (سیح)

۱۶۱۔ فیض القدری شرح الجامع الصیفی: ۳۲۵/۶، شارح نے حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔

۱۶۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۳۲۲/۳ (ایڈیشن الفتحاء)۔

۱۶۳۔ روایت یوں ہے: عن عثمان بن مطعون قال: يا رسول الله! إنذن لنا في الإختفاء فقال

رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس منا من خص ولا اختص. إن خصاء أمتي الصيام فقال:

إنذن لنا في ..... السياحة فقال! سياحة أمتي الجهاد في سبيل الله فقال: إنذن لنا في الترہب

قال: إن ترہب أمتي الجلوس في المساجد انتظار الصلوة" من داہم بن حبل: ۱۷۳/۲

۱۶۴۔ سورۃ آخریم: ۵

۱۶۵۔ سورۃ التوبۃ: ۸۶

۱۶۹۔ لفظ "سوم" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرہ للظرائف مص ۲۳۶

۱۷۰۔ سورۃ البقرہ: ۳۹ تیز سورۃ ابراء: ۶

۱۷۱۔ حمین بن حامہ رَبِّیٌّ کا شعر ہے:

منْ الصَّبَحِ حَتَّى تَغْرِبَ الشَّمْسُ لَا تَرِيْ منْ الْخَيْلِ إِلَّا خَارِجِيًّا مَسْوَمًا

دیوان الحماسة: ۱۳۷

عمر بن معدیکب زیر کا شعر ہے:

فَذَاكَ وَقَدْ رَجَعَنَ مَسْوَمَاتٍ يَخْدَنْ وَقَدْ قَضَيْنَا كُلَّ حَرَدٍ

شعر عمر بن معدیکب الزہیدی مص ۸۶

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

فَدُعَا فَسَوْمَهَا وَأَيْقَنَ أَنَّهُ لَا شَكَ بِيَوْمِ تَسَايِفِ وَطَعَانِ

ایضاً مص ۱۶۰

"ہا" ضمیر کا مرچح "الجياد من الخيل" ہے۔

۱۷۲۔ تفسیر طبری: ۵۲۱/۱

۱۷۳۔ سورۃ النساء: ۱۲۸

۱۷۴۔ سورۃ الْحَقَافَ: ۱۵

۱۷۵۔ سورۃ المرسلات: ۳۳

۱۷۶۔ اس تغیر کا صحیح نبی عرب سلیمانی نے یوں ادا کیا ہے:

مضی ابن سعد حين لم يقع مشرق ولا مغرب إلا له فيه مادح دیوان الحماسة: ۱۳۵

۱۷۷۔ المفردات فی غریب القرآن للراوی، مادہ دش ری

۱۷۸۔ لسان العرب، مادہ دش ری

۱۷۹۔ سورۃ یوسف: ۲۰

۱۸۰۔ سورۃ النساء: ۷۳

۱۸۱۔ تاباطہ شرائی کا شعر ہے۔ دیوان الحماسة، ۱۳۳۔ یہ ستارہ گری، کے موسم میں طلوع ہوتا ہے موسم بھار میں

ثیس۔ دیکھیں میرا مقالہ "The Dog Star" مجلہ درستہ الاصلاح ۱۹۹۵ء ص ۱۱-۱۲

۹۔ سورۃ النساء: ۸۵

۱۸۰۔ لفظ "شہید" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للفراءی ص ۱۵۸، نیز مفردات القرآن (۲) ص

۱۹۹۔ ۱۹۷

۱۸۱۔ لفظ "شیطان" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للفراءی ص ۱۳۳-۳۳، نیز مفردات القرآن (۱)

۲۸۸۔ ۲۸۷ (۲) ص ۲۷-۲۸

۱۸۳۔ تفسیر سورۃ البقرۃ للفراءی ص ۲۵۹، ۲۵۶، نیز مفردات القرآن (۲) ۳۶۱-۳۶۲

۱۸۴۔ تفسیر نظام القرآن ص ۳۳۵-۳۳۶، نیز مفردات القرآن (۱) ۳۸-۳۹ (۲) ۲۰۵-۲۸۸، ۲۰۲-۲۹۰

۱۸۵۔ دیوان حاتم الطائی: ۶۳

۱۸۶۔ سان العرب، مادہ: درہ نیز الصحاح، مادہ: درہ

۱۸۷۔ دیوان زہیر بن أبي سلی: ۹۳

۱۸۸۔ سورۃ عبس: ۱۳

۱۸۹۔ سورۃ النازعات: ۳۳

۱۹۰۔ سورۃ عبس: ۳۳

۱۹۱۔ تفسیر طبری: ۲۰۲-۲۰۱۔ این کثیر کی بھی بھی رائے ہے۔ دیکھیں تفسیر ابن کثیر: ۳-۳۵۵

۱۹۲۔ سورۃ الطارق: ۱۷

۱۹۳۔ دیکھیں مفردات القرآن (۱) ص ۲۷-۲۶ (۲) ۳۱۱-۳۱۲

۱۹۴۔ ابوالغول الطھوی کا شعر ہے۔ دیوان الحجامت: ۱۱

۱۹۵۔ روایت یوں ہے: عن عبد الله رضي الله عنه قال خط النبي صلى الله عليه وسلم خطأ مربعاً و خطأ خطأ في الوسط خارجاً منه، و خط خططاً صغاراً إلى هذا الذي في الوسط من جانبه الذي في الوسط فقال: هذا الإنسان، وهذا أجله محيط به. أو قد أحاط به. وهذا الذي هو خارج أمله وهذا الخطط الصغار الأعراض، فإن أحاطه هذا نهشه هذه، وإن أحاطه هذا نهشه هذا. البخاري، باب فی الامل و طوله۔ رقم الحديث: ۱۳۱۷

۱۹۶۔ تفسیر نظام القرآن ص ۱۷۶-۱۷۸

۱۹۷۔ منذر بن ضبل: ۱۶۲، نیز مسلم، کتاب الفتن، باب خروج الرجال۔

- ١٩٨۔ ابن الجوزي: ١٣١، نيزسان العرب، مادة (ص غ و)  
 ١٩٩۔ تفسير طبرى: ٢٧، نيز القرطبي: ٢٩، نيزسان العرب، مادة (ص غ و)  
 ٢٠٠۔ ديوان ذى الرمة: ٣٨، نيزسان العرب، مادة: ص غ و  
 ٢٠١۔ ديوان الأعشى: ص ٣٣١  
 ٢٠٢۔ لسان العرب، مادة (ص غ و)  
 ٢٠٣۔ تفسير طبرى: ١٠٣، ٢٨  
 ٢٠٤۔ الفند الزمانى كا قول ہے۔ ديوان الحماسة: ٦، ١  
 سلمى بن ربيعة كا شعر ہے:  
 وصفحت عن ذى جهلها ورقتها لضحى ولم تصب العشيرة زلتى  
 ديوان الحماسة ١/٤١٣  
 أرطاة بن صحيبة مزى كا شعر ہے:  
 عن النهر فاصفح أنه غير معتب وفي غير من قد وارت الأرض فاطمع  
 أيضاً امر ٣٢  
 مضرس بن ربیع کا قول ہے:  
 إنالنصح عن مجاهل قومنا ونقيم مسالفة العدو الأميد  
 ايضاً ٢/٤١  
 ٢٠٥۔ نابذ ذياني كا شعر ہے:  
 صفراء كالسيرار أكمل خلقها  
 راعي ثيرى كہتا ہے:  
 فغادر في الدهى صفراء تركية  
 هجرانا إذا ما الشرق فيها توقدا  
 شعر راعي ثيرى وأخباره ص ٤٠  
 مجرون ليلی کا شعر ہے:  
 صفراء من بقر الجواء كأنما ترك الحياة بها داع سقيم  
 ديوان مجرون ليلی ص ١/٧٧

۲۰۶۔ لفظ "فاقع" کا استعمال حضرت حسان بن ثابت انصاری یوں کرتے ہیں:

أَعْبُدْ هَجِينَ اللَّوْنَ فَاقِعَ مُوتَرْ عَلَبَاءَ الْقَفَاقَطْ جَعْدَ

دویان سیدنا حسان بن ثابت الأنصاری، ص ۳۸

۲۰۷۔ کتاب چپ چکی ہے، اس کے عربی اور اردو دونوں ایڈیشنز دستیاب ہیں۔

۲۰۸۔ سورۃ البقرۃ: ۱۳۰

۲۰۹۔ سورۃ النور: ۳۲

۲۱۰۔ سورۃ یونس: ۸۱

۲۱۱۔ تفسیر سورۃ القرواللفر اہی: ۶۵

۲۱۲۔ سورۃ النساء: ۳۳

۲۱۳۔ دیکھیں تفسیر طبری: ۲۶۲/۲ - ۲۶۹

۲۱۴۔ سورۃ ص: ۳۶

۲۱۵۔ سورۃ البقرۃ: ۲۶۰

۲۱۶۔ دویان الناید النیایانی ص ۱۳۰

۲۱۷۔ ابھی زیور طبع سے آراستہ نہ ہو گئی ہے۔

۲۱۸۔ دویان جرجیم ص ۲۵۳

۲۱۹۔ ریزید بن الحکم ثقیف کا شعر ہے۔ دویان الحجاست: ۳۶/۲

۲۲۰۔ امثال و کہاؤں پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ہر ایک کی ابتدائی بحث میں اس پر سیر حاصل نہ گتو طے گی۔

بھی:

(۱) ابن قیم الجوزی: الامثال فی القرآن الکریم

(۲) حزرة الاصفہانی: الدرة الفاخرة فی الامثال المسارة

(۳) عبد الکریم الجیمان: الامثال العربیة فی قلب جزیرۃ العرب

(۴) محمد ابوصوفیہ: الامثال العربیة و مصادرها فی التراث

(۵) محمد توفیق ابوعلی: الامثال العربیة والنصر الجایلی

۲۲۱۔ اکشاف: ۲/۱۳۱

لطفی: ۷۲۲- سورۃ الفرقہ

جیسے مدد بالی کا شر ہے: ۷۲۳-

کنت الضنین بمن أصبت به و سلوت حين تقادم الأمر

دیوان الحمارتہ ۱/۳۳۵

مجون لیلی کا شر ہے:

تبدت لنا كالشمس تحت غمامہ

بداحاجب منها و ضفت بحاجب

دیوان مجتوں لیلی ص ۳۸

ایک جگہ اور فرمایا:

ضفت بنالله افقلت لصاحب

ایضاً ص ۱۶۲

ضفت

ماکان اکھر حالنا و اقلہا

ایک اور جگہ فرماتا ہے:

شهدت بآنسی لم اخنک مودة

وأنى بكم حتى الممات ضنين

ایضاً ص ۱۸۲

اس کا ایک شر اور پڑھتے چلیں:

أخذت محسان کلمہ

ضفت محسانہ بحسنه ایضاً ص ۱۹۶

زہیر بن أبي سلمی کا شر ہے:

فقد بانت بکرهی، یوبانت

مفارة، وکنت بها ضنیاً

دیوان زہیر بن أبي سلمی ص ۱۰۳

۷۲۴- سورۃ البقرہ: ۲۵۶

۷۲۵- سورۃ الحلقہ: ۳۶:

۷۲۶- سورۃ النساء: ۷۶:

۷۲۷- ایضاً: ۷

۷۲۸- سورۃ النساء: ۶۰- ۶۱

۷۲۹- سورۃ البقرہ: ۱۸ او ۱۷

- ۲۲۰۔ سورة الحجر: ۲۷  
 ۲۲۱۔ سورة الشرح: ۱  
 ۲۲۲۔ سورة البقرة: ۲۳۹  
 ۲۲۳۔ لسان العرب، مادہ (ظفر)  
 ۲۲۴۔ لفظ "ظن" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للظر ابی مص مص ۵۵  
 (۲) مص ۲۹۶  
 ۲۲۵۔ دیوان طرقہ عن العبد مص ۸۳  
 ۲۲۶۔ لسان العرب، مادہ (لمع)  
 ۲۲۷۔ الأصنیعات مص ۱۰۷  
 ۲۲۸۔ سورة الزخرف: ۱۳  
 ۲۲۹۔ صاحب اقرب الموارد لکھتے ہیں: عبد الله بعد عبادة: طاع له و خضع و ذل و خدمه والتزم  
 شعائر دینہ و وحدہ، مادہ (ع ب د)  
 ۲۳۰۔ سورة الرحمن: ۷۶  
 ۲۳۱۔ سورة مریم: ۸  
 ۲۳۲۔ سورة النساء: ۵۸  
 ۲۳۳۔ سورة المائدۃ: ۹۵  
 ۲۳۴۔ سورة البقرۃ: ۱۲۳  
 ۲۳۵۔ الفہد الرمانی کے درمیں صحراء کا حصہ پر اشعار یوں ہے:  
 و لم يق سوى العدوا ن دناهم كما دانوا  
 دیوان الحماسہ: ۶۱

اس طرح کی ترکیب درمیں شعراء کے یہاں بھی پائی جاتی ہے، جیسے عرب دین اصنیع کہتا ہے:

بِاَيْهَا الْمُلْكُ الْمَهِيبُ اَمَا تَرَى	صَبَحًا وَلَيْلًا كَيْفَ يَخْتَلِفُان
هَلْ تُسْطِيعُ الشَّمْسُ اَنْ يُؤْتَى بِهَا	لَيْلًا وَهَلَالًا بِالصَّبَاحِ بِهَا
وَكَمَا تَدِينُ تَدَانُ عَقْدَ رَهَانٍ	فَاعْلَمُ وَأَيْقَنُ اَنْ مَلْكُكَ زَانِ

۲۳۶۔ سورۃ الشوریٰ: ۳۰

۲۳۷۔ سورۃ البقرہ: ۱۹۳

۲۳۸۔ سورۃ الأنعام: ۱۳۱

۲۳۹۔ سورۃ الحجید: ۲۱

۲۵۰۔ دیوان امریٰ اقیس (ابراهیم) ص ۵۳

۲۵۱۔ تفسیر: ۱۲/۳۲۹-۳۲۱، نیز تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۲۵

۲۵۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۸۳ (ایڈیشن محمد مصطفیٰ)

۲۵۳۔ اقرب الموارد، مادہ (عزم)

۲۵۴۔ دیوان الحکمات: ۱۸/۲

۲۵۵۔ سورۃ الإسراء: ۹

۲۵۶۔ سورۃ النساء: ۱۹

۲۵۷۔ پہلا مصرع ہے: الاعم صباحاً ایہا الطلل البالی دیوان امریٰ اقیس (ابراهیم) ص ۲۷

۲۵۸۔ اس شعر کی یہ روایت نہل سکی۔ وہ سری روایت یوں ہے:

فذاک عصری وقد رانی تحملنی نہدہ سرحدب

عبيد بن الأبریس۔ شعرہ و تمجید اللغوی ص ۳۳

(نیز دیوان عبید بن الأبریس تحقیق و شرح: دکتور حسین نصار ص ۷۷)

(نیز شرح القضاۃ العشر للبتریزی ص ۳۷۲)

۲۵۹۔ مفردات القرآن (۱) ص ۵۶-۵۷ (۲) ص ۲۲۲-۲۲۸

۲۶۰۔ وَكُلُّا يَهُ بَيْنَ لَكُمْ كَثِيرًا مَا كَتَمْ تَخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْلَمُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ سورۃ المائدۃ: ۱۵

۲۶۱۔ سورۃ ہود: ۳۹

۲۶۲۔ تمہیز کے لیے کلام عرب میں بہت مثالیں ہیں، ایاس بن قیمہ طائی کہتا ہے:

وَأَقْدَمَتْ وَالْخَطْبُ يَخْطُرُ بِنَا لَا عِلْمُ مِنْ جَبَانِهَا مِنْ شَجَاعَهَا دیوان الحکمات: ۱/۶۷

۲۶۳۔ دیکھیں تدبیر قرآن: ۱/۲۳۲-۲۳۳

۲۶۴۔ جھاگ کی مثال کے لیے دیکھیں۔ ایک جماں شاعر اپنے بیٹے کے بارے میں کہتا ہے:

- ۲۶۳۔ جہاں کی مثال کے لیے دیکھیں۔ ایک حماں شاعر اپنے بیٹے کے بارے میں کہتا ہے:  
 حمیت علی العہار اطہار امہ و بعض الرجال المدعین غمار  
 دیوان الحماسہ ۱/۹۷
- ۲۶۴۔ مفردات القرآن (۱) ص ۵۸، (۲) ص ۲۲-۲۳
- ۲۶۵۔ دیوانقطائی ص ۸
- ۲۶۶۔ لسان العرب، مادہ (غول)
- ۲۶۷۔ سورۃ الحشر: ۱۰
- ۲۶۸۔ سورۃ المؤمنون: ۵۳
- ۲۶۹۔ لفظ "غیر" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ ملک فراہی ص ۶۲-۶۳
- ۲۷۰۔ دیکھیں سورۃ الانعام: ۳
- ۲۷۱۔ // التوبۃ: ۹۳ و ۱۰۵
- ۲۷۲۔ // الرعد: ۹
- ۲۷۳۔ // المؤمنون: ۹۳
- ۲۷۴۔ // الجدید: ۶
- ۲۷۵۔ // الزمر: ۳۶
- ۲۷۶۔ // الحشر: ۲۲
- ۲۷۷۔ // الجمیل: ۸
- ۲۷۸۔ // الرحمن: ۸ اور غیرہ
- ۲۷۹۔ سورۃ الفتح: ۱
- ۲۸۰۔ دیکھیں تفسیر قرآن: ۳۱۰/۳ اور اس کے بعد کے صفحات
- ۲۸۱۔ سورۃ النبیر: ۲۷
- ۲۸۲۔ آیت: ۲۷
- ۲۸۳۔ صحیح البخاری، عحق: ۱، صحیح مسلم، الفاظ: ۱۳، ۱۵، ۱۶، ابو داؤد، ادب: ۵، وغیرہ
- ۲۸۴۔ سورۃ الانشقاق: ۱

- ۲۷۸۔ سورۃ البقرۃ: ۱۶۳۔
- ۲۷۹۔ دیکھیں سورۃ الشراہ: ۱۱۹۔
- ۲۸۰۔ رسیل:
- ۲۸۱۔ الساقات: ۱۳۰۔
- ۲۸۲۔ سورۃ الملک: ۳۔
- ۲۸۳۔ سورۃ الرعد: ۲۶۔
- ۲۸۴۔ سورۃ الدخان: ۳۔
- ۲۸۵۔ تفسیر ابن کثیر: ۲۷۸۔
- ۲۸۶۔ سورۃ الحجید: ۱۱۔
- ۲۸۷۔ لفظ "قریب" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ لملک رائے میں ۱۵۵۔
- ۲۸۸۔ سورۃ عبس: ۲۰۔
- ۲۸۹۔ تفسیر کبیر: ۱۶/۲۳۔
- ۲۹۰۔ سورۃ نمی اسرائیل: ۲۲۔
- ۲۹۱۔ سورۃ محمد:
- ۲۹۲۔ عباس بن مرداس کا شعر ہے۔ دیوان الحماس: ۲۲/۲۔
- ۲۹۳۔ سورۃ نمی اسرائیل: ۲۲۔
- ۲۹۴۔ سورۃ محمد:
- ۲۹۵۔ عباس بن مرداس کا شعر ہے۔ دیوان الحماس: ۲۲/۲۔
- ۲۹۶۔ عربی زبان اس طرح کی ترکیب بہت استعمال ہوتی ہے جیسے: حیرة حائرۃ، وضوح واضح، ظلمة مظلمۃ، عسر عسیر، جهد جهید، عدد علیبد، خوف مخیف، قلة قلبیة، کثرة کثیرة، ظلمة ظلماء، رفق رفقی، ایڑھاب رھیب، وغیرہ۔
- ۲۹۷۔ "قول" کے مختلف معانی کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ لملک رائے میں ۱۱۹، نیز مفردات القرآن (۲) میں ۲۷۲۔
- ۲۹۸۔ مختلف آراء کے لیے دیکھیں تفسیر طبری: ۱۵۲/۲۹۔

۲۹۳۔ سورة مریم

۲۹۵۔ روایت یوں ہے:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال "يقبض العلم ويظهر الجهل والفن ويكثر الهرج" قيل: يا رسول الله، وما الهرج؟ فقال هكذا بینه، فحرفها، كأنه يريد القتل. (فتح الباري: ۱۸۲/۱)

۲۹۶۔ پلامصر ہے:

فظلَّ لنا يومُزْ لِيَذِّبَّنْ عَنْهُمْ دیوان امری القس (ابراهیم) ص ۲۸۹

۲۹۷۔ سورۃ الشام: ۳۳

کلام عرب میں بھی اس کی مثالیں بہت ہیں۔ قریط بن آنیف اپنے دشمنوں کی تعریف میں کہتا ہے: قوم إذا الشر أبدى ناجذيه لهم طاروا إلیه زرافات ووحداناً دیوان الحکمة ۲/۱

الغندارمانی کا شعر ہے:

صفحنا عن بنی ذهل وقلنا القوم إخوان أیضاً ۱/۱

عرو بن محمد کرباب دشمن کی بھاوری کی تعریف کرتا ہے:

قوم إذا لبسوا الحدب دَنَمُوا حلقاً وَقَدَا أیضاً ۱/۰۵

شدانی بن سعید کنانی کہتا ہے:

قاتلی القوم ياخذاع ولا يدخلکم من قتالهم فشل أیضاً ۱/۰۴

مزید نے فرمایا:

القوم أمثالكم لهم شعر فی الرأس لا يشرون ان قتلوا أیضاً ۱/۰۱

حارث بن وعلة جری کا قول ہے:

لا تأمنن قوماً ظلمتهم وبدائهم بالشتم والرغم أیضاً ۱/۰۵

نفس کا ایک شاعر کہتا ہے:

فلا تأخذوا عقلأً من القوم إنتي أرى العاريقى والمعاقل تذهب أیضاً ۱/۰۷

حسان بن ثوبہ عدوی کہتا ہے:

سموا نحوكيل القوى درونه بأسافهم حتى هوی فقترا أیضاً ۱/۰۵

عبد الشارق بن عبد العزی جتنی کا قول ہے۔

- فارسلہ ابا عمر ربیا فقال الا انعموا بالقوم عينا  
 ایضاً ۱۷۰۱
- ۲۹۹۔ دیکھیں "الکتاب" پر مولانا فراہی کی بحث۔ تفسیر سورۃ البقرۃ ملفراءہی ص ۵۴۔ ۵۵
- ۳۰۰۔ خاص حصہ کی مال کے لیے دیکھیں سورۃ یونس: ۹۳
- ۳۰۱۔ دیکھیں تفسیر نظام القرآن ص ۳۱۲۔ ۳۱۳، مفردات القرآن (۱) ص ۶۲۔ ۶۳ (۲) ص ۳۰۷۔ ۳۰۸
- ۳۰۲۔ تفسیر طبری: ۳۹۶۔ ۳۹۰۔ ۳۰
- ۳۰۳۔ اقرب الموارد، مادہ (کثر)
- ۳۰۴۔ دیکھیں، تدبر قرآن: ۱۶۲/۵
- ۳۰۵۔ سورۃ التوبہ: ۱۲
- ۳۰۶۔ دیوان حاتم الطائی ص ۳۹
- ۳۰۷۔ لسان العرب، مادہ (خدم)
- ایک اور شاعر کا قول ہے:
- کان منا المطاردون على الآخر یا إذا أبدت العذارى الخداما  
 ایضاً، مادہ (خدم)

سعد بن مالک بن ضبیہ کا قول ہے:

کشفت لهم عن ساقها وبذا من الشر الصراح  
 دیوان الحمامہ: ۱۹۳/۱

۳۰۸۔ لفظ "کفر" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ ملفراءہی ص ۱۲۶۔ ۱۲۷  
 — شکر کی ضد کی مثال..... لیلوونی اشکر ام اکفرو من شکر فانما..... سورۃ انہل: ۸۰  
 ولقد آتیا لقمان الحکمة ان اشکر لله و من شکر فانما يشکر لنفسه

ومن كفر فإن الله غنى حميد، سورۃ لقمان: ۱۷ نیز سورۃ البقرۃ: ۱۵۲  
 ایمان کی ضد کی مثال: ..... یوم الفتح لا ینفع الذين کفروا ایمانهم ولا هم ینظرون، سورۃ الحجۃ: ۲۹  
 ..... وقال الذين کفروا ربنا أرنا الذين أضلنا من الجن والإنس  
 سورۃ فصلت: ۲۹ نیز سورۃ محمد: ۳

- ۳۰۹۔ سورۃ البقرۃ: ۲۰۸
- ۳۱۰۔ دیکھیں، سورۃ التوبہ: ۱۲۲، ۳۲
- ۳۱۱۔ تفسیر طبری: ۱۳۳۔ ۲۳
- رساً: ۲۸

۳۱۲۔ سورۃ الْحَزَاب: ۳۳

۳۱۳۔ دیوان امریٰ نقیس (اب رایم) ص ۱۰۵، اس میں "قدکان" کی جگہ "فلوآن" ہے۔ جب کہ مولا نافرائی نے اپنے حواشی قرآن میں "فلوکان" لکھا ہے۔ انہوں نے عرب و بن ریجہ قریشی کا مندرجہ ذیل قول بھی نقل فرمایا ہے:

فَوَاللَّهِ مَا لِلْعَيْشِ مَالُ الْأَقْكَمِ  
أَلَمْ تَعْلَمِ مَا كَتَبَ اللَّهُ لِكُمْ وَأَقْسَطَ لَا تَخْلِيْنَ ذَاكِرَةً بِاسْمِي  
حَوَّاشِي إِلَّا إِمَامُ الْقُرْآنِ عَلَى الْقُرْآنِ أَكْرَمٌ، سورۃ هود: ۷۶

جنون اپنی مشوقة کے بارے میں کہتا ہے:

أَهِيمْ بِكُمْ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلِيلَةٍ جَنُونًا وَجَسْمًا بِالسَّقَامِ مُوَكِّلٌ  
دیوان جنون یعنی ص ۱۵۰

۳۱۴۔ شرح المعاقدم عشر ص ۲۰، ایک دوسری روایت ہے:

كَدِينَكَ مِنْ أُمِّ الْحَوَّارِثِ قَبْلَهَا وَجَارَتْهَا أُمُّ الرَّبَابِ بِمَاءِ  
دیوان امریٰ نقیس (اب رایم) ص ۹

۳۱۵۔ سر تقرب الموارد، مادہ (کنس)

۳۱۶۔ لفظ "لہس" کی تحقیق کے لیے دیکھیں تفسیر سورۃ البقرۃ للملفوظی ص ۲۱۸

۳۱۷۔ سورۃ الْأَنْعَام: ۶۵

۳۱۸۔ سورۃ الْبَرَّ: ۲۲

۳۱۹۔ دیکھیں، سورۃ الْأَنْعَام: ۱۵۱

سورۃ الْأَنْبَاء: ۳۱

۳۲۰۔ حواسی شاعر صنیان عبدی کہتا ہے:

وَأَصْبَتْ عُسْرًا فَنَعَمُ الْوَصْيِ  
فَلَكُنْ عِنْدَ سَرَّكَ خَبْتُ النَّعْيِ  
وَسَرَّ الْأَشْلَاثَةِ غَيْرُ الْخَفْيِ  
دیوان الحماسة: ۵۷/۲

۳۲۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۲۷/۳/۳

۳۲۲۔ سورۃ آل عمران: ۷۸

## مصادر و مراجع

### عربى:

—إبن الأنبارى: الزاهرى، تحقيق: حاتم صالح الضامن، وزارة الأعلام، بغداد، عام ١٣٩٩ هـ

—ابن حجر: فتح البارى، المطبعة السلفية، القاهرة

—إبن قيم الجوزية: الأمثال فى القرآن الكريم، تحقيق: سعيد محمد نمر الخطيب، دار المعرفة، بيروت عام ١٩٨١ م

—إبن كثير: السيرة النبوية، دار الفكر، بيروت عام ١٩٧٨ م

—إبن كثير: تفسير القرآن العظيم (١) دار الفيحاء، دمشق، بيروت، الطبعة الأولى عام ١٩٩٢ م

—إبن كثير: تفسير القرآن العظيم (٢) مطبعة مصطفى محمد عصر عام ١٩٣٧ م

—إبن منظور: لسان العرب ، دار إحياء التراث العربى، بيروت عام

١٩٨٨ م

—أبو تمام حبيب بن أوس الطائى: ديوان الحماسة بشرح التبريزى

—أبو زكريا يحيى بن على التبريزى: شرح العقائد العشر، ضبطه

وصححه: الأستاذ عبد السلام الحوفى، دار الكتب العلمية،

بيروت، لبنان ط ١ عام ١٩٨٥ م

—أبو سعيد الحسن بن الحسين السكري: كتاب شرح اشعار الهدللين، تحقيق: عبد الستار احمد فراح، مراجعة: محمود محمد شاكر،

- مطبعة المدنى شارع رمسيس القاهرة
- أبوالقاسم حار الله محمد بن عمر الزمخشري: الكشاف عن  
حقائق التنزيل وعيون الأقوايل فى وجوه الناویل. دار المعرفة،  
بيروت، لبنان.
- الأب لويس شيخو اليسوعى: كتاب شعراء النصرانية، مطبع الآباء  
المرسلين اليسوعيين، بيروت عام ١٨٩٠ م
- الأساس، تحقيق: الأستاذ عبد الرحيم محمود، ار المعرفة
- الأصميات، تحقيق و شرح: أحمد محمد شاكر و عبد السلام  
هارون، دار المعارف عام ١٩٦٤ م
- توفيق أسعد عبيد بن الأبرص، شعره و معجمه اللغوى
- الإمام جلال الدين السيوطى: تاريخ الخلفاء، تحقيق: الشيخ قاسم  
الشماعى الرفاعى والشيخ محمد العثمانى، دار القلم، ط ١، ١٩٨٦،
- الجوهرى: الصحاح، تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، ط ٢، عام  
١٤٠٢ هـ
- الحسين بن محمد بالراغب الأصفهانى: المفردات فى غربى  
القرآن، تحقيق و ضبط: محمد سيد كيلانى، دار المعرفة، بيروت،  
لبنان
- حمزه الأصفهانى: الدرة الفاخرة فى الأمثال السائرة، تحقيق:  
عبدالمجيد قطامش، دار المعارف، القاهرة، عام ١٩٧١ م
- ديوان النابغة الذبيانى، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار  
المعارف، مصر
- ديوان أمرئ القيس، تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم، دار  
المعارف ط ٤، القاهرة
- ديوان جرير، دار صادر بيروت

— ديوان حاتم الطائى، دار صادر بيروت، ١٩٧٤ م

— ديوان الحنساء، دار صادر بيروت

— ديوان ذى الرمة، تحقيق: عبد القدوس أبو صالح، مجمع اللغة

العربية، دمشق، ١٣٩٢ هـ

— ديوان زهير بن أبي سلمى، دار بيروت للطباعة والنشر، بيروت عام

١٩٧٩ م

— ديوان سيدنا حسان ثابت الأنصارى، مطبعة الإمام بشارع

مسجد البنات بمصر عام ١٣٢١ هـ

— ديوان عبيد بين الأبرص، تحقيق وشرح: دكتور حسين نصار،

شركة ومكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبي وأولاده بمصر، ط

عام ١٩٥٧ م

— ديوان طرفة بن العبد: تحقيق: درية الخطيب ولطفي الصقال،

مجمع دمشق عام ١٩٧٥ م

— ديوان مجذون ليلي بشرح الدكتور يوسف فرات، دار الكتاب

العربى، بيروت ط ١، عام ١٩٩٢ م

— ديوان النابغة الذهبيانى، تحقيق وشرح: كرم البستانى، دار صادر بيروت

— الزمخشرى: اساس البلاغة، دار صادر بيروت، ١٩٧٩ م

— سعيد الشرتوى: أقرب الموارد فى فصح العربية والشوارد، مكتبة

لبنان، بيروت، لبنان، ط ٢ عام ١٩٩٢ م

— سيبويه: الكتاب، تحقيق: عبد السلام هارون، مكتبة الخانجى،

القاهرة

— شعر الراوى التميرى وأخباره، جمعه وقدم له وعلق عليه: ناصر

الحانى، دمشق، عام ١٩٦٤ م

— شعر عمرو بن معدى كرب الزبيدى، جمعه وحققه: مطاع

- الطرابلسي، دمشق عام ١٩٧٤ هـ
- الإمام الطبرى: جامع البيان عن تأویل آى القرآن (١) تحقيق:  
محمد شاكر، دار المعارف، القاهرة
- الإمام الطبرى: جامع البيان عن تأویل آى القرآن تحقيق:  
محمود محمد شاكر، (٢) مطبعة: الحلبى، القاهرة، ط ٣، عام  
١٣٨٨ هجري
- الشیخ عبد الحمید الفراہی: أسلیب القرآن۔ تحقیق: اورنک زیب  
الاعظمی (مخطوط)
- الإمام عبد الحمید الفراہی: امعان فی اقسام القرآن، دار القلم  
بدمشق، ط ١٩٩٤، ١
- الإمام عبد الحمید الفراہی: تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان  
بالفرقان، الدائرة الحمیدیة ط ١، عام ٢٠٠٠ م
- الإمام عبد الحمید الفراہی: حواشی الإمام الفراہی علی القرآن  
الکریم، تحقیق: اورنک زیب الأعظمی (مخطوط)
- الإمام عبد الحمید الفراہی: الرائی الصحیح فیمن هو الذیبح، دار  
القلم بدمشق، ط ١ عام ١٩٩٩ م
- الشیخ عبد الحمید الفراہی : رسائل الإمام الفراہی فی علوم  
القرآن، الدائرة الحمیدیة بمدرسة الإصلاح، سرای میر، اعظم کرہ،  
الہند، ط ٢ عام ١٩٩١ م
- الإمام عبد الحمید الفراہی: مفردات القرآن (١) مطبعة  
”الاصلاح“ سرای میر، اعظم کرہ، الہند عام ١٣٥٨ هـ
- الإمام عبد الحمید الفراہی: مفردات القرآن (٢) تحقيق: د/محمد  
أجمل أيوب الاصلاحي، دار الغرب الاسلامي، ط ٢، ١٢٠٠
- عبد الخالق الشهير بابن الخواجة: كتاب مختارات شعراء العرب،

- طبع بالطبعية العامرة بشارع المغاربة، عام ١٣٦٠ هـ
- عبد الرؤوف المناوى: فيض القدير شرح الجامع الصغير، دار إحياء  
السنة النبوية عام ١٣٥٦ م
- عبدالكريم الجheiman: الأمثال العربية في قلب جزيرة العرب،  
بيروت ١٩٦٣ م
- عبدالمجيد زراظط: عشاق العرب، دار البحار، بيروت الطبعة  
الأولى، عام ١٩٨٧ م
- القرطبي: الجامع لأحكام القرآن
- كتاب العهد الجديد لربنا و مخلصنا يسوع المسيح، الطبعة  
الأدبية، عام ١٨٨٦ م
- محمد أبو صوفة: الأمثال العربية ومصادرها في التراث، مكتبة  
الأقصى، عمان ط ١
- محمد توفيق أبو على: الأمثال العربية والعصر الجاهلي، دراسة  
تحليلية، دار النفائس، بيروت ط ١ عام ١٩٨٨ م
- محمد طلعت حرب: تاريخ دول العرب والإسلام، مطبعة الكوثر،  
سرائي مير، اعظم كره، الهند، ط ١ عام ١٩٨٩ م
- محمد فؤاد عبد الباقي: المعظم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم،  
دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، ط ٢ عام ١٩٩٢ م
- المعجم الكبير، مطبعة دار الكتب، عام ١٩٧٠ م
- المفضليات، تحقيق: أحمد محمد شاكر و عبد السلام هارون،  
دار المعارف ط ٧
- يوسف الصالحي الشامي: سبل الهدى والرشاد، القاهرة  
عام ١٩٧٥ م

## اردو کتابیں:

— قرآن مجید —

— امین احسن اصلاحی: اسلامی قانون کی تدوین، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان  
بار اول، ۱۹۹۱ء

— امین احسن اصلاحی: ترکیب نفس، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

— امین احسن اصلاحی: تفسیر مدبر قرآن، تاج چینی، دہلی، بار اول ۱۹۸۹

— امین احسن اصلاحی: حقیقت تقویٰ، فاران فاؤنڈیشن لاہور، پاکستان بار دوم، ۱۹۸۹ء

— امین احسن اصلاحی: مبادیٰ تدبیر قرآن، تحقیق: اورنگ زیب عظیٰ، قرآن و سنت اکیڈمی

نئی دہلی، بار اول ۲۰۰۲ء

— علامہ حمید الدین فراہی: تفسیر نظام القرآن، دائرۃ حمیدیۃ، مدرستہ الاصلاح، سرائے میر،  
اعظم گذھ، یونی، انڈیا، ۱۹۹۰ء

— مولانا سید سلمان ندوی: تاریخ ارض القرآن، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، عظم گذھ، یونی،

۲۰۰۰ء

## محلات و جرائد:

— خدا بخش لاہری جریٰ، خدا بخش اور بینش لاہری ریٰ، پٹنہ، بہار

— مجلہ علوم القرآن ششماہی، ادارہ علوم القرآن، سرسید گنگر، علی گذھ

— مجلہ مدرستہ الاصلاح، سرائے میر، عظم گذھ، یونی

## English:

— Aurang Zeb Azmi: Shukr, It's reality (unpublished)

# ادارہ کی دیگر مطبوعات

150	مولانا امین احسن اصلاحی	اسلامی ریاست
زیر طبع	مولانا امین احسن اصلاحی	اسلامی ریاست میں قانون سازی
90	مولانا امین احسن اصلاحی	مشابہات حرم
375	خالد مسعود	حیات رسول امی
250	ڈاکٹر فاروق	اسلام کیا ہے؟ مجلد نیا ایڈیشن
150	ڈاکٹر فاروق	اسلام اور عورت۔ مجلد ایڈیشن
150	سید ابی جاز حیدر	معلم لغۃ القرآن
150	ڈاکٹر عبداللہ فلاحتی	قرآن کریم میں نظم و مناسبت
100	فاطمہ اسماعیل مصری	قرآن اور عقل
180	مرتب عارف جان	کیا آپ دین سمجھنا چاہتے ہیں؟
130	ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی	اسلامی فقہ کے اصول و مبادی
100	مقالات ہاشمی (چند علمی و تحقیقی مکاتیب کا مجموعہ)	عبدالقدوس ہاشمی
330	سعید ملک	اسلام، مسلمان اور دور حاضر
250	الاطاف عظیمی	احیائے ملت اور دینی جماعتیں
90	ڈاکٹر عبداللہ فراہی	تصوف۔ ایک تجزیاتی مطالعہ
225	این بے کلسن مرتب جم شجاعت ترمذی	وراثت۔ مسلم خاندان میں
150	(عظمی فلسفی پر جامع و تحقیقی کتاب)	سقراط منصور الحمید
150	جماعت اسلامی کی انتخابی سیاست اور پاکستان کا مستقبل	سعید ملک
120	رعوج وزوال کا قانون اور پاکستان	ریحان یوسفی

**دارالتدذکیر رحمن مارکیٹ، غزنی شریعت، اردو بازار**

لاہور - 54000 فون: 7231119



